فتاوی ناموس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام

جلد اول

مرتب

محمد خالد البلوشی الحنفی

فاضل جامع مطلع العلوم کوئٹہ بلوچستان پاکستان

کتاب کا نام: فتاوی ناموس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام/جلد اول

مرتب: محمد خالد حنفی

صفحات: ۵۳۶

سائز: ۲۰×۲۶

ناشر:

سن اشاعت:

تعداد:

رابطہ

Gmail: khalidhanfi11@gmail.com

03379735574

03185110565

محترم قارئین! اپنی بساط کے مطابق بھرپور توجہ سے پروف ریڈنگ کی گئی ہے کہ غلطی نہ رہے، پھر بھی انسان کمزور ہے اور غلطی کا امکان موجود ہے۔ قارئین مطلع فرمادیں تو آئندہ درستگی ہوسکتی ہے۔(حنفی)

فہرست مضامین

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعائیہ کلمات

استاذ العلماء حضرت اقدس مولانا سید محمد طاہر شاہ ہاشمی صاحب دامت برکاتہم

نحمدهٔ ونصلی علی رسوله الکریم!

عزیزم مولوی خالد حنفی سلمہ اللہ تعالیٰ اپنی تازہ تالیف ''فتاوی ناموس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام'' جو کہ چار (۴) جلدوں پر اور ''فتاوی رشیدیہ جو کہ تین (۳) جلدوں پر اور فتاوی دینیہ جو کہ فی الحال ایک (۱) جلد پر مشتمل ہے منظرِ عام پر لائے ہیں اللہ تعالیٰ ان تالیفات کو قبول فرما کر آخرت میں بلاحساب وکتاب نجات کا ذریعہ بنادیں اور عامۃ المسلمین کو ان سے استفادہ کی توفیق عطاء فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ عزیزم خالد حنفی کو صحت اور کامل خُلوص وصدق کیساتھ مدت مزید تک دین کے اعلیٰ سے اعلیٰ خدمات کی توفیق عطا فرمائیں اور مؤلف کو ہر قسم کے شر اور فتنوں سے محفوظ فرما کر صحت وسکون کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔

آمین یا رب العالمین

دعا گو: سید محمد طاہر شاہ ہاشمی

مہتمم: مدرسہ اسلامیہ سراج العلوم محمدیہ الہاشمیہ

شیخ عمر روڈ احمد شاہ اسٹریٹ ہڈہ کوئٹہ

۲۳ صفر المظفر ۱۴۴۵ھ بمطابق ۱۲ ستمبر ۲۰۲۳ء

Mufti Abdul Wahid Qureshi

PRINCIPAL: Idarat-ul-Noman

CHAIRMAN Dar-ul-Ifta Wal Irshad Masjid Karima Trust

AMEER: Aalmi Ittehad Ahl-e-Sonah-wa-Jamat

Khyber Pakhtunkhwa Pakistan



مفتی عبدالواحد قریشی

مدیر: ادارۃ النعمان

تاریخ 02-07-2025 حوالہ نمبر 043-2025

اہل حق کی طرف سے عقیدہ ختم نبوت ﷺ اور مسئلہ ناموس نبی کریم ﷺ کے مبارک عنوان پر گزشتہ کئی صدیوں سے لاتعداد کتب تحریر کی گئی ہیں اور یہ بس نہیں بلکہ عاشقان رسول ﷺ نے اس مقصد کی خاطر ہزاروں جانوں کی قربانی دی ہے اور یہ لوگ یہ قربانیاں کیوں نہ دیتے کہ رسول اللہ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے سب سے عزیز اور آخری نبی تھے اور آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے اور اس کے پیغام (قرآن کریم اور سنت نبویہ) پوری امت کو پہنچانے میں صرف کردی اور اس کام میں آپ ﷺ کو بے حد تکالیف کا سامنا رہا جنہیں آپ ﷺ نے نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

مشہور یہودی مصنف مائیکل ہارٹ آنجہانی نے جب دنیا کی 100 طاقتور ترین شخصیات کی فہرست شائع کی تو آپ رسول اللہ ﷺ کو پہلی پوزیشن پر درج کیا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے اعتراضات اور احتجاج کے باوجود اس نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کے کردار اور خلق کی نہ صرف تعریف کی بلکہ یہ بھی واضح کیا کہ آپ ﷺ اس کائنات کی واحد شخصیت ہیں جن کی خاطر آج بھی کئی مسلمان جان کی بازی لگا کر اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے نام پر رسول اللہ ﷺ کی خاطر قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔

زیر نظر کتاب "فتاویٰ ناموس انبیاء کرام ﷺ" برادرم مفتی محمد خالد حنفی (فاضل جامعہ مطلع العلوم کوئٹہ بلوچستان) کی تالیف ہے جو کہ انہوں نے اکابر رحمہم اللہ کے فتاویٰ میں منتشر موتیوں کو جمع کرنے کی صورت میں ترتیب دی ہے۔

کتاب کے چند اوراق پلٹنے کی فرصت میسر آنے پر مواد انتہائی مفید معلوم ہوا۔ زیر نظر کتاب میں حضرات انبیاء کرام ﷺ سے متعلق تقریباً تمام معروف اکابر رحمہم اللہ کے فتاویٰ سے من وعن جمع کی گئی ہیں اور ساتھ ہی ان کتب کا حوالہ بھی درج کر دیا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت مزید بڑھ گئی ہے۔ اللہ رب العزت سے کامل امید ہے کہ کتاب قارئین کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوگی

آخر میں رب کریم سے دعا ہے کہ صاحب تالیف کو اس سلسلہ میں دینی و آخروی مزید ترقیات عطا فرمائیں۔

الراجی الی رحمۃ رب الرحیم بجاہ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم

مفتی عبدالواحد قریشی حفظہ

مدیر: ادارۃ النعمان ڈیرہ اسماعیل خان، خیبر پختونخواہ

تاریخ: 02 جولائی 2025ء

Mob: [illegible], https://www.facebook.com/MuftiAbdulWahid

Aziz-ur-Rehman
Hazarvi
Jamia Binoria S.I.T.E., Karachi.
Juma Masjid Quba, Block-4, Metroville Karachi.

عزیز الرحمٰن ہزاروی
استاد الحدیث جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی
امام و خطیب جامع مسجد قبا بلاک 4 میٹروول کراچی
0300-2824286, 6663226

تاریخ ۱۵ رجب المرجب ۱۴۴۶ھ
۱۴ / جنوری ۲۰۲۵ء

حوالہ ______

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

اما بعد! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور سیرت طیبہ ایک خوشبودار موضوع ہے
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب بھی کسی مجلس میں اکٹھے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا تذکرہ کرتے تھے، اپنے دلوں کو تسکین دیتے اور اپنے دماغ کو روشن کرتے
اسی بنا پر علمائے امت نے ہر دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور سیرت طیبہ پر
کتابیں لکھنے کو اپنے لئے سعادت اور توشہ آخرت سمجھا۔
زیر نظر کتاب "فتاویٰ ناموس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے
لیکن اس کتاب کا رنگ انوکھا اور منفرد موضوع اور نیا انداز ہے
اس کتاب میں حضرت مولانا محمد ساجد حنفی حفظہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی،
~~[illegible]~~ آپ کے خاتم النبیین ہونے پر
جو سوالات و اعتراضات کیے گئے ہیں ان کے مدلل و مفصل جوابات دیئے ہیں
نیز دیگر انبیاء علیہم السلام پر اور ان کے معجزات پر جو سوالات و اعتراضات ہوتے ہیں
ان کے بھی جوابات دیئے گئے ہیں، اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے تمام شکوک و شبہات
دور ہو جائیں گے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مولانا موصوف نے اس کتاب میں ہر بات کا حوالہ
بھی ذکر کیا ہے [illegible]
دیا ہے جو مولانا کی دیگر کتابوں کی بھی خصوصیت ہیں
[illegible] مقامات سے اس کتاب کا مطالعہ [illegible]
علمائے کرام، طلبا عظام، اور عام مسلمانوں کے لیے نافع و مفید ہے
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی یہ کاوش قبول فرمائے اور ان کو تمام [illegible]
کا ذریعہ بنائے آمین یا رب العالمین

[illegible]

مفتی عبدالرحمٰن ملاخیل

دارالافتاء والتحقیق (ٹرسٹ)

پتہ

(1) ابوبکر صدیق مسجد فیز 2 ڈیفنس کراچی۔

(2) دارالعلوم عائشہ صدیقہ عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان۔

Mufti Abdur Rehman Mulla Khail

DAR-UL-IFTA WA TAHQEEQ (Trust)

Address

(1) Abu-bakar Masjid Phase II Defence Karachi

(2) Dar ul Uloom Aisha Siddiqa Abdul Khail

Dera Ismail Khan

Cell 0333-2251145 0313-2775126

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

حامدا ومصلیا

"فتاوی ناموس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام" نام سے ہی کتاب کا موضوع اور اس کی عظمت وافادیت ظاہر ہے، اس موضوع پر پہلی مرتبہ چار جلدوں پر مشتمل مفصل ومدلل کتاب سامنے آرہی ہے، اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف "مولوی محمد خالد حنفی" کی زندگی میں علم وعمل میں خوب برکت عطاء فرمائے، مخلوقات میں سے سب سے زیادہ شرف انسان کو حاصل ہے پھر ان میں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زیادہ واجب الاحترام والاکرام ہیں، پوری انسانیت پر ان کا بڑا حق ہے موصوف نے حسب استعداد اس کی ادائیگی کی قدر [illegible] ادا فرمائے اور پوری امت نے لئے نافع بنائے۔

چنانچہ فاضل مؤلف زید مجدہ نے ایسے تمام فتاوی اور تحریرات کو یکجا کیا جو ناموس انبیاء علیہم السلام سے متعلق تھیں اور جن تک موصوف کی رسائی ہوئی، موصوف کا امت پر یہ بڑا احسان ہے اللہ تعالیٰ ان کی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

[illegible]

مفتی گل حسن

استاذ الحدیث ورئیس دارالافتاء والقضاء



حوالہ نمبر: ۸۷

تاریخ: ۱۲/۱۶ ۱۴۴۷ھ
14.6.2025

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

اما بعد: ۔۔۔کتاب (فتاوی ناموس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) جس کو حضرت مولانا محمد خالد حنفی دامت برکاتہم العالیہ نے ترتیب دیا ہے جو کہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ میں نے اس کے متعدد مقامات کا ملاحظہ کیا۔ کتاب ہذا پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب میں ہمارے اسلاف کے معتبر کتب فتاوی سے مضمون کی مناسبت سے بعینہ سوال و جواب کو یک جا جمع کیا گیا ہے۔ استفادہ کرنے والوں کیلئے آسانی کی گئی ہے۔ کہ ناموس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق جو مضمون دیکھنا ہو تو اس کتاب سے بآسانی دستیاب ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کتاب ہذا مستقل فتوی کی کتاب نہیں ہے لیکن ایک مضمون کے متعلق ایک ذخیرہ اور دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، دورِ حاضر میں اس کی اشد ضرورت ہے۔ ناموس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایک جامع اور مجموعۃ الفتاوی کی حیثیت رکھتی ہے، اسم بامسمّیٰ ہے۔ اور حسن ترتیب عجیب ہے۔ رب ذوالجلال مرتب کو اجر عظیم عطاء فرمائے، اور تمام محبان کیلئے باعث برکت وفلاح دارین اور ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فقط والسلام



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

''فتاوی ناموس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام'' کوئی مستقل کتاب نہیں ہے بلکہ ہمارے اکابر علمائے دیوبند کے فتاوی کا وہ مجموعہ ہے جو انہوں نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے متعلق سائلین حضرات کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہیں، اور پھر وہ فتاوی ان حضرات کے اپنے فتاوی مثلاً فتاوی رشیدیہ، امداد الفتاوی، فتاوی دار العلوم دیوبند وغیرہ میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ فقیہ النفس قطاب الاقطاب حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ کے زمانہ سے لے کر عصر حاضر تک اکابرین علمائے دیوبند کے جو فتاوی شائع ہو چکے ہیں، (ان میں سے جو فتاوی کتابی شکل میں یا پی ڈی ایف کی شکل میں بندہ کو ملے) ان میں سے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے متعلق فتاوی کو بندہ نے اکھٹا کیا اور اس پر الحمدللہ کافی مواد اکھٹا ہوا، جن کو بندہ نے چار جلدوں میں ترتیب دی اور انہیں پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے، پہلا حصہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام تک انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے بارے میں متفرق فتاوی ہیں، دوسرا حصہ معجزات کے بارے میں ہے، تیسرا حصہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے توسل سے دعا کرنے کے بارے میں ہے، اور چوتھا حصہ حیات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے بارے میں ہے، اور پانچواں حصہ رد قادیانیت کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بندہ کی اس حقیری کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول مقبول فرما کر آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

بندہ محمد خالد حنفی

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا بیان

نبوتِ تشریعی و غیر تشریعی

﴿سوال﴾:

صاحب شریعت کس نبی کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے؟

۲......غیر تشریعی نبی کس کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے؟

﴿الجواب حامداً و مصلیاً﴾:

ا......جس کی شریعت مستقل ہو۔

۲......جو دوسرے نبی کے تابع ہو(ا)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔(فتاوی محمودیه، ج: ۱، ص: ۳۷۲)



نبوت تشریعی اور غیر تشریعی میں فرق

﴿سوال﴾:

امام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ''قُوْلُوْا اَنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَلَاتَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ''.

﴿جواب﴾:

(ا):فی شرح العقائد النسفية: والرسول انسان بعثه اللّٰه الى الخلق لتبليغ الأحكام، وقد يشترط فيه الكتاب، بخلاف النبى فانه أعم. (شرح العقائد النسفية، بحث خبر الرسول ﷺ، ص: ۵۷، ط، المكتبة البشرىٰ كراتشى)

(وكذا فى شرح الفقه الأكبر، بحث يجب على المكلف أن يقول آمنت باللّٰه و ملائكته وكتبه ورسله، ص: ۱۱، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

(تکملہ مجمع البحار، ج:۵، ص:۵۰۲) میں علامہ محمد طاہر پٹنی نے یہ قول نقل کر کے لکھا ہے۔ "وھذا ناظر الی نزول عیسیٰ"۔ یعنی یہ ارشاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے پیش نظر فرمایا۔

﴿سوال﴾:

امام عبدالوہاب شعرانی [رحمہ اللہ تعالی] فرماتے ہیں "مطلق نبوت نہیں اٹھائی گئی محض تشریعی نبوت ختم ہوئی ہے۔ جس کی تائید حدیث میں حفظ القرآن الخ" سے بھی ہوتی ہے (جس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے قرآن حفظ کرلیا اس کے دونوں پہلوؤں سے نبوت بلاشبہ داخل ہوگئی) اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول مبارک "لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَارَسُوْلَ" سے مراد صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو شریعت لے کر آئے، محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "جو نبوت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آنے سے منقطع ہوئی ہے وہ صرف غیر تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت" اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس لیے اس نے ان کی خاطر تشریعی نبوت باقی رکھی۔ مذکورہ بالا دو اقوال واضح فرمادیں۔ تشریعی اور غیر تشریعی بھی واضح فرمادیں۔ کیا اس کو اپنے لیے دلیل بنا سکتے ہیں؟



﴿جواب﴾:

شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کے کشف والہام کو "نبوت" کہتے ہیں اور حضرت انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو جو منصب عطا کیا جاتا ہے اسے "نبوت تشریعی" کہتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ چونکہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی نبوت ان کے نزدیک تشریع کے بغیر نہیں ہوتی اس لیے ولایت والی نبوت واقعتاً نبوت ہی نہیں۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام والی نبوت (جو ان کی اصطلاح میں نبوت تشریعی کہلاتی ہے) کو ختم مانتے ہیں اور ولایت کو

جاری۔ اور یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے فرق صرف اصطلاح کا ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[آپ کے مسائل اوران کا حل ج۱ص ۲۴۳،۲۴۴]۔(فتاویٰ ختم نبوت، ج:۱، ص:۲۲۷،۲۲۸،ط،عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان)



(۲):فی الیواقیت الجواهر تنقسم النبوة البشرية علی قسمين: القسم الأول: من اللّٰه تعالیٰ الی غيره من غير روح ملکی بين اللّٰه تعالیٰ وبين عبده بل اخبارات الٰهية يجدها فی نفسه من الغيب أو فی تجليات، ولايتعلق بذلک الاخبار حکم تحليل ولاتحريم بل تعريف بمعانی الکتاب والسنة أو بصدق حکم مشروع ثابت أنه من عنداللّٰه تعالیٰ أو تعريف بفساد حکم قد ثبت بالنقل صحته ونحو ذلک وکل ذلک تنبيه من اللّٰه تعالیٰ شاهد عدل من نفسه قال ولا سبيل لصاحب هذا المقام أن يکون علی شرع يخصه يخالف شرع رسوله أرسل اليه وأمرنا باتباعه أبداً.
القسم الثانی: من النبوة البشرية وهو خاص بمن کان قبل بعثة نبينا محمد صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم، وهم الذی يکونون کالتلامذة بين يدی الملک، فينزل عليهم الروح الأمين بشريعة من اللّٰه تعالیٰ فی حق نفوسهم بتعبدهم بها فيحل لهم ما شاء ويحرم عليهم ما شاء ولايلزمهم اتباع الرسل وهذا المقام لم يبق له أثر بعد محمد صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم..الخ. (اليواقيت والجواهر فی بيان عقائد الأکابر، المبحث الثالث والثلاثون فی بيان بداية النبوة والرسالة والفرق بينهما وبيان امتناع رسالة رسولين معاً فی عصر واحد وبيان أنه ليس کل رسول خليفة وغير ذلک من النفائس التی لاتوجد فی کتاب، الجزء الثانی، ص: ۳۴۸، ۳۴۹، ط، دار احياء التراث العربی بيروت لبنان)

عصمت انبیاء علیہم السلام اور ان کی طرف منسوب الفاظ کا صحیح مفہوم

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام والتسلیمات قبل النبوۃ وبعد النبوۃ معصوم ہوتے ہیں یعنی صغائر اور کبائر کا ارتکاب نہیں کر سکتے حالانکہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے شجرہ ممنوعہ کھایا ہے وغیرہ وغیرہ، اس مسئلہ کے بارے میں ہمارے علاقہ کے علماء بڑی پریشانی کا شکار ہیں مہربانی فرما کر اس کے بارے میں رہنمائی فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿الجواب باسم الملک الوھاب﴾:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کا کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا، انبیاء علیہم السلام تمام صغائر وکبائر سے قبل النبوۃ معصوم ہوتے ہیں بظاہر جو گناہ معلوم ہوتے ہیں حقیقتاً وہ گناہ نہیں ہوتے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً“ آدم علیہ السلام بھول گئے پس بھول جانا گناہ نہیں ہوا کرتا، گناہ تو وہ معصیت ہے جو جان بوجھ کر قصد وارادہ سے جس کا ارتکاب کیا جائے، رہی بات ” عَصٰى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوىٰ“ تو یہ اجتہاد فی الخطاء اور نسیان صورتاً ہوا ہے، اس لیے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے لیکن حقیقت میں معصیت نہیں کیونکہ معصیت تو دانستہ وقصداً ہوا کرتی ہے، ”حسنات الابرار سیئات المقربین“ کے ضابطہ کے تحت تعبیر میں اللہ تعالیٰ نے ذرا سخت انداز اپنایا ہے۔

” اصح الاقوال انهم معصومون عن المعاصی کلها من الکبائر والصغائر عمدا اوسهوا قبل النبوة وبعدها فی حال الصحة والمرض وفی حال الغضب والرضا وما اوحی اللّٰه تعالیٰ الیهم بواسطة ملک اوالهام اومنام اوغیر ذالک فانه

کلہ حق صدق ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" .(قطب الارشاد: ۸۳)

" ثم ھذہ العصمۃ ثابتۃ للانبیاء قبل النبوۃ وبعدھا علی الاصح وھم مؤیدون بالمعجزات الباھرۃ والآیات الظاھرۃ". (شرح فقہ الاکبر: ۵۷)

(وعصیٰ آدم ربہ) باکل الشجرۃ (فغویٰ) یعنی ضل عن المطلوب واخطأ طریق الحق وخاب حیث طلب الخلد باکل الشجرۃ التی ھی سبب لضدہ او عن المامور بہ او عن الرشد حیث اغتر بقول العدو قال ابن الاعرابی ای فسد علیہ عیشہ فصار من العز الی الذل ومن الراحۃ الی التعب"......(تفسیر مظھری: ۶/۹۹)

"(فغویٰ) ففصد عیشہ بنزولہ الی الدنیا والغی الفساد وھو تاویل حسن وھو اولی من تاویل من یقول (فغوی) معناہ ضل من الغی الذی ھو ضد الرشد". (احکام القرآن للقرطبی:۱۱/۲۵۷)

تمام انبیاء کرام کے وہ تمام اقوال وافعال بظاہر گناہ نظر آتے ہیں وہ گناہ نہیں ہوتے بلکہ ان کے عالی مقام کے شایان شان نہیں ہوتے، اس لئے اللہ جل شانہ کی طرف سے ان پر تنبیہ ہوتی ہے۔(ارشاد المفتین ،ج:۱،ص:۲۷۸،۲۷۹،ط،مکتبۃ الحسن لاہور)



عصمت انبیاء علیہم السلام

﴿سوال﴾:

انبیاء علیہم الصلوۃ السلام قبل النبوۃ وبعد النبوۃ معصوم ہیں یا نہیں؟ زید انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر اعتراض کرتا ہے مثلاً آدم علیہ السلام کا شجرہ ممنوعہ کے پاس جانا، موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو قتل کرنا اور وہ حدیث کہ انبیاء علیہم السلام کا نفسی نفسی ارشاد فرمانا، اس کا مفصل طور پر مع الدلائل جواب مرحمت فرمائیں؟

﴿الجواب باسم الملک الوھاب﴾:

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کا کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا، انبیاء علیہم السلام تمام صغائر وکبائر گناہوں سے قبل النبوۃ وبعد النبوۃ معصوم ہوتے ہیں، بظاہر جو گناہ معلوم ہوتے ہیں حقیقتاً وہ گناہ نہیں ہیں چنانچہ آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً" آدم علیہ السلام بھول گئے، پس بھول جانا گناہ نہیں ہوا کرتا، گناہ وہ معصیت ہے جس کا دیدہ ودانستہ قصداً وارادۃً ارتکاب کیا جائے۔

" واصح الاقوال انهم معصومون عن المعاصی کلها من الکبائر والصغائر عمدا او سهوا قبل النبوة وبعدها".

(قطب الارشاد: ۸۳)

" ان الولی لایبلغ درجة النبی لان الانبیاء علیهم السلام معصومون مامونون عن خوف الخاتمة مکرمون بالوحی حتی فی المنام و بمشاهدة الملائکة الکرام مامورون بتبلیغ الاحکام وارشاد الانام بعد الاتصاف بکمالات الاولیاء العظام". (شرح الفقه الاکبر: ۱۲۱)

" الانبیاء علیهم السلام کلهم منزهون عن الصغائر

والکبائر والکفر والقبائح یعنی قبل النبوۃ وبعدھا"...... (شرح الفقه الاکبر: ۵۶)

زید کا حضرت آدم علیہ السلام پر اعتراض کرنا زید کا استدلال قرآن پاک کی آیت "وعصی آدم ربه فغوی" اس کا جواب یہ ہے کہ عصیان اور غوی کا اطلاق اس اجتہاد فی الخطاء اور نسیان پر صورتاً ہوا ہے اس لیے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے لیکن حقیقت میں معصیت نہیں ہے کیونکہ معصیت تو دیدہ دانستہ قصداً وارادۃً ارتکاب کا نام ہے، البتہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو اتنی بات پر اتنا سخت عتاب ہوا کہ جنت سے نکالے گئے کیونکہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے تحت انبیاء مقربین بندے ہوتے ہیں نیز یہ بظاہر عتاب مگر حقیقت میں شرف خلافت سے نوازنے کا ذریعہ تھا۔

وعصیٰ آدم ربه باکل الشجرۃ فغوی یعنی ضل عن المطلوب واخطاء طریق الحق وخاب حیث طلب الخلد باکل الشجرۃ التی ھی سبب لضدہ او عن المامور به اوعن الرشد حیث اغتر بقول العدو قال ابن الاعرابی ای فسد علیه عیشه فصار من العز الی الذل ". (تفسیر مظھری: ۶/۹۹)

"فغویٰ ففسد عیشه بنزوله الی الدنیا والغی الفساد وھو تاویل حسن وھو اولی من تاویل من یقول فغوی معناہ ضل من الغی الذی ھو ضد الرشد". (احکام القرآن للقرطبی: ۲۵۷/۱۱)

زید کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کرنا کہ انہوں نے ایک قبطی کو قتل کردیا تھا حالانکہ قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے پس یہ عصمت انبیاء کے منافی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کو مارنا بقصد قتل نہ تھا بلکہ نیت تادیب اور مظلوم کی مدد کرنا تھا دوسری بات یہ ہے کہ قتل آلۂ قتل سے کیا جاتا ہے حالانکہ مکا مارنا آلہ قتل سے نہیں تھا، نیز وہ مقام

دارالحراب تھا اور قبطی حربی مباح الدم بھی تھا۔

"ان یقال انه کان لکفره مباح الدم". (تفسیر الکبیر: ۵۸۵/)

"فوکزه موسی فقضی علیه (الآیة سورة القصص)قال تحت قوله تعالیٰ فوکزه موسی....وهذا لم یکن مناف لعصمه لکونه خطاء وانما عد ذلک من عمل الشیطان و سماه ظلما واستغفر عنه علی عادة المقربین فی استعظام محقرات صدرت منهم" ... ...(تفسیر المظهری: ۱۵۹/۷)

اور یہ اشکال کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گناہ کا خود ہی اقرار کر دیا "وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنَ" اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ذنب سے مراد تاوان ہے نہ کہ گناہ، قرینہ اس بات پر یہ ہے کہ "وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ" ان قبطیوں کا مجھ پر ذنب ہے حالانکہ گناہ اللہ کا کیا جاتا ہے نہ کہ بندوں کا، لہٰذا یہاں ذنب سے مراد تاوان لیا جائے گا۔

"اراد بالذنب قتله القبطی وقیل کان خباز فرعون واسمه فاتون یعنی ولهم علی تبعة ذنب وهی قود ذلک القتل فاخاف ان یقتلونی به فحذف المضاف او سمی تبعة الذنب ذنبا کما سمی جزاء السیئة سیئة". (تفسیر الکشاف: ۳۰۹/۳)

زید کا انبیاء علیہم السلام پر اعتراض کرنا کہ روز قیامت نفسی نفسی کہیں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ جو بھول چوک انبیاء علہیم السلام سے ہوئی تھی اس بھول چوک کا خوف ان پر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اجتہادی غلطی کی بناء پر پکڑ نہ لیں کیونکہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے تحت کہ انبیاء علیہم السلام مقربین بندے ہوتے ہیں، اس وجہ سے ان کو اپنی اجتہادی غلطی کا خوف ہوگا اور عظمت مرتبہ کی وجہ سے اپنی اجتہادی غلطی کا خوف یہ عصمت

انبیاء علیہم السلام کے منافی نہیں۔ (ارشاد المفتین، ج:۱،ص:۲۵۳ تا ۲۵۵، ط، مکتبۃ الحسن لاہور/ امداد الفتاوی، ج:۱۲،ص:۲۵۸،۲۶۰، ط، زکریا بک ڈپو الہند/ احسن الفتاوی، ج:۹، ص:۵۶ تا ۵۸، ط، ایم ایچ سعید کراچی/ فتاوی دار العلوم وقف دیو بند، ج:۱،ص:۲۱۰، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی/ فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۴۰۹ تا ۴۱۱/ فتاوی عثمانی، ج:۱،ص:۶۶، ۶۷، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی/ خیر الفتاوی، ج:۱،ص:۱۷۱ تا ۱۷۳، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان/ المسائل المہمہ فیما ابتلت بہ العامۃ، ج:۹،ص:۲۲/ کتاب النوازل، ج:۱،ص:۲۶۷،۲۶۸، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الہند)



تحقیق عصمت انبیاء

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اس سے کیا مراد ہے؟ کیا صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں؟ اور یہ عصمت نبوت ملنے سے پہلے بھی ہوتی ہے یا نبوت کے بعد؟ نیز حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح ڈالتے ہی نبوت مل گئی تھی یا پھر زمین پر آنے کے بعد ملی تھی اگر جسم میں روح ڈالتے ہی مل گئی تھی تو جنت میں جس درخت سے منع کیا گیا اس کا کھانا گناہ کبیرہ تھا یا صغیرہ؟ نیز بعض لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو پھر اس بات کے کہنے والوں کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم مفصل انداز میں جواب دیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

انبیاء کرام راجح قول کے مطابق نبوت ملنے سے پہلے اور نبوت ملنے کے بعد صغائر اور کبائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو نبوت زمین پر آنے

کے بعد ملی ہے آپ کی نبوت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس درخت سے تناول فرمایا جس سے منع کیا گیا تھا۔ تو درحقیقت یہ نہ ہی صغیرہ گناہ ہے اور نہ کبیرہ بلکہ یہ محض لغزش تھی، جو نسیان یا غلط فہمی کی بنیاد پر صادر ہوئی تھی اور "حسنات الابرار سیأت المقربین" (نیکوکار کی نیکیاں مقربین کے گناہوں کے برابر ہیں) قاعدے پر سرزنش کی گئی۔

لما فی فیض الباری (۲/۱۱): وقد علمت سابقا ان الاشاعرة جوزوا الصغائر قبل البعثة ونفاها الماتریدیة وقالوا بالعصمة قبلها وبعدها.

وفی النبراس (ص ۴۵۴): المذکور فی کلام الشارح هو مذهب عامة المکلمین وخالفهم جمهور جمع من العلماء فذهبوا الی العصمة عن الصغائر والکبائر قبل الوحی وبعده وهو مختار ابی المنتهی شارح الفقه الاکبر والشیخ عبدالحق المحدث الدهلوی...... وقال الامام الشیخ ابو منصور الماتریدی الانبیاء احق بالعصمة من الملائکة لان الامم مامورون بالاتباع للانبیاء لا الملائکة واختار القاضی عیاض عصمتهم بعد الوحی عن کلصغیرة وکبیرة ونسبه الی طائفة من المحققین وقال وقد اختلف فی عصمتهم قبل النبوة والصحیح ان شاء اللّٰه تعالیٰ تنزیهم من کل عیب......(ص ۴۵۷) وما کان بطریق التواتر فمصروف عن الظاهر کقول ابراهیم علیه السلام مشیرا الی الکواکب هذا ربی وتاویله ان همزة الاستفهام محذوفة والمعنی اهذا ربی برعمکم...... "ان امکن" الصرف عن الظاهر "والا" فمحمول

على ترک الاولى" نحو عصى آدم ربه فغوى...... وقال واحد من الائمة سمى اللّٰه ترک الاولى منهم عصيانا لعظم منزلتهم كما قيل حسنات الابرار سيأت المقربين واستغفار الانبيآء من ترک الاولىٰ هضما لنفوسهم والا فليس من الذنب ولا عقاب عليه او كونه قبل البعثة كما قيل فى اكل آدم عليه السلام الشجرة وكما قيل فى اخوة يوسف عليه السلام على تقدير انهم انبيآء لكن بعض العلماء صحح انهم ليسوا بانبيآء.

وفى شرح الفقه الاكبر (ص ۵۶): والانبياء عليهم الصلاة والسلام كلهم اى جميعهم الشامل لرسلهم ومشاهيرهم وغيرهم اولهم آدم عليه الصلاة والسلام على ماثبت بالكتاب والسنة واجماع الامة فمانقل عن بعض من انكار نبوته يكون كفرا...... منزهون ان معصومون عن الصغائر والكبائر اى من جميع المعاصى والكفر خص لانه اكبر الكبائر ...... (ص ۵۷) ثم هذه العصمة ثابتة للانبيآء قبل النبوة وبعدها على الاصح...... وقد كانت منهم اى من بعض الانبيآء قبل ظهور مراتب النبوة او بعد ثبوت مناقب الرسالة زلات اى تقصيرات وخطيئات اى عثرات بالنسبة الى مالهم من على المقامات وسئ الحالات كما وقع لآدم عليه الصلوة والسلام فى اكله من الشجرة على وجه النسيان او ترک العزيمة واختيار الرخصة ظناً منه ان المراد بالشجرة المنهية المشار اليه بقوله تعالىٰ ولا تقربا هذه الشجرة هى الشخصية

لا الجنسية فاكل من الجنس لامن الشخص بناء على الحكمة الالهية ليظهر ضعف قدره البشرية وقوة اقتضاء مغفرة الربوبية. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۳۹، ۲۴۰)



عصمتِ صبی اور عصمتِ نبی میں کیا فرق ہے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عصمت صبی و عصمت نبی میں کیا فرق ہے؟ میرے ذہن میں یہ فرق ہے کہ بچہ تو عدم تکلیف کی بنا پر معصوم ہے اور نبی مکلّف ہونے کے باوجود معصوم ہوتا ہے، مگر یہ ذہنی اختراع ہے کہیں نظر سے نہیں گذار، اس لئے تحقیق کے ساتھ مع حوالہ جواب مطلوب ہے۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

عصمتِ انبیاء اور عصمتِ اطفال کے درمیان فرق کے سلسلہ میں آپ نے جوبات لکھی ہے کہ ان میں تکلیف اور عدم تکلیف کا فرق ہے، یہ بالکل واضح ہے اور حدیث نبوی: **رفع القلم عن ثلاثة...... وعن الصبي حتى يكبر.** (سنن أبي داؤد ۲/ ۶۰۴) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور بچہ کی یہ عصمت صرف اس معنی کر ہے کہ اس سے زمانہ طفولیت کے کسی فعل پر آخرت میں مؤاخذہ نہ ہوگا، ورنہ دنیوی اعتبار سے اس سے فعل گناہ صادر ہوسکتا ہے، مثلاً وہ ظلماً کسی کو ماردے یا چوری کرلے یا شراب پی جائے وغیرہ، اس کے بر خلاف حضرات انبیاء علیہم السلام سے مکلّف ہونے کے باوجود گناہ کا صدور ہی نہیں ہوسکتا، وہ جذبۂ معاصی سے پوری طرح معصوم اور محفوظ ہوتے ہیں اور گناہ کا اختیار ہونے کے باوجود ان سے معصیت صادر نہیں ہوسکتی، اہلِ سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ:

''بچوں میں معصومیت صرف اس لئے ہوتی ہے کہ ان میں گناہ کرنے کی قوت بیدار نہیں ہوتی، صرف مادہ موجود ہوتا ہے اور انبیاء میں وہ ساری قوتیں موجود ہیں، پھر بھی وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے معصوم رہتے ہیں''۔ (مجالس حکیم الاسلام ۵۴۷)

﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا﴾[بنی اسرائیل: ٧٤]

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی﴾[النجم: ٢]

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾[یوسف: ٢٤]

ان الأنبياء معصومون عن الكذب فى التبليغ وغيره خصوصاً فيما يتعلق بأمر الشرائع وتبليغ الأحكام وارشاد الأمة وهو أنهم معصومون من الكفر قبل الوحى وبعده بالاجماع. (نبراس ٢٨٣)

والمختار عندى أنهم معصومون وساوس الشيطان وعن الكذب والكبائر والصغائر عمداً وسهواً قبل البعثة وبعدها. (مرام الكلام ٣٢)

والأنبياء عليهم الصلاة والسلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر.(شرح الفقه الأكبر ٥٦)

قال القاضى عياض: واعلم أن الأمة مجتمعة على عصمة النبى من الشيطان فى جسمه وخاطره ولسانه. (تفسير خازن ٢/ ٢٧٠)

وأما تعريفها الحقيقى على ماذكره فى شرح

المقاصد فهو أنها ملكة اجتناب المعاصي مع التمكن منها. (حاشية خيالي ۱۰۷)

قال أئمة الأصول: الأنبياء عليهم الصلاة والسلام كلهم معصومون لا يصدر عنهم ذنب ولو صغيرة سهواً ولا يجوز عليهم الخطاء في دين الله قطعاً وفاقاً للأستاذ أبي اسحاق الأسفرايني وأبي الفتح الشهرستاني والقاضي عياض والشيخ تقي الدين السبكي وغيره هم. (اليواقيت والجواهر ۲/۲)

عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "رفع القلم عن ثلاثة: عن الصغير حتى يبلغ، وعن النائم حتى يستيقظ، وعن المصاب حتى يكشف عنه". (مسند الامام أحمد بن حنبل ۱۸۷/۱ رقم: ۹٤۳ بيروت)فقط والله تعالىٰ اعلم (كتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۲٦۸ تا ۲۷۰، ط، المركز العلمي للنشر والتحقيق لال باغ مراد آباد الهند)



عصمت انبیاء پر شیعہ کے استدلال کا جواب

﴿سوال﴾:

بیان القرآن صفحہ (۲۱) تحت آیۃ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ حاشیہ تحتانی الكلام احتج بعض أهل البدع بالآية على عصمة الائمة الخ یعنی اہل بدعت نے ائمہ کی عصمت پر اس آیۃ سے استدلال کیا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ امامت انبیاء

کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور امامت متنازع فیہ بوجہ شوریٰ کے مخلوق کی طرف منسوب ہے وجہ اشکال یہ ہے کہ اہل بدعت اس امامت کو بھی منصوص عن اللہ مانتے ہیں اور اسی لئے خلفاء ثلثہ کی امامت کے منکر ہیں کہ انھیں لوگوں نے امام بنالیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی امام بنایا تھا۔

﴿الجواب﴾:

آپ نے جواب میں غور نہیں کیا میں نے پوری عبارت جواب کی دیکھی جواب کا حاصل منع ہے اور منع کے لئے سند کی ضرورت نہیں اور اگر تبرعاً پیش کردی جاوے اس پر قدح مضر منع نہیں حاصل اس منع کا احتمال ہوتا ہے اور احتمال باوجود عدم سند کے بھی باقی ہے۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ چونکہ احتمال ہے کہ امامت سے مراد نبوۃ ہو، اس لئے عصمت کا غیر نبی کے لئے لازم ہونا لازم نہیں آتا اس احتمال کی ایک سند ہے کہ اسناد الی اللہ مرجح ہے اس احتمال کا پس اول تو اگر یہ مرجح بالکل منعدم ہوجاوے تب بھی مضر نہیں دوسرے ابھی اس کا انعدام نہیں ہوا جب تک شیعہ اپنے اس دعوے نسبت امامت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی اللہ پر دلیل نہ لاویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد الفتاوی، ج: ١٢، ص: ٥٥٨، ٥٥٩، ط، زکریا بُک ڈپو الھند)



انبیاء علیہم السلام قبل النبوۃ بھی معصوم تھے

﴿سوال﴾:

ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام سے نبوت سے پہلے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہوچکا ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے جنّت میں قصداً گناہ کا ارتکاب کیا تھا، اور یہ شخص قرآن کریم کی آیت رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا... الخ پیش کرتا ہے بطور استدلال اور اپنے اس عقیدہ پر مصر ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

﴿ الجواب ﴾:

تمام اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے کبھی بھی قصداً جان بوجھ کر کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، نہ قبل از نبوت اور نہ بعد از نبوت، البتہ بعض مواقع میں بشری تقاضے کی بناء پر بعض انبیاء سے بلا قصد سہو اور لغزش کا ارتکاب ہوا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے کوئی کام اللہ تعالےٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی وتقرب کے لیے کیا لیکن فی الواقع وہ کام اللہ تعالےٰ کی مرضی اور منشاء کے خلاف نکلا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے کسی حالت میں بھی اپنے برگزیدہ انبیاء کو اپنی منشاء کے خلاف کام پر برقرار نہیں رکھا بلکہ وقتاً فوقتاً تنبیہ نازل فرماتے رہے، لہٰذا اس طرح کی لغزش وسہو انبیاء کی عصمت پر اثر انداز نہیں ہوتی اس لیے کہ حقیقت میں گناہ اس کو کہتے ہیں کہ بندہ جان بوجھ کر گناہ کو گناہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد پر کرے، اس قسم کی معصیت سے حضرات انبیاء علیہم السلام منزّہ اور پاک ہیں۔ مخالفین نے جو قرآن پاک کی آیت عصیان وغوایت ظلم سے حضرت آدم علیہ السلام کا ارتکابِ کبیرہ پر استدلال کیا ہے اور اس کو حقیقی عصیان وظلم پر محمول کیا ہے، یہ قرآن پاک کی ایک دوسری آیت کے مخالف، ارشاد خداوندی ہے: **وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً** (سورۃ طٰهٰ آیت ص ١١٥) یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے قصداً وعمداً نافرمانی سے شجرِ ممنوعہ نہیں کھایا تھا بلکہ ہمارے وعدے کو بھول گئے تھے اور بھول کر بلا قصد ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔ دوسرا یہ کہ جو جتنا زیادہ مقرب ونزدیک ہوتا ہے اس کے خلاف اولیٰ کام کو بھی قابل عتاب سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں **حسنات الابرار سیئات المقربین** (٣). اور لفظ ظلم سے دلیل پکڑنا بھی صحیح نہیں اس

---

(٣): في النبراس: وما كان بطريق التواتر فمصروف عن الظاهر كقول ابراهيم عليه السلام مشيراً الى الكواكب هذا ربى وتاويله ان همزة الاستفهام محذوفة والمعنى اهذا ربى بزعمكم..... "ان امكن" الصرف عن الظاهر "والا" اى وان لم يكن "فمحمول على ترك الاولى" نحو عصى آدم ربه فغوى....وقال غير

لیے کہ وضع الشیء فی غیر محلہ ظلم ہے اور یہ عام ہے، کبیرہ صغیرہ ترک اولیٰ وغیرہ۔ لہٰذا اس آخری معنی پر محمول کرنا نص قرآن کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا جو شخص عصمت انبیاء کا قائل نہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے البتہ احتیاط کی بناء پر اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ لوجود الاختلاف۔

لما قال ابومحمد علی بن احمد بن حزم الظاهری رحمه اللّٰه: وذهبت جميع اهل الاسلام من اهل السنة والمعتزلة والنجارية والخوارج والشيعة الا انه لايجوز البتة ان يقع من نبی اصلاً معصية بعمد لا صغيرة ولا كبيرة وهو قول ابن مجاهد الاشعری شيخ ابن فورک والباقلانی المذكورين. قال ابو محمد وهذا قول الذی ندين اللّٰه تعالیٰ به و لايحل لاحد ان يدين بسواه ونقول انه يقع من الانبياء السهو عن قصد ويقع فيهم ايضاً قصدًا الشیء يريدون به وجه اللّٰه تعالیٰ والتقرب به منه فيوافق خلاف مامراد اللّٰه تعالیٰ الا انه تعالی لايقرهم علی شیء من هذين الوجهين اصلاً بل ينبههم علیٰ ذلک ولا يدائر ووقوعه منهم ويظهر

واحد من الأئمة سمی اللّٰه ترک الاولی منهم عصيانا لعظم منزلتهم كما قيل حسنات الابرار سيأت المقربين واستغفار الانبيآء من ترک الاولی هضما لنفوسهم والا فليس من الذنب ولاعقاب عليه. الخ. (نبراس، ص:٢٨٦، ط، مكتبه امداديه ملتان)

نقله الشوكانی فی الارشاد عن كتاب الملل والنحل وقال اختاره ابن برهان وحكاه النووی فی زوائد الروضة عن المحققين قال القاضی حسين هو الصحيح من مذهب أصحابنا. وماروی ذلک فيحمل علی ترک الاولیٰ. (ص:٣٢/بحواله خير الفتاوی، ج: ١، ص: ١٧٢، ط، مكتبة امداديه ملتان)

عزّوجل ذلک لعباده وليبين لهم. (الفصل فی الملل واهواء والنحل ج ٤ ص ٢ هل تعصی الانبياء ص ١) (٣)۔(فتاوی حقانيه، ج: ١، ص: ١٤٩ تا ١٥١، ط، مكتبه سيد احمد شهيد اكوڑه خٹك)



(٣): فی الجامع لأحكام القرآن: واختلف العلماء فی هذا الباب: هل وقع من الأنبياء ــ صلوات اللّٰه عليهم أجمعين ـ صغائر من الذنوب يؤاخذون بها، ويعاقبون عليها، أم لا؟ بعد اتفاقهم على أنهم معصومون من الكبائر، ومن كل رذيلة فيها شين ونقص، أجماعاً عند القاضی أبی بكر. وعند الأستاذ أبی اسحاق أن ذلک مقتضی دليل المعجزة، وعند المعتزلة أن ذلک مقتضی دليل العقل على أصولهم:

فقال الطبری وغيره من الفقهاء والمتكلمين والمحدثين: تقع الصغائر منهم، خلافاً للرافضة حيث قالوا: انهم معصومون من جميع ذلک، واحتجوا بما وقع من ذلک فی التنزيل، وثبت من تضلهم من ذلک فی الحديث، وهذا ظاهر لاخفاء فيه.

وقال جمهور من الفقهاء من أصحاب مالک وأبی حنيفة والشافعی: انهم معصومون من الصغائر كلها كعصمتهم من الكبائر أجمعها، لأنا أمرنا باتباعهم فی أفعالهم وآثارهم وسيرهم أمراً مطلقاً من غير التزام قرينة، فلو جوزنا عليهم الصغائر لم يكن الاقتداء بهم، اذ ليس كل فعل من أفعالهم يتميز مقصده من القربة والاباحة، أو الحظر أو المعصية، ولايصح أن يؤمر المرءُ بامتثال أمر لعله معصية، لاسيما على من يرى تقديم الفعل على القول اذا تعارضا من الأصوليين.

قال الأستاذ أبو اسحاق الاسفراينی: واختلفوا فی الصغائر، والذی عليه الأكثر أن ذلک غير جائز عليهم، وصار بعضهم الى تجويزها، ولا أصل لهذه المقالة. (الجامع لأحكام القرآن، سورة البقرة، الآية: ٣٥، ج: ١، ص: ٤٥٨، ٤٥٩، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

انبیاء قبل النبوت اور بعد النبوت معصوم ہیں

﴿سوال﴾:

اگر ایک شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ انبیاء علیہم السلام نے قبل از نبوت کبائر کا ارتکاب کیا ہے حضرت آدم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے قصداً جنت میں گناہ کا ارتکاب کیا تھا اور استدلال میں رَبَّنَا ظَلَمْنَا الخ الایة پیش کرتے ہیں کہ یا تو اللہ کو ظالم کہنا پڑیگا یا آدم علیہ السلام کو پس میں آدم علیہ السلام کو ظالم کہتا ہوں میں نے اسے کہا کہ یہاں ظلم بمعنی کمی ہے یعنی ہم نے اپنا مرتبہ کم کرلیا کمافی الکھف وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا. لیکن وہ نہیں مانتے۔ کیا یہ شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟ کیا اس کے پیچھے اقتداء صحیح ہے؟ بینوا وتوجروا.

﴿الجواب﴾:

علم الکلام اور شروح حدیث میں مسطور ہے۔ کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر نہیں ہوتے۔ نہ صغائر اور نہ کبائر نہ قبل النبوۃ اور نہ بعد النبوت (۵)۔ اور دلائل کی رو سے بھی یہی مسلک قوی ہے۔ وھذا الحکم عقلی

(۵): فی شرح الفقه الأکبر: (والانبیاء علیهم الصلاة والسلام کلهم) أی الشامل لرسلهم ومشاهیرهم وغیرهم ولهم آدم علیه الصلاة والسلام علی ماثبت بالکتاب والسنة واجماع الامة فما نقل عن بعض من انکار نبوته یکون کفرا....(منزهون) أی معصومون (عن الصغائر والکبائر) أی من جمیع المعاصی (والکفر) خص لانه أکبر الکبائر ولکونه سبحانه لایغفر أن یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء.....ثم هذه العصمة ثابتة للأنبیاء قبل النبوة وبعدها علی الاصح.

(شرح الفقه الأکبر، بحث فی أن الانبیاء منزهون عن الکبائر والصغائر، ص: ٥٤، ٥٥، ط، دار الکتب العربیة الکبری مصر)

وفی الموسوعة الفقهیة: والأنبیاء بعد النبوة من الذنوب الظاهرة کالکذب ونحوه، والذنوب الباطنة، کالحسد والکبر والریاء والسمعة وغیر ذلک، لأنه ثبت

كـالتـحـقق للبارى تعالىٰ ووجود المحدث. واما الاستدلال من لفظ الظلم ففيـه صـحـيـح. لان الـظـلـم وضـع الشـئ فـى غيـر محله وهو عام للكفر والـكبيرة والصغيره وترک الاولى والزلة فيحمل على الاخرين لئلا يقادم الـعـقـل. لہٰذا ایسا شخص ظالم ہوگا نہ کافر. لـو جـو د الاختـلاف۔ البتہ لائق اقتداء نہیں

أن الرسول هو المثل الأعلى الذى يجب الاقتداء به فى اعتقاداته وأفعاله وأخلاقه، اذ هو الأسوةالحسنة بشهادة الـلّٰه له، الا ما كان من خصائصه بالنص، فوجب أن تكون كـل اعتـقـاداتـه وأفـعـالـه وأقـواله وأخلاقه الاختيارية بعد الرسالة موافقة لطاعة اللّٰه تـعالى، ووجب أن لايدخل فى شىء من اعتقاداته وأفعاله وأقواله وأخلاقه معصية اللّٰه تـعـالىٰ، لأن الـلّٰه جلّ شانه: أمر الأمم بالاقتداء برسلهم فقال تعالى: ﴿لقد كان لكم فيهـم اسـوة حسنة لمن كان يرجو اللّٰه واليوم الآخر﴾ وقال فى حق نبيناﷺ: ﴿لقد كـان لكم فيهم اسوة حسـنـة لـمـن كـان يـرجو اللّٰه واليوم الآخر﴾ فاذا جاز أن يفعل الـرسـل بـعـد الـرسـالة والأمـر بـالاقتداء بهم المحرمات أو المكروهات أو خلاف الأولـى: لـكنا مأمورين به، وهو سبحانه لايأمر بـمحرم ولا مكروه ولا خلاف الأولى، قـال تـعـالـى: ﴿ان الـلّٰه لايأمر بالفحشاء﴾، وبذلک يثبت أن الرسل عليهم الصلاة والسـلام بـعـد نبـوتهم وبعد الأمر بالاقتداء بهم معصومون عن الوقوع فى المعاصى وهذا ما يسمى: عصمة الرسل.

أمـا عصمتهم قبل الـنبوة فـقـد اختـلف فيهـا، فمنعها قوم، وجوزها آخرون، والـصـحـيـح تـنـزيهم من كل عيب... الخ. (الـمـوسوعة الفقهية، ج: ٣٠، ص: ١٣٧، ١٣٨)

وفـى الـنبـراس: ان الانبياء معصومون عن الكذب فى التبليغ وغيره خصوصاً فيـمـا يـتـعلق بامر الشرائع وتبليغ الاحكام وارشاد الامة.... وهو انهم معصومون عن الكفر قبل الوحى وبعده بالاجماع. (النبراس شرح شرح العقائد، ص: ٢٨٣)

ہے(٦)۔وھو الموفق. (فتاوی فریدیه، ج: ١، ص: ٤٨٢،٤٨٣)



انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ اور غلطی کی نسبت کرنے والے کا حکم

﴿سوال﴾:

محترم مفتی صاحب! ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے کہ اگر ایک معزز شخص بڑے مجمع میں یہ کہہ دے کہ اگر مجھ سے غلطی ہوئی تو کیا ہوا؟ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی غلطیاں یا گناہ سرزد ہوتے تھے مذکورہ شخص توہین رسالت کا مرتکب ہوا یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب سے ممنون فرمائیں۔

---

(٦):في ملتقى الأبحر: ويكره امامة العبد والأعرابي والأعمى والفاسق.

وفي مجمع الأنهر تحته: (والفاسق) أي الخارج عن طاعة الله تعالىٰ بارتكاب كبيرة لأنه لايهم بأمر دينه، وكذا امامة التمام، والمرائي، والمتصنع، وشارب الخمر. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، ج: ١، ص: ١٦٢، ١٦٣، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي الشامية: وقوله: (وفاسق) من الفسق: هو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي اسماعيل. وفي المعراج قال أصحابنا: لاينبغي أن يقتدى بالفاسق الا في الجمعة لأنه في غيرها يجد اماماً غيره اهـ. قال في الفتح: وعليه فيكره في الجمعة اذا تعددت اقامتها في المصر على قول محمد المفتي به، لأنه سبيل الى التحول. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ٢، ص: ٢٩٨، ط، دار عالم الكتب رياض)

(وكذا في منحة السلوك في شرح تحفة الملوك، كتاب الصلاة، فصل في الجماعة، ص: ١٦٨، ١٦٩)

﴿الجواب باسم الملک الوھاب﴾:

بشرط صحت سوال مذکورہ شخص کا یہ کہنا ''مجھ سے غلطی ہوئی تو کیا ہوا؟ انبیاء علیہم السلام سے بھی غلطیاں یا گناہ سرزد ہوتے تھے'' جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے، اپنے گناہوں کو انبیاء علیہم السلام کی غلطیوں پر قیاس کرنا امت مسلمہ کے عقائد صحیحہ سے ناواقفیت اور گمراہی ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم تھے اور ان کی غلطی اجتہادی ہوا کرتی تھی جو کہ گناہ نہیں ہے، شخص مذکورہ مجرم ہے مگر توہین رسالت کا مرتکب نہیں ہے۔

'' واما بعد النبوة فالاجماع علی عصمتهم عن تعمد الکذب فیستحیل علیهم شرعا واما قبل النبوة فالمتوارث عنهم عصمتهم عن تعمد الکذب ایضا لدلالة المعجزة علی صدقهم...... واما غیر الکذب من الکبائر والصغائر الخسیسة فالاتفاق بین فرق الاسلام علی عصمتهم عن تعمدها سمعا عند اهل السنة القامعین للبدعة کثرهم اللّٰه تعالیٰ اوعقلا عند المعتزلة والروافض خذلهم اللّٰه تعالی........... ومنعه ای صدور الصغائر الخسیسة الحنفیة رضوان اللّٰه تعالی علهیم اقول وهو الحق فان صغیرتهم کبیرتهم فی حقهم وان کانت صغیرة فی حقنا الاتری مباحات العوام سیأت الابرار وحسنات الابرار سیأت المقربین المتری کیف قال سری بن المغلظ السقطی ذلک الامام استغفر اللّٰه من قولی الحمد للّٰه حین اخبرنی رجل بوقوع الحرق الغالب فی السوق وسلامة دکانی، ولما کانت الانبیاء رؤس المقربین کانت صغیرتنا کبیرتهم فی حقهم فلایصح صدورها عنهم فافهم وهو الحق''. (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' ۲/۱۱۹)

"عصمة الانبياء هي خلق مانع عن ارتكاب المعاصي غير ملجئ الى تركها فلايكون مضطرا في ترك المعصية وهو المختار عند الجمهور فالتحقيق ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام معصومون لايصدر عنهم ذنب لا صغيرة ولا كبيرة لاعمدا ولا سهوا لا قبل النبوة ولابعدها لان الذنب خلاف امره تعالىٰ وخلاف ما يرضاه فكيف يختار ويصطفى لرسالته ورحمته الخاصة من يفعل خلاف امره تعالىٰ ومرضاته جل شانه لان العقل والنقل شاهدان على ان الرحمة الخاصة تختص بالطائعين وليس للعاصين فيها حظ بل هم يستحقون العقاب"......(زبدة الاصول: ۳۳)(ارشاد المفتين، ج: ۱، ص: ۲۹۳تا ۲۹۵،ط، مكتبة الحسن لاهور)



نیند میں بھی انبیاء کرام شیطانی اثرات سے محفوظ رہتے تھے

﴿سوال﴾:

انبیاء کرام کو اور انسانوں کی طرح جنابت ہوتی ہے یا نہیں؟ حالت مذکورہ کے بعد آیا انبیاء کرام علیہم السلام پر یا آنحضرت ﷺ پر غسل جنابت فرض ہے؟

﴿الجواب﴾:

حضرات انبیاء علیہم السلام کو حالت نوم میں اثرِ شیطانی سے جنابت نہیں ہوتی۔ حق سبحانہ وتعالےٰ نے ان مقدس ہستیوں کو ان اثرات سے محفوظ فرمایا ہے۔ البتہ مباشرت وجماع کے بعد ان حضرات پر غسل ضروری تھا۔ آنحضرت ﷺ ایسی حالت میں غسل فرماتے تھے جیسا کہ روایت ذیل سے ظاہر ہے۔

عن ابی رافع ان النبی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم طاف ذات یوم علی نسائہ یغتسل عند ہذہ وعند ہذہ الحدیث(۷) (رواہ ابوداؤد ص ۲۹)عن غضیف بن الحارث قال قلت لعائشۃؓ ارأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کان یغتسل من الجنابۃ فی اول اللیل اوفی آخرہ قالت ربما اغتسل فی اوّل اللیل وربما اغتسل فی آخرہ (۸). فقط واللّٰہ اعلم(خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۳۳۲، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



لغزشات انبیاء عصمت کے منافی نہیں

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ انبیاء کرام سے بمقتضائے بشریت غلطی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر غلطی نہیں ہوسکتی تو بعض انبیاء کرام جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو اس کو کس پر محمول کریں گے؟

﴿الجواب﴾:

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ نہیں کرتے ہیں اور جو کچھ عمل ان سے سرزد ہو چکا ہے وہ ازقسم لغزشات ہیں گناہ قصداً نہیں ہے، لغزشات وزلات کا

(۷):(سنن أبی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فی الوضوء لمن أراد أن یعود، ص: ۴۱، رقم: ۲۱۹، ط، دار السلام ریاض)

(۸):(سنن أبی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب الجنب یؤخر الغسل، ص: ۴۲، رقم: ۲۲۶، ط، دار السلام ریاض)

صدور انبیاء کرام کی عصمت کے منافی نہیں، اس میں قصد اور ارادہ کا دخل نہیں رہتا۔

لما قال الامام الاعظم ابو حنیفة النعمان بن ثابت رحمه اللّٰه: والانبیاء علیهم السلام کلّهم منزهون عن الصغائر والکبائر وقد کانت منهم زلات وخطیئات. (شرح الفقه الاکبر ص ۵۷) **(۹)**۔(فتاوی حقانیه، ج: ۱، ص: ۱۵۱، ط، مکتبه سید احمد شهید اکوڑه خٹك)

معصوم کون لوگ ہیں؟

﴿سوال﴾:

معصوم کی تعریف میں کون کون آتے ہیں، ان سے برے فعل کا ہونا ممکن ہے یا محال؟

۲......بے گناہ کس کس کو سمجھا جائے، ان سے برے کام کا ہونا ممکن ہے یا غیر ممکن؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

۱......انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور معصوم بچے سب معصوم میں داخل ہیں، ان سے برے فعل کا صدور جو موجب عذاب ہو ممتنع بالغیر ہے **(۱۰)**۔

---

(۹):(شرح الفقه الأکبر، بحث فی أن الانبیاء منزهون عن الکبائر والصغائر، ص: ۵۴، ۵۵، ط، دار الکتب العربیة الکبری مصر)

(۱۰): **فی شرح الفقه الأکبر: (والانبیاء علیهم الصلاة والسلام کلهم) أی الشامل لرسلهم ومشاهیرهم وغیرهم ولهم آدم علیه الصلاة والسلام علی ماثبت بالکتاب والسنة واجماع الامة فما نقل عن بعض من انکار نبوته یکون کفرا....(منزهون) أی معصومون (عن الصغائر والکبائر) أی من جمیع المعاصی (والکفر) خص لانه أکبر الکبائر ولکونه سبحانه لایغفر أن یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء....ثم هذه العصمة ثابتة للأنبیاء قبل النبوة وبعدها علی الاصح.**

۲...... بے گناہ معصوم کو سمجھا جائے اس کی تشریح نمبر:۱ میں آ گئی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص:۴۱۱)



کوئی غیر نبی بھی معصوم ہے؟

﴿سوال﴾:

معصوم کا لفظ سوائے انبیاء علیہم السلام کی ذات پاک کے اور کسی کے لئے بولنا و کہنا جائز ہے یا نہیں؟ یا معصوم کا لفظ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے؟ عام طور پر لوگ چھوٹے بچوں کو معصوم کہتے ہیں، کتنی عمر تک کے بچے معصوم کہلانے کے مستحق ہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

بچوں کو بھی معصوم کہنا درست ہے، جب تک وہ بالغ نہ ہوں (۱۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(شرح الفقه الأكبر، بحث في أن الانبياء منزهون عن الكبائر والصغائر، ص: ٥٤، ٥٥، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

وفيه ايضاً: (وملائكته) بأنهم عباد مكرون لايسبقونه بالقول وهم بأمره يعلمون وانهم معصومون ولايعصون الله. (شرح الفقه الأكبر، يجب على المكلف أن يقول آمنت بالله وملائكته وكتبه ورسله، ص: ١١، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

عن الحسن [البصرى]، عن عليؓ أن رسول الله ﷺ قال: رفع القلم عن ثلاثة، عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبى حتى يشب، وعن المعتوه حتى يعقل. قال: وفي الباب عن عائشةؓ.

قال أبو عيسى: حديث علي حديث حسن غريب من هذا الوجه. (جامع الترمذي، ابواب الحدود، باب ماجاء فيمن لايجب عليه الحد، ص: ٣٤٤، رقم: ١٤٢٣، ط، دار السلام رياض)

(۱۱):في صحيح البخاري: قال: عليؓ: ألم تعلم أن القلم رفع عن ثلاثة: عن

(فتاوی محمودیه، ج: ۱، ص: ٤١٢)



بلا وجہ توہین رسالت کے بارے میں سوال بھی توہین ہے

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک پروفیسر نے اپنی کلاس میں طلباء سے سوال کیا کہ کوئی شخص حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو مسلمانوں کا اس شخص سے کیا معاملہ ہوگا؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پروفیسر کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

﴿الجواب﴾:

آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے اور آپ کی توہین کرنے کو کتب مذہب میں اشد ترین جرائم میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اور ایسے گھناؤنے جرم کے ارتکاب پر حکومت مرتکب کو قتل یا پھانسی تک سزا دے سکتی ہے (۱۲)، لیکن یہ حکومت کا کام ہے عوام اس

المجنون حتى يفيق، وعن الصبي حتى يدرك، وعن النائم حتى يستيقظ. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب الطلاق في الاغلاق، والكره، والسكران الخ، ص: ١١٤٣، ط، دار السلام رياض)

عن الحسن [البصري]، عن عليؓ أن رسول الله ﷺ قال: رفع القلم عن ثلاثة، عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يشب، وعن المعتوه حتى يعقل. قال: وفي الباب عن عائشةؓ.

قال أبو عيسى: حديث علي حديث حسن غريب من هذا الوجه. (جامع الترمذي، ابواب الحدود، باب ماجاء فيمن لايجب عليه الحد، ص: ٣٤٤، رقم: ١٤٢٣، ط، دار السلام رياض)

(۱۲):في منحة الخالق: من سب النبي ﷺ فانه مرتد وحكمه حكم المرتد ويفعل به ما يفعل بالمرتد اهـ. وفي النتف: من سب النبي ﷺ عليه الصلاة والسلام

کے مجاز نہیں۔لہٰذا ایسے وقت میں مسلمانوں کا ردعمل یہ ہونا چاہئے کہ حکومت کے متعلقہ عملہ میں مجرم کے خلاف شکایت کردیں۔

نفس مسئلہ معلوم کرنے کی غرض سے مناسب طریق پر یہ سوال دریافت کرنے میں حرج نہیں۔لیکن بلاضرورت نامناسب طریق پر اس سوال کو چھڑنا سوءادبی سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ:۱۳۷۹/۱/۷ھ

ساتھ ہی ہمارے کالج کے نوجوانوں کو بھی ٹھنڈے دل سے غور کرنا لازم ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ علماء تنگ دل ہیں ان کو وسیع الظرف اور فراخ دل ہونا چاہئے، چاہئے کسی قسم کا سوال ہو اس پر ناراض نہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے عزیز ومحترم نوجوانوں کو معلوم ہو کہ سوال بھی نصف علم ہے۔غلط سوال پر تنبیہاً ناراض ہونا، طبعاً غصہ آنا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے، یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ سوال کیا ہے؟

أو بعضه كان ذلك منه ردة وحكمه حكم المرتد اهـ. فقوله "ويفعل به ما يفعل بالمرتد" ظاهر في قبول توبته كما لايخفى. وممن نقل أنها ردة عن أبي حنيفة القاضي عياض في كتابه المسمى بالشفاء ونص عبارته: قال أبو بكر بن المنذري رحمه الله تعالى: أجمع العوام أهل العلم على أن من سب النبيﷺ يقتل. وممن قال ذلك مالك بن أنس والليث وأحمد واسحاق وهو مذهب الشافعي رحمه الله...الخ. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ج: ٥، ص: ٢١١، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي الموسوعة الفقهية: وحكم سابهﷺ أنه مرتد بلاخلاف.

ويعتبر سابا لهﷺ كل من ألحق بهﷺ عيبا أو نقصا، في نفسه، أو نسبه، أو دينه، أو خصلة من خصاله، أو ازداره، أو عرض به، أو استخف به، ونحو ذلك.

قال الحنفية والحنابلة وابن تيمية: ان ساب النبيﷺ يعتبر مرتدا، كأى مرتد، لأنه بدل دينه فيستتاب. (الموسوعة الفقهية، ج: ٢٢، ص: ١٨٤)

بطور مثال اگر کسی شخص کو کہا جائے کہ اگر میں تیرے باپ کو گدھا کہوں تو تیرا رویہ کیا ہوگا۔ تو کیا وہ شخص ایسے سوال سے خوش ہوگا اور ایسے سائل کو عقل مند کہے گا؟

تعجب ہے کہ ایک پروفیسر یہ سوال کرے کہ مسلمانوں کے پیغمبر کی توہین ہو تو مسلمانوں کا کیا ردعمل ہوگا۔ اور ایسے سوال نامہ کو اخبارات میں شائع کرے اس پر طبعیت کو اشتعال نہ ہو۔ یہ تو کوئی انتہائی بے غیرت آدمی ہوگا کہ اس قسم کے سوال کو سن کر خاموش رہ جائے۔ پیغمبر علیہ السلام کی شان تو بہت اعلیٰ وارفع ہے اگر کوئی شخص یہ سوالنامہ شائع کرے کہ پاکستان میں ایک آدمی مسٹر محمد علی جناح کو خوب دل کھول کر گالیں دے یا اقبال مرحوم کو برا بھلا کہے تو بتلاؤ اے پاکستانیو! تمہارا کیا ردعمل ہوگا؟ کیا یہ سوال مسلمانوں کو چڑانے کے مترادف نہ ہوگا؟ اور ایسے سائل پر غصہ آئے گا یا نہیں؟

اس لئے یہ سوال سراسر جہالت اور نادانی ہے۔ ہمیں تو تعجب ہوتا ہے کہ پاکستان کے کالجوں میں کیا ایسے عقل مند پروفیسر موجود ہیں غالباوہ انتہائی ملحد اور بددین ہیں جو مسلمانوں کی رگ ایمان کو دکھانا چاہتے ہیں۔ والجواب صحیح۔ (خیر الفتاوی، ج:۱، ص: ۳۲۰، ۳۲۱، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



یہود نے کتنے انبیاء کو قتل کیا؟

﴿سوال﴾:

رسالہ القاسم بابت ماہ صفر ۱۳۴۵ھ کے صفحہ نمبر ۲۶ پر لکھا ہے کہ ”سوائے زکریا علیہ السلام و یحییٰ علیہ السلام کے جو خود مستقل بارسالت بھی نہیں تھے، بلکہ تابع دین موسیٰ علیہ السلام کے تھے کوئی رسول اور نبی شہید نہیں ہوا“ تم کلامہ، اور حمایل شریف ترجمہ مولانا عاشق الٰہی کی تفسیر آیت: ﴿وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے یہود نے ستر نبی ایک ہی روز میں قتل کیے تھے، تفسیر مظہر الحق کے حوالہ سے اور غالباً تفسیر موضح القرآن

میں لکھا ہے، خود آیت کے اندر ہی "نبییـــــن" جمع کا لفظ موجود ہے، ان کا تعارض رفع فرماویں۔

﴿الجواب﴾:

رسالہ القاسم ماہ صفر ۱۳۴۵ھ کی عبارت دیکھی گئی، **معالم التنزیل** وغیرہ تفاسیر کی روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ یہود نے ایک دن میں ستر انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا ہے، چنانچہ عبارت **معالم التنزیل** کی یہ ہے: **قوله﴿وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾(البقرة: ٦١) ويروى أنّ اليهود قتلت سبعين نبياً الخ** (۱۳) اور آیت: **﴿وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾(البقرة: ٨٧)** کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **أى قتلهم مثل زكريا ويحيىٰ وشعيباً وسائر من قتلوا من الأنبياء عليهم السلام** (۱۴) یہاں سے بھی بہت سے انبیاء کا قتل ہونا معلوم ہوتا ہے، پس القاسم میں جن

(۱۳): (معالم التنزيل، سورة البقرة، الآية: ٦١، ج: ١، ص: ١٠١، ط، دارطيبة الرياض)

(۱۴): (معالم التنزيل، سورة البقرة، الآية: ٨٧، ج: ١، ص: ١٢٠، ط، دارطيبة الرياض)

وفى تفسير الخازن: يروى أن اليهود قتلت سبعين نبياً فى أول النهار، وقامت الى سوق بقلها فى آخره وقتلوا زكريا ويحيى وشعياء وغيرهم من الأنبياء. (تفسير الخازن المسمىٰ لباب التأويل فى معانى التنزيل، سورة البقرة، الآية: ١، ج: ١، ص: ٥٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفى تفسير الثعالبى: روى أن بنى اسرائيل كانوا يقتلون فى اليوم ثلاثمائة نبى، ثم تقوم سوقهم آخر النهار، وروى سبعين نبياً، ثم تقوم سوق بقلهم آخر النهار. (تفسير الثعالبى المسمىٰ بالجواهر الحسان فى تفسير القرآن، سورة البقرة، الآية: ٨٧، ج: ١، ص: ٢٧٧، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

وفى الدرالمنثور: أخرج أبو داؤد الطيالسى، وابن أبى حاتم، عن ابن مسعودؓ

صاحب کا یہ مضمون ہے ان کا نام ظاہر نہیں کیا گیا، لیکن معلوم ہوا کہ وہ ایک مولوی صاحب دیوبند کے ہی پڑھے ہوئے ہیں، بہ ظاہر انہوں نے بدون پوری تحقیق کے ایسا لکھ دیا ہے، آج بندہ نے مولوی قاری طاہر مدیر رسالہ سے کہہ دیا ہے کہ صاحب مضمون کو ایک جوابی کارڈ لکھ دیں کہ آپ نے صرف دو پیغمبروں کا قتل ہونا انحصار کے ساتھ کہاں سے دیکھا ہے، اگر انہوں نے کچھ جواب معقول نہ دیا تو غالباً اس کی اصلاح اگلے رسالہ میں کردی جاوے گی، شاید اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیائے اولوالعزم اور رسولوں میں سے کوئی قتل نہیں کیا گیا، بہر حال یہ جو انہوں نے لکھا ہے مشہور کے خلاف ہے، ممکن ہے کہ کسی نے ایسا لکھ دیا ہو، اور صاحب مضمون نے وہاں سے نقل کرلیا ہو، لیکن جو کچھ ہو قطعی طور سے یہ دعوی کرنا کہ صرف دو ہی قتل ہوئے درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۷۵، ۲۷٦، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



کپڑے میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تصویر بنانا

سوال:

محترم جناب مفتی جسٹس تقی عثمانی صاحب (دار العلوم کورنگی کراچی)

جناب عالی!

محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کورنگی کراچی میں ایک ڈیزائن کپڑے پر چھپائی/ پرنٹنگ کے لئے سپرز ٹاؤلرز پرائیویٹ لمیٹڈ کراچی کی جانب سے آیا، اور سپر ٹاؤلرز کے ڈیزائن کے عین مطابق چھاپ کردے دیا گیا۔ عام طور پر ہم ٹیکنیکل اُمور کے علاوہ (مثلاً کلر میچنگ

قال: کانت بنو اسرائیل فی الیوم تقتل ثلاثمائۃ نبی، ثم یقیمون سوق بقلهم فی آخر النهار. (الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة البقرة، الآیة: ٦١، ج: ١، ص: ٣٨٨/ تفسیر ابن کثیر، سورة البقرة، الآیة: ٦١، ج: ١، ص: ٢٨٣، ط، دار طیبه)

وغیرہ) پارٹیوں کے مطلوبہ ڈیزائنز کے دیگر امور سے واسطہ نہیں رکھتے، اور کسی غور وخوض کے بغیر آرڈر کی تکمیل کر دیتے ہیں۔

نادانستہ طور پر اس ڈیزائن کے چھپ جانے کے بعد شکوک وشبہات پیدا ہوئے ہیں، اس ڈیزائن میں چرند پرند، آبی جانور اور کارٹون انسانوں کے انداز میں دو انسانی شبیہیں بھی ہیں، اور اس ڈیزائن پر Noahs ark بھی لکھا ہوا ہے۔

یہ ڈیزائن آپ کے سامنے پیش کرنے کے بعد آپ اس پر فتویٰ صادر فرمادیں تاکہ اگر توہین، گستاخی سرزد ہوگئی ہو تو جو بھی کفارہ ہے، ادا کر دیا جائے۔ اور ہم اعلانیہ طور پر صدق دل سے اپنی نادانستہ غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں، اور عہد کرتے ہیں کہ آئندہ ہر ممکن احتیاط سے کام لیں گے۔

﴿جواب﴾:

کسی جاندار کی تصویر بنانا بذات خود ایک ناجائز کام ہے، بالخصوص کسی پیغمبر کی خیالی تصویر بنانا تو انتہا درجے کی بے ادبی ہے، جس سے ہر مسلمان کو پناہ مانگنی چاہئے، اور ایسی بے ادبی پر مشتمل تصویر کو شائع کر کے لوگوں میں پھیلانا مزید وبال کا موجب ہے، لیکن اگر آپ نے واقعۃً نادانستگی میں یہ تصویریں اس طرح چھاپ دیں کہ آپ کو اندازہ نہیں ہوسکا کہ اس میں کیا ہے؟ تو آپ پر مندرجہ ذیل امور فوری طور پر واجب ہیں:

۱: سب سے پہلے صدق دل سے اپنے اس عمل پر توبہ واستغفار کریں، اور آئندہ کے لئے اس قسم کے معاملات میں تیقظ اور بیدار مغزی سے کام کرنے کا عہد واہتمام کریں۔

۲: اس کپڑے کا جتنا اسٹاک موجود ہو، اس کی سپلائی روک کر ان تصاویر کو مٹائیں، اور اگر مٹ نہ سکیں تو ان کو جلادیں۔

۳: اگر کپڑا اس کمپنی کے پاس جاچکا ہے جس نے آپ سے چھپوایا تھا تو اس کو ایسے کپڑے کی سپلائی سے روکنے کے لئے اپنا پورا اثر ورسوخ استعمال کریں، اور اگر وہ اس کی سپلائی سے باز نہ آئیں تو آپ ان سے براءت کا اظہار واعلان کریں۔

۴: اس کپڑے کی چھپائی کی جو اجرت آپ نے وصول کی ہے، وہ مکمل طور پر صدقہ کریں (۱۵)۔ واللہ اعلم (فتاوی عثمانی، ج: ۱، ص: ۵۷، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)



پہلا نبی کون؟

﴿سوال﴾:

ہم لوگوں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، حالانکہ ہم لوگوں کو معلوم تھا کہ سب سے پہلے اور سب سے آخری نبی محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، اس سلسلہ میں صحیح نقطۂ نظر کی نشاندہی کریں؟

﴿جواب﴾:

بعض روایات کی بناء پر کچھ اہل علم نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے محمد مصطفیٰ صلی اللہ

(۱۵): فی البذل: وأما اذا كان عند رجل مال خبيث، فاما ان ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولايمكنه أن يرده الى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة الا أن يدفعه الى الفقراء، لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحكم ما ارتكبه من الفعل الحرام، ودخل تحت قوله ﷺ: ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه الى السماء يارب يارب، ومطعمه حرام وملبسه حرام. الحديث، أو أضاعه واستهلكه، فدجل تحت قوله ﷺ: نهى عن اضاعة المال. فيلزم عليه أن يدفعه الى الفقراء، ولكن لايريد بذلك الأحر والثواب، ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه، ويدل عليه مسائل اللقطة. (بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، ج: ۱، ص: ۳۵۹، ۳۶۰، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کی تخلیق عمل میں آئی (۱۶)، اس اعتبار سے گویا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کو دوسرے انبیاء علیہ السلام پر ایک گونہ تقدم حاصل ہے، ورنہ انسانیت کی طرف بعثت ظاہر ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی ہوئی، اور سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو نبوت میں اولیت کا شرف

---

(۱۶):وعن عبادة بن الصامت رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰهﷺ ان أول ما خلق اللّٰه القلم، فقال له: اكتب. فقال: ما أكتب؟ قال: اكتب القدر. فكتب ما كان وما هو كائن الى الأبد. وفي المرقات تحت هذا الحديث: رأيت فى الدر المنثور نقلاً عن ابن عباسؓ: ان أول شيء خلقه اللّٰه القلم، فقال له: اكتب، فقال: يا رب وما أكتب، قال: اكتب يجرى من ذلك هو كائن الى أن تقوم الساعة، ثم طوى الكتاب ورفع القلم. رواه البيهقي وغيره والحاكم وصححه، وفى الدر أيضاً عن أبى هريرة رضى اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰهﷺ يقول: ان أول شيء خلق اللّٰه القلم ثم النون وهى الدواة، ثم قال له: اكتب، قال: وما أكتب، قال: ما كان وما هو كائن الى يوم القيامة من عمل أو أثر أو رزق أو أجل، فكتب ما يكون وما هو كائن الى يوم القيامة، ثم ختم فم القلم فلم ينطق ولاينطق الى يوم القيامة. أخرجه الحكيم الترمذى هذا وروى أن أول ما خلق اللّٰه العقل، وأن أول ما خلق اللّٰه نورى وأن أول ما خلق اللّٰه روحى، وأن أول ما خلق اللّٰه العرش، والأولية من الأمور الاضافية فيؤول وأن كل واحد مما ذكر خلق قبل ما هو من جنسه، فالقلم خلق قبل جنس الأقلام ونوره قبل الأنوار والا فقد ثبت أن العرش قبل الخلق السماوات والأرض، فتطلق الأولية على كل واحد بشرط التقييد فيقال: أول المعانى كذا، وأول الأنوار كذا.

(مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الايمان، باب الايمان بالقدر، الفصل الثانى، ج: ١، ص: ٢٦٨، ٢٦٩، ٢٧٠، ط، رقم: ٩٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فى المفاتيح فى شرح المصابيح، كتاب الايمان، باب الايمان بالقدر، ج: ١، ص: ١٩٩، ط، ادارة الثقافة الاسلامية)

حاصل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ختم نبوت کی فضیلت حاصل ہے(١٧)، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے پہلے نبی کون تھے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام۔

''قلت یارسول اللّٰہ! أی الأنبیاء کان أول؟ قال: آدم''(١٨).

---

(١٧):وعن أبی ہریرۃؓ أن رسول اللّٰہﷺ قال: فضلت علی الأنبیاء بست: اعطیت جوامع الکلم، ونصرت بالرعب، واحلت لی الغنائم، وجعلت لی الأرض مسجداً و طھوراً، وارسلت الی الخلق کافۃ، وختم بی النبیون.رواہ مسلم. (مشکاۃ المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سید المرسلینﷺ، الفصل الأول، ص: ٥١٢، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وعن العرباض بن ساریۃ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم، أنہ قال: انی عند اللّٰہ مکتوب: خاتم النبیین، وان آدم لمنجدل فی طینتہ، وسأخبرکم بأول أمری، دعوۃ ابراھیم، وبشارۃ عیسی، ورؤیا أمی التی حین وضعتنی وقد خرج لھا نورا أضاء لھا منہ قصورا الشام. رواہ فی شرح السنۃ. (مشکاۃ المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم، الفصل الثانی، ص: ٥١٣، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وعن جابرؓ، أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: أنا قائد المرسلین ولافخر، وأنا خاتم النبیین ولافخر، وأنا أول شافع ومشفع ولافخر. رواہ الدارمی. (مشکاۃ المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم، الفصل الثانی، ص: ٥١٤، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(١٨):وعن أبی ذرؓ، قال: قلت: یارسول اللّٰہ[ﷺ]! أی الأنبیاء کان أول؟ قال: آدم. قلت: یارسول اللّٰہ[ﷺ]! ونبی کان؟ قال: نعم نبی مکلم.الخ. (مشکاۃ

لیکن آپ حضرات سے خواہش ہے کہ اپنا وقت ایسی چیزوں کی تحقیق میں لگائیے جن سے آپ کی عملی زندگی کا کوئی دینی نفع متعلق ہو، محض ایسے مسائل میں اپنے آپ کو الجھانا جس سے ایمان وعمل کا کوئی فائدہ متعلق نہ ہو، انسان کو بتدریج غلط سمت میں لے جاتا ہے۔
(کتاب الفتاوی، ج:۱،ص:۵۲۷، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



نبیوں کی تعداد کتنی ہے؟

﴿سوال﴾:

دنیا میں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک کتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں؟ ان کا شمار قرآن وحدیث میں ہے یا نہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

چند انبیاء کے نام قرآن وحدیث میں آئے ہیں، بعض روایات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا عدد بتلایا گیا ہے، جیسا کہ ملا علی القاریؒ وغیرہ نے تحریر فرمایا ہے، بغیر گنتی کی تعیین کے جس کو بھی اللہ پاک نے نبی بنا کر بھیجا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے (۱۹)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۴۱۶)



المصابیح، کتاب أحوال القیامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذکر الأنبیاء، الفصل الثالث، ص: ۵۱۱، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۱۹):وعن أبی ذرؓ، قال: قلت: یارسول اللہ[ﷺ]! أی الأنبیاء کان أول؟ قال: آدم. قلت: یارسول اللہ[ﷺ]! ونبی کان؟ قال: نعم نبی مکلم قلت یا رسول اللہ کم المرسلون قال ثلثمائة وبضعة عشر جما غفیراً وفی روایة عن ابن امامة قال ابو ذرؓ قلت یارسول اللہ کم وفاء عدة الانبیاء قال مائة الف واربعة وعشرون الفا الرسل من ذلک ثلثمائة وخمسة عشرا غفیرا. (مشکاة المصابیح، کتاب أحوال

انبیاء ورسل کی تعداد

﴿سوال﴾:

انبیاء اور رسولوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور اس کا حوالہ کہاں ملے گا؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

صحیح تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے، بعض شراح حدیث اور فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تعداد انبیاء کی اور تین سو تیرہ کی تعداد رسولوں کی ہے لیکن اس پر اکتفاء کر لینا کہ یہ ٹھیک تعداد ہے درست نہیں ہے، اس لئے یوں کہنا چاہئے کہ ہم تمام انبیاء اور رسولوں پر

القيامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء، الفصل الثالث، ص: ٥١١، قديمی كتب خانه كراچی)

وفي شرح الفقه الأكبر: وقد ورد في مسند أحمد رحمه الله أنه عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فقال مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا والرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة عشر أولهم آدم عليه الصلاة والسلام وآخرهم محمد صلى الله عليه وعلى آله وسلم وهو لاينافي قوله تعالى ولقد أرسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك فان نبوت الاجمال لاينافي تفصيل الاحوال نعم الأولى أن لايقتصر على الاعداد فان الآحاد لاتفيد الاعتماد في الاعتقاد بل يجب كما قال الله تعالى كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله أن يؤمن ايمانا اجماليا من غير تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الاصفياء. (شرح الفقه الأكبر، بحث في أن الأنبياء منزهون عن الكبائر والصغائر، ص: ٥٥، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في عدد الأنبياء والرسل عليهم الصلاة والسلام، ج: ٢، ص: ٢٤٢، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

ایمان لاتے ہیں اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں (۲۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ دار العلوم وقف دیوبند، ج:۱،ص:۱۹۸، ۱۹۹، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



(۲۰):وعن أبی ذرؓ، قال: قلت: یارسول اللّٰہ[ﷺ]! أی الأنبیاء کان أول؟ قال: آدم. قلت: یارسول اللّٰہ[ﷺ]! ونبی کان؟ قال: نعم نبی مکلم قلت یا رسول اللّٰہ کم المرسلون قال ثلثمائۃ وبضعۃ عشر جما غفیراً وفی روایۃ عن ابن امامۃ قال ابوذرؓ قلت یارسول اللّٰہ کم وفاء عدۃ الانبیاء قال مائۃ الف واربعۃ وعشرون الفا الرسل من ذلک ثلثمائۃ وخمسۃ عشرا غفیرا. (مشکٰوۃ المصابیح، کتاب أحوال القیامۃ وبدء الخلق، باب بدء الخحق وذکر الأنبیاء، الفصل الثالث، ص: ٥١١، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وفی الشامیۃ: قولہ: (کالایمان بالأنبیاء) لأن عددھم لیس بمعلوم قطعاً: فینبغی أن یقال: آمنت بجمیع الأنبیاء أولھم آدم وآخرھم محمد علیہ وعلیھم الصلاۃ والسلام. معراج. فلایجب اعتقاد أنھم مائۃ ألف وأربعۃ وعشرون ألفاً، وأن الرسل منھم ثلاثمائۃ وثلاثۃ وعشرون، لأنہ خبر آحاد. (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب فی عدد الأنبیاء والرسل علیھم الصلاۃ والسلام، ج: ٢، ص: ٢٤٢، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

وفی شرح العقائد النسفیۃ: وقد روی بیان عددھم فی بعض الأحادیث، علی ما روی أن النبی ﷺ سئل عن عدد الأنبیاء؟ فقال: مائۃ ألف، وأربعۃ وعشرون ألفاً وفی روایۃ: مائتا ألف، وأربع وعشرون ألفاً، والأَلی ان لایقتصر علی عدد فی التسمیۃ، فقد قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿منھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصص علیک﴾..الخ. (شرح العقائد النسفیۃ، مسألۃ ختم النبوۃ، ٣٢٣، ٣٢٤، ط، مکتبۃ البشریٰ کراتشی)

مقتول انبیاء بنی اسرائیل کی تعداد وغیرہ

﴿سـوال﴾:

(۱): بنی اسرائیل میں کم وبیش کتنے نبی ہوئے ہیں؟

(۲): بنی اسرائیل نے کتنے انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا؟

(۳): کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کوئی بھی شہید نہیں ہوا؟

(۴): کیا حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑے نہیں پیدا ہوئے تھے؟

(۵): کیا زکریا علیہ السلام کی شہادت کا قصہ غلط ہے؟

(۶): کیا **وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ** میں قتل کا معنی مارنے کا ارادہ ہے یا کہ قتل کر دینا؟

﴿الجواب﴾:

(۱): بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی تعداد سینکڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

(۳/۲): حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول سے کم از کم تین سو انبیاء علیہم السلام کا یہودیوں یعنی بنی اسرائیل وغیرہ کے ہاتھوں مقتول ہونا معلوم ہوتا ہے۔ **عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتلت بنو اسرائیل ثلاث مائة نبی.** (ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۳۵۵)(۲۱)۔

---

(۲۱): **فی الدرالمنثور: أخرج أبو داؤد الطیالسی، وابن أبی حاتم، عن ابن مسعودؓ قال: کانت بنو اسرائیل فی الیوم تقتل ثلاثمائة نبی، ثم یقیمون سوق بقلهم فی آخر النهار.** (الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة البقرة، الآیة: ٦١، ج: ١، ص: ٣٨٨/ تفسیر ابن کثیر، سورة البقرة، الآیة: ٦١، ج: ١، ص: ٢٨٣، ط، دار طیبه)

وفی تفسیر الثعالبی: روی أن بنی اسرائیل کانوا یقتلون فی الیوم ثلاثمائة نبی، ثم تقوم سوقهم آخر النهار، وروی سبعین نبیاً، ثم تقوم سوق بقلهم آخر النهار. (تفسیر الثعالبی المسمٰی بالجواهر الحسان فی تفسیر القرآن، سورة البقرة، الآیة: ٨٧، ج:

(۴): حضرت ایوب علیہ السلام سخت بیماری وتکلیف میں مبتلاء ہو گئے تھے اور بدن میں کیڑے پڑنا بھی منقول ہے (۲۲)۔اس ابتلاء کا اجمالی تذکرہ قرآن مجید سورۂ ص میں موجود ہے۔

۱، ص: ۲۷۷، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۲۲): **فی فتاوی قاسمیہ**: قرآن اور حدیث میں حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کے مصیبت اور بلا میں مبتلا ہونے کا اجمالی ذکر موجود ہے، ان کو کافی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، راجح قول کے مطابق تیرہ سال تک آزمائش اور مصیبت میں مبتلا رہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مصیبت سے نجات عطا فرمائی ہے، لیکن ان کے بدن میں کیڑے پڑ جانے سے متعلق کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے، بلکہ بعض روایات میں اس کا انکار موجود ہے۔اور جن روایات میں کیڑے پڑنے کا ذکر ہے وہ نہایت کمزور اور اسرائیلی روایات میں سے ہیں، اس لئے ان روایات پر نہ اعتماد کرنا چاہئے اور نہ ہی عوام میں ایسی روایات بیان کرنی چاہئے۔اور جن علماء نے ایسی روایات بیان کرنے کی نکیر فرمائی ہے وہ درست ہے۔

قال ابن العربی القاضی أبوبكر: ولم يصح عن أيوب عليه السلام فی أمره الامر أخبرنا الله عنه فی كتابه فی آيتين. الأولى قوله تعالىٰ: ﴿وايوب اذنادى ربه انى مسنى الضر. الأنبياء: ۸۳﴾ **والثانية: انی مسنی الشيطان بنصب وعذاب. الآية. وأما النبی** ﷺ **فلم يصح عنه أنه ذكره واحد الا قوله بينا أيوب يغتسل اذخر عليه رجل من جراد من ذهب. الحديث** (بخاری شریف، کتاب التوحید، باب قول الله يريدون أن يبدل كلام الله، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۱٦، رقم: ۷۱۹۳، ف: ۷۹۳)

واذ لم يصح عنه فيه قرآن ولاسنة الا ماذكرناه. (تفسیر قرطبی، سورة ص: ٤١، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ١٥/ ١٣٧، بخاری شریف، کتاب التوحید، باب قول الله يريدون أن يبدل كلام الله، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۱٦، رقم: ۷۱۹۳، ف: ۷٤۹۳)

وأصح ما ورد فی قصته ما أخرجه ابن أبی حاتم وابن جريج، وصححيه ابن حبان والحاكم من طريق نافع بن يزيد عن عقيل عن الزهری عن أنس " ان أيوب

(۵): حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا گیا تھا۔ یہ قصہ غلط نہیں بلکہ درست ہے(۲۳)۔

(٦): وَقَتلَهُمُ الاَنبِيَاءَ بِغَيرِ حَقٍّ سے مراد محض ارادہ قتل نہیں بلکہ حقیقۃً قتل کرنا ہے۔ تاویل کی حاجت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج:۱، ص:۴٦۱، ۴٦۲، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



کتنے انبیاء زندہ ہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کون کون سے انبیاء کرام زندہ ہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات تو نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اس کے علاوہ

علیہ السلام ابتلی، فلبث فی بلائہ ثلاث عشرۃ سنۃ". (فتح الباری، کتاب الأنبیاء، باب قولہ اللّٰہ: وایوب اذ نادی ربہ انی مسنی الضر"، مکتبہ دارالریان للتراث ٦/٤٨٤، دارلفکر ٦/٤٢١، أشرفیہ دیوبند ٦/٥٢٠، تحت رقم الحدیث: ٣٣٩١) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیہ، ج: ٢، ص: ١٧٧، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج: ١، ص: ٢٠٢، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی/ فتاوی حقانیہ، ج: ٢، ص: ١٥٣، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹك)

(۲۳): **فی تفسیر الخازن: یروی أن الیہود قتلت سبعین نبیاً فی أول النہار، و قامت الی سوق بقلہا فی آخرہ وقتلوا زکریا ویحیی وشعیاء وغیرہم من الأنبیاء.** (تفسیر الخازن المسمٰی لباب التأویل فی معانی التنزیل، سورۃ البقرۃ، الآیۃ: ١، ج: ١، ص: ٥٠، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

حضرت الیاس، ادریس علیہما السلام زندہ ہیں۔ جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں؟ اس موضوع پر کافی کلام کیا گیا ہے لہٰذا بہتر ہوتا ہے کہ حیات اور ممات کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے اور اپنی طرف سے کسی نبی کی طرف حیات وممات کو منسوب نہ کیا جائے۔

لما فی قوله تعالیٰ (النساء: ١٥٧): وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول اللّٰه وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفی شک منه مالهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقينا بل رفعه اللّٰه اليه وكان اللّٰه عزيز احكيما.

وفی احكام القرآن للقرطبی (١١٥/١٥): قال بعضم: كان قد مرض واحس الموت فبكی...... يا الياس وعزتی لاؤخرنک الی وقت لايذكرنی فيه ذاكر يعنی يوم القيامة وقال عبد العزيز بن ابی رواد ان الياس والخضر عليهما السلام يصومان شهر رمضان فی كل عام ببيت المقدس يلاقيان الموسم فی كل عام.

وفی تفسيرروح المعانی (٣٢٨/١٥): أبقی اللّٰه تعالیٰ بعد وفاته عليه السلام من الرسل الاحياء باجساد هم فی هذه الدار اربعة ادريس والياس وعيسى والخضر عليهم السلام والثلاثة الاول متفق عليهم والأخير مختلف فيه عند غيرنا لاعندنا. (نجم الفتاوی، ج: ١، ص: ٢٣٨، ٢٣٩)



رسل سے مراد کون ہیں؟

﴿سوال﴾:

قرآن شریف میں رسولوں کے قتل کے متعلق جو آیتیں نازل ہوئی ہیں تو کیا ان رسولوں سے وہی رسول مراد ہیں جو علماء اہل سنت نے اپنی اصطلاح میں بتایا ہیں یا ان رسولوں سے مراد انبیاء کرام ہیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

رسول عام ہے جس میں نبی بھی آتے ہیں ویسے جن نبیوں کا قتل ہوا، ان میں کوئی مشہور رسول نہیں ہیں (۲۴)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج:۱، ص:۲۰۰، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



(۲۴): فی الموسوعة الفقهية: وللرسول فی الاصطلاح معنیان: أحدهما الشخص المرسل من انسان الی آخر بمال أو رسالة أو نحو ذلک، وینظر حکمه بهذا المعنی فی مصطلح [ارسال].

والثانی: الواحد من رسل الله.

ویراد برسل الله تارة الملائکة مثل قوله تعالیٰ: ﴿قالوا یالوط انا رسل ربک لن یصلوا الیک﴾ وقوله: ﴿بلی ورسلنا لدیهم یکتبون﴾ وقوله: ﴿ولما جاء ت رسلنا لوطاً سیء بهم﴾، وتارة یراد بهم الأنبیاء مثل قوله تعالیٰ: ﴿وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل﴾.

والرسول من البشر هو ذکر جر أوحی الله الیه بشرع وأمره بتبلیغه، فان لم یؤمر بتبلیغه فنبی فحسب. (الموسوعة الفقهية، ج: ۲۲، ص: ۲۱۰)

وفی تفسیر الخازن: یروی أن الیهود قتلت سبعین نبیاً فی أول النهار، وقامت الی سوق بقلها فی آخره وقتلوا زکریا ویحیی وشعیاء وغیرهم من الأنبیاء. (تفسیر

کیا سرزمین ہند پر کوئی نبی آیا؟

﴿سـوال﴾:

دنیا میں اللہ نے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے پیش تر زمین کے ہر گوشہ میں انبیاء علیہ السلام کو روانہ کیا ہے اور تبلیغ اسلام ہوئی ہے، اگر یہ بات حق ہے تو کیا آپ اس بات کو منظور کرتے ہیں کہ ہند کی سرزمین پر انبیاء علیہ السلام آئے ہیں یا نہیں، آئے ہیں تو کون ہیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

کتب تفاسیر اور احادیث کی صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ہر خطہ زمین کے بسنے والوں کی ہدایات اور عقائد کی درستگی اور اصطلاح حال کے لئے انبیاء کرام مبعوث ہوئے ہیں تو ہندوستان کیوں محروم رکھا جاتا ہے اولیاء عارفین واصحاب کشف نے بعض مقامات پر نور کی روشنی محسوس کر کے بتلایا بھی کہ یہاں نبی کی قبر معلوم ہوتی ہیں یا یہ کہ یہاں نبی کا آنا محسوس ہوتا ہے۔ بعض مفسرین کتب نے یہ بھی لکھا ذوالکفل جن کا تذکرہ قرآن پاک میں ہیں نبی تھے جنہوں نے بخارا کابل سے لے کر مغربی ہندوستان اور چین کے علاقہ تک تبلیغ کی۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہود ونصاریٰ توریت وانجیل کی روشنی میں جن انبیاء اور رسل کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے سوالات کرتے تھے۔ انہی کے نام

الخازن المسمى لباب التأويل في معاني التنزيل، سورة البقرة، الآية: ١، ج: ١، ص: ٥٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي تفسير الثعالي: روى أن بني اسرائيل كانوا يقتلون في اليوم ثلاثمائة نبي، ثم تقوم سوقهم آخر النهار، وروى سبعين نبياً، ثم تقوم سوق بقلهم آخر النهار.

(تفسير الثعالبي المسمى بالجواهر الحسان في تفسير القرآن، سورة البقرة، الآية: ٨٧، ج: ١، ص: ٢٧٧، ط، دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

قرآن پاک میں موجود ہیں ورنہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد مفسرین نے ایک لاکھ سے زائد لکھی ہے(۲۵)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔(فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج:۱،ص:۲۱۴، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی/ فتاوی دینیہ، ج:۱،ص:۱۰۷،۱۰۸)



---

(۲۵):قال اللہ تبارک وتعالیٰ: انا ارسلنک بالحق بشیراً ونذیرا، وان من امة الا خلا فیها نذیر. (سورة الفاطر: ٢٤)

وقال تعالیٰ: ولقد بعثنا فی کل أمة رسولا أن اعبدوا اللّٰہ واجتنبوا الطاغوت. (سورة النحل: ٣٦)

وقال تعالیٰ: وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا. (سورة الاسراء: ١٥)

وقال تعالیٰ: ورسلا قد قصصنٰهم علیک من قبل ورسلا لم نقصصهم علیک. (سورة النساء: ١٦٤)

وعن أبی ذرؓ، قال: قلت: یارسول اللّٰہ[ﷺ]! أی الأنبیاء کان أول؟ قال: آدم. قلت: یارسول اللّٰہ[ﷺ]! ونبی کان؟ قال: نعم نبی مکلم قلت یا رسول اللّٰہ کم المرسلون قال ثلثمائة وبضعة عشر جما غفیراً وفی روایة عن ابن امامة قال ابوذرؓ قلت یارسول اللّٰہ کم وفاء عدة الانبیاء قال مائة الف واربعة وعشرون الفا الرسل من ذلک ثلثمائة وخمسة عشرا غفیرا. (مشکاة المصابیح، کتاب أحوال القیامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذکر الأنبیاء، الفصل الثالث، ص: ٥١١، قدیمی کتب خانه کراچی)

وفی الشامیة: قوله: (کالایمان بالأنبیاء) لأن عددهم لیس بمعلوم قطعاً: فینبغی أن یقال: آمنت بجمیع الأنبیاء أولهم آدم وآخرهم محمد علیه وعلیهم الصلاة والسلام. معراج. فلایجب اعتقاد أنهم مائة ألف وأربعة وعشرون ألفاً، وأن الرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة وعشرون، لأنه خبر آحاد. (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی عدد الأنبیاء والرسل علیهم الصلاة والسلام، ج: ٢، ص: ٢٤٢، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

کیا ہندوستان میں کوئی نبی پیدا ہوا ہے؟

سوال:

سورۃ فاطر کی آیت نمبر:۲۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ. اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں ہم نے کوئی ڈرانے والا (رسول) نہ بھیجا ہو۔ اس آیت کی روشنی میں مجھے یہ پوچھنا ہے کہ کیا ہندوستان میں بھی نبی پیدا ہوئے ہیں؟ اور ہوئے ہوں تو ان کے نام کیا تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان میں بھی آئے ہی ہوں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے ہندوستان میں ہی اترے تھے (۲۵)۔ لیکن ان کے علاوہ اور کون کون نبی آئیں اس بارے میں قرآن وحدیث اور تاریخ کی کتابیں خاموش ہیں۔ اور کسی شخص کو یقینی طور پر نبی یا رسول جاننے کے لئے دلیل قطعی سے اس کا نبی یا رسول ثابت ہونا ضروری ہے۔ جواب وحی کے منقطع ہوجانے کی وجہ سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور اپنی سمجھ سے کسی کا نام اس فہرست میں بتایا نہیں جاسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دینیہ، ج:۱ص:۱۱۲)



جنات کی طرف مبعوث انبیاء

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانوں میں یکے بعد دیگرے انبیاء کو مبعوث فرمایا کیا اسی طرح جنات میں یہی

---

(۲۵): فی الجامع لاحکا القرآن: فاھبط آدم بسرندیب فی الھند بجبل یقال لہ نوذ واھبطت حوا بجدۃ. (الجامع لأحکام القرآن، سورۃ البقرۃ، الآیۃ: ٣٦، ج: ١، ص: ٤٧٥، ط، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان)

معاملہ رہایا ان کے ہاں انبیاء مبعوث نہیں ہوتے تھے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

نبی اکرم ﷺ سے قبل جنات کی طرف ان میں سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ ہاں انبیاء کے رسول وقاصد جنات میں جا کر جنات کو دعوت دیتے رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ انسانوں اور جنات دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

لمافی الفتاوی الحدیثیه (ص ٦٢): ولم یبعث الیهم نبی قبل نبینا قطعا علی ماقاله ابن حزم: ای انما کانو متطوعین بالایمان لموسی مثلا والدخول فی شریعته. وقال السبکی: لاشک انهم مکلفون فی الامم الماضیة کهذه الملة اما بسماعهم من الرسول او من صدق عنه.

وفیها ایضاً (ص ٦٩): وجمهور الخلف والسلف انه لم یکن منهم رسول ولانبی خلافا للضحاک ومعنی رسل منکم ای من مجموعکم وهم الانس اوالمراد بهم رسل الرسل.

وفی لقط المرجان فی احکام الجان (ص ۴۷): جمهور العلماء سلفا وخلفا علی انه لم یکن من الجن قط رسول ولانبی کذا روی عن ابن عباس ومجاهد وکلبی وابی عبید. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲٤٥)



کیا ساتوں زمینوں میں انبیاء ہیں؟

﴿سوال﴾:

رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ: ''مجھ جیسا زمین کے سات طبقوں میں موجود ہے''۔ روایت کیسی ہے، اگر صحیح ہے تو کیا مطلب ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے، البتہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے(۲۶)، اس پر حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ''تحذیر الناس'' میں اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے ''مجموعہ فتاویٰ'' کے شروع میں تفصیل سے کلام کیا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج: ۱، ص: ۴۱۳ تا ۴۱۴)



قرآنِ پاک میں کتنے انبیاء کا ذکر ہے؟ اوران کے نام کیا ہیں؟

﴿سوال﴾:

قرآن پاک میں کتنے انبیاء کا ذکر ہے؟ اوران کے نام کیا ہیں؟ ان کے علاوہ دیگر انبیاء کے بارے تفصیلات معلوم کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

---

(۲۶): فی الدرالمنثور: وأخرج ابن جریر، وابن أبی حاتم، والحاکم وصححه، والبیهقی فی شعب الایمان وفی الأسماء والصفات، من طریق أبی الضحی، عن ابن عباسؓ فی قوله: ﴿ومن الأرض مثلهن﴾. قال: سبع أرضین، فی کل أرض نبی کنبیکم، وآدم کآدم، ونوح کنوح، وابراهیم کابراهیم، وعیسی کعیسی. قال البیهقی: اسناده صحیح، ولکنه شاذ بمرة، لاأعلم لأبی الضحی علیه متابعاً.

(الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة الطلاق، الآیة: ۱۲، ج: ۱٤، ص: ٥٦٥)

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

قرآن پاک میں مندرجۂ ذیل انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ذکر ملتا ہے:

حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت ایوب، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یونس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت ذوالکفل علیہم الصلاۃ والسلام اور سردارِ دوجہاں محمد ﷺ۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۸۵)(۲۷)۔

نبوت ورسالت وہبی شئے ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، اپنے فضل سے نبی بناتا ہے(۲۸)۔ اس میں بندے کے کسب کا کوئی دخل نہیں ہوتا، یعنی بندہ جس

(۲۷): فی تفسیر ابن کثیر: وقوله: ﴿ورسلا قد قصصناهم علیک من قبل ورسلا لم نقصصهم علیک﴾ أی: من قبل هذه الآیة، یعنی: فی السور المکیة وغیرها.

وهذه تسمیة الأنبیاء الذین نص علی اسمائهم فی القرآن، وهم: آدم، وادریس، ونوح، وهود، وصالح، وابراهیم، ولوط، واسماعیل، واسحاق، ویعقوب، ویوسف، وأیوب، وشعیب، وموسی، وهارون، ویونس، وداؤد، وسلیمان، والیاس، والیسع، وزکریا، ویحیی، وعیسی [علیهم الصلاة والسلام]، وکذا ذوالکفل عند کثیر من المفسرین، وسیدهم محمد ﷺ. (تفسیر ابن کثیر، سورة النساء، الآیة: ۱۶۳، ط، دار طیبة)

(۲۸): قال الله تبارک وتعالیٰ: قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن الله یمن علی من یشاء من عباده. الخ. (سورة ابراهیم: ۱۱) وفی الجامع لأحکام القرآن تحت هذه الآیة: (ولکن الله یمن علی من یشاء من عباده) أی: یتفضل علیه بالنبوة. (الجامع لأحکام القرآن، سورة ابراهیم، الآیة: ۱۱، ج: ۱۲، ص: ۱۱٤، ط،

طرح اپنے کسب واختیار سے عبادت وریاضت کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرسکتا ہے، اس طرح اپنے کسب واختیار سے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی محنت وریاضت کے باوجود نبی نہیں بن سکتا، نبی بنائے جانے میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت کارفرما ہوتی ہے، وہ جسے چاہے نبی بنائے۔ چوں کہ نبوت مکمل طور پر امر وہبی ہے، اس لئے کوئی متعین شخصیت نبی ہے یا نہیں؟ اس کا علم قرآن وحدیث کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوسکتا، لہٰذا قرآن کریم اور حدیث پاک میں جن انبیاء کرام کا ذکر ہے، ان کے علاوہ کسی اور کو نبی نہیں مان سکتے، اسی لئے تمام انبیاء کرام کی تعداد کے متعلق اجمالی ایمان ہی لازم ہے(۲۹)۔ ورنہ غیر نبی کو نبی ماننا یا اس کے برخلاف نبی کی نبوت کا انکار لازم آئے گا۔ واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۸۷، ۱۸۸)



مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۲۹):في شرح الفقه الأكبر: وقد ورد في مسند أحمد رحمه الله أنه عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فقال مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا والرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة عشر أولهم آدم عليه الصلاة والسلام وآخرهم محمد صلى الله عليه وعلى آله وسلم وهو لاينافي قوله تعالى ولقد أرسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك فان نبوت الاجمال لاينافي تفصيل الاحوال نعم الأولى أن لايقتصر على الاعداد فان الآحاد لاتفيد الاعتماد في الاعتقاد بل يجب كما قال الله تعالىٰ كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله أن يؤمن ايمانا اجماليا من غير تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الاصفياء. (شرح الفقه الأكبر، بحث في أن الأنبياء منزهون عن الكبائر والصغائر، ص: ۵۵، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

وفي الشامية: قوله: (كالايمان بالأنبياء) لأن عددهم ليس بمعلوم قطعاً: فينبغي أن يقال: آمنت بجميع الأنبياء أولهم آدم وآخرهم محمد عليه وعليهم

قرآن کریم میں صرف چند انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ذکر کیوں؟

﴿سوال﴾:

یہ بات مشہور ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب ہے۔ لیکن قرآنِ پاک میں صرف چند انبیاء کرام ہی کا ذکر ہے، اُن کے علاوہ کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ انگریز اور یہود کہتے ہیں کہ ویٹر، سیموئیل اور جون وغیرہ ہمارے نبی تھے، بت پرست ہنود کہتے ہیں کہ رام اور کرشن ہمارے نبی تھے، اسی طرح مجوسی آتش پرست لوگ کا کہنا ہے کہ زرتشت ہمارے نبی تھے، تو ان لوگوں کے رد میں ہمارے پاس کیا دلائل ہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کا بیان قرآن پاک میں ہوتا، تو قرآن پاک قصہ وکہانی کی کتاب بن کر رہ جاتا، جب کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن کا نزول بطور کتابِ ہدایت ہوا ہے (۳۰)۔ لہٰذا اس میں اولوالعزم انبیاء کا ذکر کیا گیا اور دیگر بہت سے انبیاء کا ذکر نہیں ہے، اُسے ایک مثال سے سمجھیے کہ "وہور اسوسائٹی" کا سنگ بنیاد مثلاً ۱۹۶۴ء میں ڈالا گیا، اب بعد میں جب بھی تاریخ مرتب ہوگی، تو اس میں اس تنظیم کے صدر اور خاص جن

الصلاة والسلام. معراج. فلايجب اعتقاد أنهم مائة ألف وأربعة وعشرون ألفاً، وأن الرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة وعشرون، لأنه خبر آحاد. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في عدد الأنبياء والرسل عليهم الصلاة والسلام، ج: ۲، ص: ۲٤۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۳۰): **شهر رمضان الذى أنزل فيه القرآن هدى للناس وبينٰت من الهدىٰ والفرقان.** (سورة البقرة: ۱۸۵)

وفى التفسير المأمون: وقوله: ﴿هدى للناس﴾. يعني: رشاداً للناس الى سبيل الحق ومنهج النجاة. (التفسير المأمون على منهج التنزيل والصحيح المسنون، سورة البقرة، الآية: ۱۸۵، ج: ۱، ص: ۵۰۰)

لوگوں ہی کا ذکر ہوگا، عام افراد کا ذکر چھوڑ دیا جائے گا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لئے جن انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر کو ضروری سمجھا، ان کو بیان فرمایا، چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِنْ قَبْلِکَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ (۳۱).

اس آیتِ کریمہ میں اللہ کے رسول ﷺ کو کہا جارہا ہے کہ بعض انبیاء کرام کے احوال آپ کے سامنے بیان نہیں کیے گئے۔

اس کی اصل حکمت صرف اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، اسی وجہ سے انبیاء کرام کی تعداد کے متعلق اجمالی ایمان ہی کافی ہے (۳۲)، کسی ایک عددِ خاص کا ذکر کرنا صحیح نہیں ہے، بہت سے غیر مسلمین جن کو نبی مانتے ہیں، ممکن ہے کہ وہ نبی ہوں، لیکن چوں کہ ان کے بارے میں کوئی نص قطعی مروی نہیں ہے، اس لیے ہم نہ اس باب میں ان کی تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب، بلکہ اس میں توقف بہتر ہے۔

---

(۳۱): (سورة المؤمن: ۷۸)

(۳۲): فی شرح الفقه الأکبر: وقد ورد فی مسند أحمد رحمه اللّٰه أنه علیه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبیاء علیهم الصلاة والسلام فقال مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا والرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة عشر أولهم آدم علیه الصلاة والسلام وآخرهم محمد صلی اللّٰه علیه وعلی آله وسلم وهو لاینافی قوله تعالی ولقد أرسلنا رسلا من قبلک منهم من قصصنا علیک ومنهم من لم نقصص علیک فان نبوت الاجمال لاینافی تفصیل الاحوال نعم الأولی أن لایقتصر علی الاعداد فان الآحاد لاتفید الاعتماد فی الاعتقاد بل یجب کما قال اللّٰه تعالیٰ کل آمن باللّٰه وملائکته وکتبه ورسله أن یؤمن ایمانا اجمالیا من غیر تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائکة والکتب والأنبیاء وأرباب الرسالة من الاصفیاء. (شرح الفقه الأکبر، بحث فی أن الأنبیاء منزهون عن الکبائر والصغائر، ص: ۵۵، ط، دار الکتب العربیة الکبریٰ مصر)

اللہ تعالیٰ نے تمام ادیانِ سماویہ میں بنیادی عقائد یعنی توحید ورسالت اور بعث بعدالموت جیسے امور پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا ہے، نیز باہمی اخلاق ومروت کی پابندی بھی ہر دین سماوی میں لازم ہوتی ہے، غرض یہ کہ تمام ادیان سماویہ کی تعلیمات اچھی ہوتی ہیں، یہ تعلیمات اگلی اُمتوں کو جن انبیاء کے ذریعہ پہنچیں، مرورِ زمانہ کے ساتھ اُن انبیاء اور صلحاء کے بارے میں اُن کی اُمتوں کا عقیدہ اعتدال پر قائم نہیں رہا، چناں چہ نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ دیا (۳۳)۔ اور بعض نصاریٰ ان ہی کو خدا ماننے لگے (۳۴)۔ اسی طرح یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں حدود کی پاسداری نہیں کی اور ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیا (۳۵)۔ الحاصل کوئی بھی امت اپنے اصل عقائد واحکام پر برقرار نہیں رہی، تمام نے اپنی نبوی تعلیمات کو بدل دیا (۳۶)۔ لہٰذا ان کے عقائد کا کوئی اعتبار نہیں، ہنود کا اپنے صلحاء کے متعلق کہنا کہ وہ نبی تھے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ ان کے متعلق وہ جن کرامات کو بیان کرتے ہیں، ان سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنات ہوں گے (۳۷)۔ اسی طرح یہود ونصاریٰ جن کے متعلق نبی ہونے کا دعویٰ کرتے

(۳۳): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وقالت النصاری المسیح ابن اللّٰہ. (سورة التوبة: ۳۰)

(۳۴): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ ھو المسیح ابن مریم. (سورة المائدة: ۱۷)

(۳۵): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وقالت الیھود عزیرن ابن اللّٰہ. (سورة التوبة: ۳۰)

(۳۶): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعه. (سورة النساء: ٤٦)

(۳۷): فی تفسیر المظھری: ومن ھھنا یظھر أن ما یدعو أھل الھند من البرازخ ویسمونھم أوتاداً یذکرون فی تواریخھم ألوف ومائة ألوف من السنین لعلھم کانوا من الجن برازخ مبعوثین الی الجن، ولعل لأھل الھند دین منزل من اللّٰہ

ہیں اوران کا ذکر کسی نص قطعی میں نہ ہو، ہم ان کے انکار کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوں گے۔
فقط، واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۸۳تا۱۸۵)



انبیاءِ کرام علیہم السلام کواُن کے موت سے پہلے اختیار دیا جاتا ہے

﴿سوال﴾:

حضرت مفتی احمد بیمات صاحب کی ایک گجراتی کتاب ''موت،قبر؟ اور برزخ کے احوال'' میں حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی موت ایک فرشتہ کے پروں پرآسمان میں ہوئی (۳۸)۔

تعالیٰ علی الجن استفاد منهم الانس قيل: لأجل كونهم مولودين من بطن الجنية منسوج بشرائع منزلة بعد ذلک فان أصول دينهم يوافق الكتاب والسنة غالباً وما يخالف منه فهو من عمل الشيطان مردود والله أعلم. (تفسير الظهری، سورة الأنعام، الآية: ۱۳۰، ج: ۳، ص: ۳۱۳، ۳۱۴، ط، دار احياء التراث العربی بيروت لبنان)

(۳۸):في الدرالمنثور: وأخرج ابن أبي حاتم عن ابن عباسؓ في قوله: ﴿ورفعنٰه مكانا عليا﴾. قال: كان ادريس خياطاً، وكان لايغرز الا قال: سبحان الله. فكان يمسي حين يمسي وليس في الأرض احد أفضل عملا منه، فاستأذن ملک من الملائكة ربه فقال: رب، ائذن لي فأهبط الى ادريس. فأذن له، فأتى ادريس فسلم وقال: انی جئتک لأخدمک. فقال: كيف تخدمني وأنت ملک وأنا انسان؟ ثم قال ادريس: هل بينک وبين ملک الموت شیء؟ قال الملک: ذاک أخي من الملائكة. فقال: هل يستطيع أن ينفعني عند الموت؟ قال: أما أن يؤخر شيئا أو يقدمه فلا، ولكن سأكلمه لک فيرفق بک عند الموت. فقال: اركب بين جناحي. فركب ادريس، فصعد الى السماء العليا، فلقي ملک الموت وادريس بين جناحيه، فقال له الملک: ان لي اليک حاجة. قال: علمت حاجتک، تكلمني في ادريس، وقد

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی مہلت نہیں دی گئی، جب کہ ایک دوسری کتاب ''موت کا منظر'' میں بخاری شریف کے حوالے سے ایک حدیث شریف ذکر کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمام انبیاء کو ان کی وفات سے قبل اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہیں، تو دنیا میں رہنا پسند کریں یا ملأ اعلیٰ کو ترجیح دیں: سوال یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی کتاب میں مذکور چاروں انبیاء کے قصوں میں انہیں مہلت کیوں نہیں دی گئی؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

کتاب ''موت کا منظر'' میں جو حدیث لکھی گئی ہے، وہ بالکل صحیح ہے، بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ بہ حالت صحت فرمایا کرتے تھے کہ کسی بھی نبی کی موت اس وقت تک نہیں آتی، جب تک کہ وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے، اس کے بعد نبی کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہیں، تو دنیا میں رہنا پسند کریں یا آخرت کو اختیار فرمائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر جب آپ ﷺ پر حیات مبارکہ کے آخری وقت غشی طاری ہوئی، اس وقت آپ ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا، آپ ﷺ نے جب غشی سے افاقہ پایا، تو چھت کی جانب چہرۂ انور اٹھا کر یہ دعاء فرمائی: ''**اللّٰھم الرفیق الأعلی**'' (اے بلند وبالا مرتبہ والے اللہ! میں تیرے پاس رہنا پسند کرتا ہوں) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں یہ دعاء سن کر سمجھ گئی کہ اب حضور اکرم ﷺ ہمارے ساتھ رہنا پسند نہیں فرمائیں گے اور یہ وہی بات ہے، جسے آپ ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں صحت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے، یہ دعاء حضور پاک

محی اسمه من الصحیفة، ولم یبق من أجله الا نصف طرفة عین. فمات ادریس بین جناحی الملک. (الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة مریم، الآیة: ۵۷، ج: ۱۰، ص: ۸۳، ۸۴)

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہوا اخیری کلمہ تھا۔(بخاری شریف: ۶۴۱/۲)(۳۹)۔

''موت، قبر اور برزخ کے احوال'' نامی گجراتی کتاب میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے، اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ قبض روح کے لیے جس وقت فرشتہ آپہنچا، اس وقت مہلت نہیں دی گئی، البتہ اس سے پہلے اختیار دیا گیا تھا، اور اس اختیار کے موقع پر کسی بھی نبی نے دنیا میں رہنا پسند نہیں فرمایا اور ان کی روح قبض ہوگئی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱، ص:۱۹۰تا۱۹۳)



کیا انبیاء علیہم السلام وارث ہوتے ہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مسئلہ ذیل کے بارے میں: انبیاء علیہم السلام وارث ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر وارث نہیں ہوتے ہیں، تو ان آیات کی توجیہ کیا کی جائے گی، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوٗدَ'' . ''يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوْبَ''.

اسی طرح وارث نہ بننے کی کیا وجہ ہے؟ آیا اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں

---

(۳۹):قال الزهري: أخبرني سعيد بن المسيب في رجال من أهل العلم أن عائشة قالت: كان النبي ﷺ يقول وهو صحيح: انه لم يقبض نبي حتى يرى مقعده من الجنة ثم يخير، فلما نزل به ورأسه على فخذي غشي عليه ثم أفاق، فأشخص بصره الى سقف البيت، ثم قال: اللّٰهم الرفيق الاعلى. فقلت: اذاً لايختارنا، وعرفت أنه الحديث الذي كان يحدثنا به وهو صحيح. قالت: فكان آخر كلمة تكلم بها: اللّٰهم الرفيق الاعلى. (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب آخر ما تكلم به النبي ﷺ، ص: ۹۱۹، رقم: ٤٤٦٣، ط، دارالسلام رياض)

میں حیات ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

(۱) حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نہ مال کے وارث بنتے ہیں اور نہ مال کا کسی کو وارث بناتے ہیں، بلکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی دولت علم اور نبوت ہے۔ اور حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اس بے مثال دولت کا وارث بناتے ہیں اور وارث بنتے ہیں، نیز سوال نامہ میں جن دو آیتوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے، مالی وراثت مراد نہیں ہے، جس کی صراحت خود حدیث پاک میں واضح طور پر موجود ہے۔

سمعت رسول الله ﷺ يقول:.... وان العلماء ورثة الأنبياء، وان الأنبياء لم يورثوا دينارا ولادرهما، ورثو العلم، فمن أخذه أخذ بحظ وافر. (أبو داؤد شريف، كتاب العلم، النسخة الهندية ۲/ ۵۱۳، دارالسلام، رقم: ۳٦٤۱، سنن دارمی، دار المغنی ۱/ ۳٦۱، رقم: ۳۵٤، ترمذی، أبواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه على العبادة، النسخة الهندية ۲/ ۹۷، دارالسلام، رقم: ۲٦۷۲، ابن ماجه، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، النسخة الهندية ۲۰، دارالسلام، رقم: ۲۲٤، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۰/ ۸۰، رقم: ٤۱٤۵، صحيح ابن حيان، دارلكفر ۱/ ۲٦۹، رقم: ۸۸)

عن عائشة أن النبی ﷺ قال: لا نورث ماتركنا صدقة، فهذا عام فی جميع الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، ولا يعارضه قوله تعالىٰ: "وورث سليمان داؤد" [النمل: ۱٦]: **لأن المراد ارث النبوة والعلم والحكم، وكذلک قوله تعالىٰ**

: " یرثنی ویرث من آل یعقوب" [المریم: ٦] (عمدة القاری، کتاب الفرائض، باب قول النبی ﷺ: " لانورث ما ترکنا صدقة"، دار احیاء التراث العربی ٢٣/٢٣٢، زکریا ١٦/٨، روح المعانی، سورة النمل: ٧١، ١١/٢٥٥، زکریا)

(۲) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبروں میں باحیات ہیں، اس لئے وارث نہ بننے کی بات نہیں ہے، بلکہ حقیقی طور پر مالی وراثت حضرات انبیاء کی نہیں ہوتی ہے، ورنہ حضرات شہداء کے بارے میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: " بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ" [البقرة: ١٥٤] اوران شہداء کے اعزاء ان کے مال کے وارث بنتے ہیں لہٰذا حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اپنی قبروں میں باحیات ہونے کی وجہ سے وارث نہ ہونے کی بات نہیں ہے، بلکہ حضرات انبیاء مال کا وارث ہی کسی کو نہیں بناتے، اس لئے کہ مال ان کی اصلی دولت نہیں ہے، بلکہ ان کی اصلی دولت علم اور نبوت ہے۔ اوران چیزوں کا وارث حضرات انبیاء بناتے ہیں، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا: **العلماء ورثة الانبیاء**" (سنن ابن ماجه، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، النسخة الهندية، ٢، دارالسلام، رقم: ٢٢٢، سنن أبی داؤد، کتاب العلم، باب فضل العلم، النسخة الهندية ٢/٥١٣، دارالسلام، رقم: ٣٦٤١، سنن ترمذی، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة، النسخة الهندية ٢/٩٧، دارالسلام، رقم: ٢٦٨٢) (علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں) اس لئے کہ علم ہی انبیاء کی دولت ہے، جیسا کہ سوال (۱) کے ذیل میں دلائل لکھے جاچکے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیہ، ج:۲، ص:۱۰۹، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



کیا انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو نبوت حضور ﷺ کے واسطے سے ملی؟

﴿سوال﴾:

انبیاء کرام علیہم علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے یا بالعرض؟ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو نبوت حضور اکرم ﷺ کے واسطے سے عطا فرمائی ہے یا بغیر واسطے کے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

"انما انا قاسم واللہ یعطی" (۴۰) نیز دیگر نصوص سے بعض عرفاء نے استدلال کرتے ہوئے اس باب کی تصریح کی ہے کہ جملہ معارف ونعماء الٰہیہ نبوت وغیرہ حضرت نبی اکرم ﷺ کو اللہ پاک نے ابتداء عطا فرمائی ہیں، پھر آپ کے ذریعہ حسب ہدایت دوسروں کو تقسیم کی گئی ہیں اصل مہبط ومخزن ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیه، ج: ۱، ص: ۴۱۲،۴۱۳)



(۴۰):عن حمید بن عبدالرحمٰن: سمعت معاویة خطیباً یقول: سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: من یرد اللہ به خیراً یفقهه فی الدین، وانما أنا قاسم واللہ یعطی، ولن تزال هذه الأمة قائمة علی امر اللہ لایضرهم من خالفهم حتی یأتی أمر اللہ. (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ به خیرا یفقهه، ص: ۲۰، ۲۱، رقم: ۷۱، ط، دار السلام ریاض)

کیا پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ناقص تھیں؟

﴿سوال﴾:

آپ نے ایک موقع پر پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کا دوسرے مذاہب سے تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ آپ کی تعلیمات مکمل تھیں، اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ دوسرے پیغمبروں کی تعلیم ناقص تھیں حالانکہ ہر پیغمبر اپنے زمانے کے لئے مکمل ہادی ہوتا ہے۔

﴿جواب﴾:

اس سلسلہ میں دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں: اول یہ کہ جب ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کا دوسرے انبیاء کرام سے تقابل کرتے ہیں، تو اس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی سیرت کا دوسرے رسولوں اور نبیوں کی ''غیر محفوظ سیرت'' سے تقابل ہوتا ہے، ہم پچھلے مذاہب کے ان صحائف کی روشنی میں یہ بات کہتے ہیں جو انسانی ملاوٹوں اور آمیزشوں کی وجہ سے ان قدسی صفت انسانوں اور عالم بالا کے عظیم المرتبت سفیروں کی زندگی کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتے؛ اس لئے یہ (نعوذ باللہ) خود ان کی حیات والا صفات پر تنقید نہیں بلکہ ان لوگوں پر تنقید ہے، جو اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور جو ان کی سیرت مبارکہ کی حفاظت میں خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں، ورنہ تو اس میں شبہ نہیں کہ ہر پیغمبر کی حیات اپنے عہد کے لئے مکمل رہنما ہوتی ہے، اور تمام پیغمبروں پر ایمان اور ان کی تعظیم واحترام واجب ہے، اور اس کے بغیر کوئی شخص صاحب ایمان نہیں ہوسکتا۔

دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا عہد انسانی تہذیب وتمدن کی ناپختگی کا عہد تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا عہد تہذیب انسانی کے اوج کمال پر پہونچنے اور تمدن آدمیت کے پختہ ہوجانے کا عہد ہے، ایک ایسا عہد جو پوری عالم انسانیت کو ایک محلّہ اور ایک شہر کی طرح ایک دوسرے سے قریب کردے گا، چنانچہ اس ڈیڑھ ہزار سال کے

عرصہ میں انسان نے علم وعقل، ایجادات واختراعات اور اسرار کائنات کی تلاش وجستجو میں اتنا بڑا سفر طے کیا ہے کہ وجود عالم سے ولادت محمدی تک اس میدان میں انسان اس کا دسواں حصہ بھی سفر نہ کرسکا تھا، اس لئے یوں تو گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بابرکات بھی اپنے زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے مکمل تھیں، لیکن موجودہ عہد کے لئے وہ ناکافی ہے اور غالباً یہی منشاء ہے اس آیت باری کا:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (۴۱)۔(کتاب الفتاوی، ج:۱ص:۴۲ ۵تا ۴۴ ۵، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



کیا انبیاء علیہم السلام کو حوریں ملیں گی/کیا آپ ﷺ ہمارے والد کی طرح ہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کہا جاتا ہے کہ جنت میں جانے کے بعد مومنوں کی خدمت کے لئے حوریں موجود ہوں گی، تو کیا نبی اکرم ﷺ اور دوسرے انبیاء کے لئے بھی حوریں ہوں گی یا نہیں؟

۲۔ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو مومنوں کی ماں کہا جاتا ہے تو کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے باپ ہوئے یا نہیں؟

۳۔ میں نے سنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ پڑھا کر ان کے تابوت کو اونٹنی پر سوار کر کے صحرا میں چھوڑ دیا گیا، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تابوت تو نہیں ملا لیکن ان کی اونٹنی مری ہوئی

(۴۱): (سورۃ المائدۃ: ۳)

ملی، جہاں اونٹنی ملی وہاں ان کے عقیدت مندوں نے مزار بنادیا تھا۔ کیا یہ بات درست ہے یا نہیں؟ اور اگر عراق میں بنایا گیا مزار فرضی ہے تو اہلسنت کے علماء اسے بچانے کے لئے کیوں سرگرم ہیں؟

۴۔ عراق میں بنائے گئے مزار میں واقعی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہیں یا نہیں؟

ان سوالات کے تسلی بخش جوابات عنایت فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

صورت مسئولہ میں:

۱۔ جس طرح عام مومنین کے لئے حوریں ہوں گی اسی طرح انبیاء کے لئے بھی حوریں ہوں گی۔

۲۔ جس طرح تمام ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ بلکہ تمام انبیاء امت کے باپ ہوتے ہیں اور آیت کریمہ **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ الاية** میں نفی صلب (حقیقی باپ) کے اعتبار سے ہے۔

۳،۴۔ یہ واقعہ جو آپ نے سنا ہے اسکی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد انہیں کوفہ میں اس وقت کے دار الامارۃ میں دفن کیا گیا تھا البتہ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نجف میں جسے آج کل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار سمجھا جاتا ہے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار ہے۔

لما في روح المعاني (۲۲/ ۳۱): تحت آية ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله الآية..... قال الراغب بعد ان قال الاب الوالد ما نصه: ويسمى كل من كان سببا في ايجاد شيء او اصلاحه او ظهوره ابا ولذلک سمی

النبی ﷺ ابا المؤمنین قال الله تعالى اولى بالمؤمنين من انفسهم وازواجه امهاتهم وفی بعض القرآآت وهو اب لهم وروى انه عليه السلام قال لعلى كرم الله تعالى وجهه انا وانت ابو هذه الامة.... و حاصله انه استدراک من نفی الابوة الحقيقة الشرعية التی يترتب عليها حرمة المصاهرة و نحوها الى اثبات الابوة المجازية اللغوية التی هی من شان الرسول عليه الصلاة والسلام.

وفى المشكاة المصابيح (ص: ۴۹۶): عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ وذكر الحديث بطوله ثم قال لكل امرئ منهم زوجتان من الحور العين.

وفيها ايضا (ص: ۴۹۹): عن ابى سعيد قال قال رسول الله ﷺ..... ادنى اهل الجنة الذى له ثمانون الف خادم واثنتان وسبعون زوجة.

وفى المرقات (۱۰/ ۳۲۳): قد جاء ان للواحد من اهل الجنة العدد الكثير من الحور العين.

وفى البداية والنهاية (۷/ ۳۴۲): ان عليا رضى الله عنه لما مات صلى عليه ابنه الحسن فكبر عليه تسع تكبيرات ودفن بدار الامارة بالكوفة خوفا عليه من الخوارج ان ينبشوا عن جثته هذا هو المشهور ومن قال انه حمل على راحلته فذهبت به فلايدرى اين ذهب فقد اخطأ وتكلف ما لاعلم له به ولايسيغه عقل ولاشرع ومايعتقده كثير من جهلة الروافض من ان قبره بمشهده النجف فلادليل على ذلک

ولا اصل لہ ویقال انما ذلک قبر المغیرۃ بن شعبۃ رضؓ. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۶۷، ۲۷۸)



انبیاء علیہم السلام کے دین کا نام

﴿سوال﴾:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء علیہم السلام گذر گئے ان کے دینوں کا نام کیا تھا؟ یعنی جس طرح ہمارے دین کا نام اسلام ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے نبی اور رسل گذر گئے ان کے دین کا نام کیا تھا؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے دین کا نام بھی اسلام ہے ﴿هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ﴾ (۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج: ۱، ص: ۴۱۴)



ارواح میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی اور اجسام میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی

﴿سوال﴾:

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس کو تخلیق کیا تھا، انسانوں میں سے؟

﴿جواب﴾:

تخلیق دو طرح کی ہے: ایک ارواح کی، اور دوسری اجسام کی۔ ارواح میں سب

(۴۲): (سورۃ الحج: ۷۸)

سے پہلے روح محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کی تخلیق ہوئی، جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے، اور اجسام میں سب سے پہلے حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی (۴۳)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۱۵۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۴۳):وعن عبادة بن الصامت رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰهﷺ ان أول ما خلق اللّٰه القلم، فقال له: اکتب. فقال: ما أکتب؟ قال: اکتب القدر. فکتب ما کان وما هو کائن الی الأبد. وفی المرقات تحت هذا الحدیث: رأیت فی الدر المنثور نقلاً عن ابن عباسؓ: ان أول شیء خلقه اللّٰه القلم، فقال له: اکتب، فقال: یا رب وما أکتب، قال: اکتب یجری من ذلک هو کائن الی أن تقوم الساعة، ثم طوی الکتاب ورفع القلم. رواه البیهقی وغیره والحاکم وصححه، وفی الدر أیضاً عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰهﷺ یقول: ان أول شیء خلق اللّٰه القلم ثم النون وهی الدواة، ثم قال له: اکتب، قال: وما أکتب، قال: ما کان وما هو کائن الی یوم القیامة من عمل أو أثر أو رزق أو أجل، فکتب ما یکون وما هو کائن الی یوم القیامة، ثم ختم فم القلم فلم ینطق ولاینطق الی یوم القیامة. أخرجه الحکیم الترمذی هذا وروی أن أول ما خلق اللّٰه العقل، وأن أول ما خلق اللّٰه نوری وأن أول ما خلق اللّٰه روحی، وأن أول ما خلق اللّٰه العرش، والأولیة من الأمور الاضافیة فیؤول وأن کل واحد مما ذکر خلق قبل ما هو من جنسه، فالقلم خلق قبل جنس الأقلام ونوره قبل الأنوار والا فقد ثبت أن العرش قبل الخلق السماوات والأرض، فتطلق الأولیة علی کل واحد بشرط التقیید فیقال: أول المعانی کذا، وأول الأنوار کذا.

(مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، الفصل الثانی، ج: ۱، ص: ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، رقم: ۹۴، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی البدایة: قال اللّٰه تعالیٰ: واذ قال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفة. قالوا أتجعل فیها من یفسد فیها ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک. قال انی أعلم مالاتعلمون..الخ.

کیا حضور ﷺ حضرت آدم علیہم السلام کی خلقت سے قبل نبی تھے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضور پرنور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے نبی تھے؟ یا چالیس سال بعد آپ ﷺ کو نبوت ملی؟ اس چالیس سال میں ہم آپ ﷺ کو کیا مانیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

جی ہاں آپ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے نبی تھے اور چالیس سال کی عمر میں جس میں ظاہری طور پر نبوت ملی اس عرصہ میں بھی آپ ﷺ کو نبی مانا جائے گا، مگر چالیس سال کی عمر سے پہلے یعنی نبوت کے اعلان سے پہلے ایمان لازم نہیں تھا، اعلان کے بعد لازم ہوا۔

عن العرباض بن سارية، عن رسول الله ﷺ انه قال: انی عند الله خاتم النبيين، وان آدم عليه السلام لمنجدل فی طينة. (مسند احمدبن حنبل ۴/۱۲۷، رقم: ۱۷۲۸۰، ۱۷۲۸۱، ۴/۱۲۸، رقم: ۱۷۲۹۵، مسندالبزار ۱۰/ ۱۳۵، رقم:

فهذا ذكر هذه القصة من مواضع متفرقة من القرآن. وقد تكلمنا على ذلك كله في التفسير. ولنذكر ههنا مضمون ما دلت هذه الآيات الكريمات وما يتعلق بها من الاحاديث الواردة فی ذلک عن رسول الله ﷺ. والله المستعان.

فأخبر تعالى أنه خاطب الملائكة قائلا لهم "انی جاعل فی الارض خليفة" أعلم بما يريد أن يخلق من آدم وذريته الذين يخلف بعضهم بعضا كما قال "وهو الذی جعلكم خلائف" الارض فاخبرهم بذلک على سبيل التنويه بخلق آدم وذريته....الخ. (البداية والنهاية، باب خلق آدم عليه السلام، ج: ۱، ص: ۶۸، ۷۰، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

٤١٩٩، صحيح ابن حبان، ذكر كتبة الله جل وعلا عنده محمدا ﷺ خاتم النبيين ٦/٨٢، رقم: ٦٤٠٤، المعجم الكبير للطبراني ١٨/ ٢٥٢، رقم، ٦٢٩، ٦٣٠، ٦٣١، المستدرك على الصحيحين للحاكم، قديم ٢/٦٥٦، جديد ٤/ ٥٦٥، رقم: ٤١٧٥، مشكوة شريف، ص: ٥١٣) فقط والله سبحانه و تعالىٰ اعلم (فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ٨٧، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)



آنحضرت علیہ السلام کا آدم علیہ السلام سے پہلے نبی ہونے کا مطلب

﴿سوال﴾:

ایک عالم نے حدیث "کنت نبیا وادم بین الماء والطین" بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کے پانی اور خمیر ہونے کے وقت نبی تھے باعتبار چرچا کے ملائکہ میں۔ کیا آپ کا محض چرچا تھا یا آنے کی شہرت تھی؟ یا خود بھی موجود تھے؟ اور ایک دوسرے آدمی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اب آپ واضح فرمائیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، صحیح ہے یا ضعیف ہے؟

﴿الجواب﴾:

كنت نبيا وادم بين الروح والجسد رواه البخاري في تاريخه و الحاكم وصححه (تذكرة الموضوعات: ص ٨٦) عن ابي هريرةؓ قال قالوا يارسول الله متى وجبت لك النبوه قال وادم بين الروح والجسد رواه الترمذي مشكوة ص

۵۱۳ (۴۴).

الفاظ بالا کے ساتھ یہ روایت کتب حدیث میں پائی جاتی ہے۔لیکن جو الفاظ سوال میں لکھے گئے ہیں یہ الفاظ ثابت نہیں بلکہ موضوع ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اما مایدور علی الالسنة کنت نبیاوادم بین الماء والطین.فقال السخاوی لم اقف علیه بهذا اللفظ فضلا عن زیادة وکنت نبیا ولا ماء ولاطین. قال الحافظ ابن حجر انالزیادة ضعیفة وما قبلها قوی وقال الزرکشی لاأصل له بهذا اللفظ. (مرقاة:ج ٥:ص ٣٦٧)(۴۵)۔

تذکرۃ الموضوعات میں علامہ طاہر پٹنی تحریر فرماتے ہیں:

وفی الزیلعی وکنت نبیا وادم بین الماء والطین وکنت نبیا ولا ادم ولا ماء ولا طین قال ابن تیمیة موضوع ص ٨٦.

خلقِ آدم علیہ السلام سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نبی ہونا باعتبار شہرت کے تھا دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں بھی گو علم الٰہی میں موجود تھیں مگر فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی اور آپ کے عہدۂ رسالت کا اظہار واعلان کر دیا گیا تھا۔صاحبِ لمعات لکھتے ہیں۔ جوابش آنست کہ مراد اظہار نبوت اوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش از وجود عنصری وے در ملائکہ وارواح چنانکہ

---

(۴۴):(مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سید المرسلین صلوات الله وسلامه علیه، الفصل الثانی، ص: ۵۱۳، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۴۵):(مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سید المرسلین ﷺ، الفصل الثانی، ج: ۱۰، ص: ٤٣٩)

واردشدہ کتابت اسم شریف اورعرش وغیرہ ج ۴،ص ۴۹۹۔فقط واللہ اعلم (خیر الفتاوی، ج:۱، ص:۲۸۲،۲۸۳،ط،مکتبہ امدادیہ ملتان)



انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا طریقہ

﴿سوال﴾:

جناب مفتی صاحب! نیچے لکھے ہوئے مسئلہ کا جواب باً دلہ تحریر فرمائیں۔

کہ سب آدمی جس جگہ سے پیدا ہوتے ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے پیدا ہوئے یا کہ ناف مبارک سے؟ ہمارے اس دیار میں اس مسئلہ میں اختلاف ہورہا ہے، چند عالم کہتے کہ جمیع انسان جس جگہ سے پیدا ہوتے ہیں، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جگہ سے پیدا ہوئے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ناف مبارک سے۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

"عن همام ابن يحيى عن اسحاق بن عبدالله أن أم رسول الله ﷺ قالت: لما ولدته، خرج من فرجي نور أضاء له قصور الشام، فولدته نظيفاً ما به قدر"۔ رواه ابن سعد" خميس: ۱/۲۰۳(۴۶)۔

اس روایت کونقل کرکے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے: این صریح است درآنکه ولادت ازطریق معتاد بود که سائر زنان راباشد، وحدیث دیگر نیز که دروے آمده: "فأخذني المخاض" که بمعنی دردزه است، نیز ظاهر در آنست". مدارج النبوۃ:۲/۱۹۔اس سے معلوم ہوکہ ولادت اس جگہ سے ہوئی جس جگہ سے سب کی ہوتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۴۶):(كتاب الطبقات الكبير، ذكر مولد رسول الله ﷺ، ج: ۱، ص: ۸۲، ط، مكتبة الخانجي بالقاهرة)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق نہایۃ الامل، ص:۵۹ میں دو قول اور بھی لکھے ہیں: اول یہ کہ ناف سے کچھ نیچے ایک سوراخ پیدا ہوا جس سے ولادت ہوئی، پھر وہ فوراً بند ہوگیا، دوم یہ کہ بائیں پسلی کے نیچے (حاضرہ) سے ولادت ہوئی۔ قول اول جمیع انبیاء میں مشترک ہے، قول ثانی آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص ہے، مگر دلیل میں کوئی روایت پیش نہیں کی۔

بطریق ولادت معتاد کا سختی سے انکار کیا ہے، لیکن اس نوع کی بحث کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع کے خلاف اور اساءت ادب ہے، لہٰذا اس سے سکوت چاہیے۔ فقط۔ محمود گنگوہی عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص: ۴۱۵، ۴۱۶/ خیر الفتاوی، ج:۱، ص: ۳۱۱، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان/ فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۴۶۸/ نجم الفتاوی، ج:۱، ص:۲۴۷، ۲۴۸)



حضور ﷺ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات

﴿سوال﴾:

حضور ﷺ کے تاریخ ولادت اور وفات کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ عام طور پر دونوں کا تعین بارہ ربیع الاول سمجھا جاتا ہے۔ اور حکومت پاکستان بھی بارہ ربیع الاول پر یوم ولادت مناتی ہے۔ لہٰذا صحیح تاریخ ولادت اور وفات سے روشناس فرمائیں؟

﴿الجواب﴾:

تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ ولادت باسعادت ۸ ربیع الاول اور تاریخ وفات ۲ ربیع الاول ہے۔ (فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۴۵۶)



رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت

﴿سوال﴾:

حال ہی میں سیرت النبی ﷺ کی ایک کتاب ”سیرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ ظہور قدسی سے مسجد قباء تک حیات طیبہ کا مکی دور پڑھا، سیرت نگار محترم شاہ مصباح الدین شکیل صاحب ہیں، اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بارے میں کچھ اس طرح سے لکھا ہے کہ ”تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، ریاضی کی جدید تحقیق کے مطابق ۹/ ربیع الاول بروز دوشنبہ ۲۳/۴/۵۷۱ء ہے، براہ کرم صحیح اور مصدقہ تاریخ سے مطلع فرمائیں؟

﴿جواب﴾:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں قدیم سیرت نگاروں سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں، اور مشہور قول ۱۲/ ربیع الاول کا ہے، لیکن علامہ شبلیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ جیسے اصحاب تحقیق علماء کی رائے بھی ہے کہ تاریخ پیدائش ۹/ ربیع الاول ہے۔ اس لئے کہ اس بات پر تمام سیرت نگار متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پیر کے دن ہوئی تھی، یہ محض کتب سیرت کی روایتوں سے ثابت نہیں، بلکہ صحیح حدیثوں میں بھی منقول ہے، اور ماہرین تقویم کی رائے میں جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اس سال پیر ۹/ ربیع الاول کو پڑتا ہے، نہ کہ ۱۲/ ربیع الاول کو، اس لئے رقم الحروف کا بھی رجحان اسی قول کی طرف ہے، واللہ اعلم بالصواب (کتاب الفتاوی، ج: ۱، ص: ۵۳۰، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



۱۲/ربیع الاول آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش ہے یا نہیں؟

﴿مسئلہ﴾:

بعض لوگ ۱۲ ربیع الاول کو خوشیاں مناتے ہیں، مدرسوں میں چھٹیاں رکھتے ہیں، صدقہ خیرات کرنے کو لازم سمجھتے ہیں، جبکہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش صحیح قول کے مطابق، ۹ ربیع الاول ہے(۴۷)، اسی طرح کسی خاص دن صدقہ وخیرات کو لازم سمجھنا بدعت ہے(۴۸)، البتہ اس دن نیک اعمال کی کثرت رکھی جائے۔ (المسائل المہمہ فیما ابتلت بہ العامۃ، ج:۳،ص:۲۸)



---

(۴۷):مـا فـي الـرحيق المختوم: ولد سيد المرسلين بشعب بني هاشم بمكة فـي صبيحة يوم الاثنين التاسع من شهر ربيع الأول لأول عام من حادثة الفيل ويوافق ذلک العشرين أو اثنين وعشرين من شهر أبريل احدى وسبعين وخمس مأة ۵۷۱م، حسبما حققه العالم الكبير محمد سليمان المنصور فوری والمحقق الفلكي محمود باشا. (ص: ٦٢، السيرة البنوية: ص/ ١٠٩، رحمة للعالمين: ص/ ٣٤ بحواله حاشية المسائل المهمه)

(۴۸):عن سعد بن ابراهيم سمع القاسم قال: سمعت عائشةؓ تقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد. (مسند احمد بن حنبل، ص:١٨٩٨، رقم الحديث:٢٥٩٨٦)

وفي البحر: ولأن ذكر الله تعالىٰ اذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت أو بشيء دون شيء لم يكن مشروعاً حيث لم يرد الشرع به لأنه خلاف المشروع. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ج: ٢،ص: ٢٧٩،ط، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان)

وفي الاعتصام: ومنها وضع الحدود والتزام الكيفيات والهيئات المعينة،

آپ علیہ السلام کی ولادت باسعادت اور مروجہ میلاد

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت کس ماہ میں ہوئی اور کس تاریخ کو ہوئی اور آج کل میلاد النبی کا منانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو میلاد منانے والوں کا کیا حکم ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

صورت مسئولہ میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول میں ہوئی البتہ تاریخ میں اختلاف کی بنا پر مختلف اقوال نقل کیے گئے جن میں زیادہ راجح آٹھ (۸) ربیع الاول ہے۔

نیز مروجہ میلاد کا خیر القرون سے کوئی ثبوت نہیں ملتا لہٰذا یہ بدعت قبیحہ ہے جس کا ترک لازم ہے اور جانتے بوجھتے بدعت کا ارتکاب کرنے والا فاسق ضرور ہے۔

لما فی المشكوة (ص ۲۷): عن عائشة قالت قال رسول الله من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد.

وفی فيض البارى (۳۱۹/۲): واعلم ان القيام عند ذكر ميلاد النبى ﷺ لااصل فى الشرع واحدثه ملک الاربل كما فى تاريخ ابن خلكان انه كان يعقد له مجالس ويصرف عليها اموالا.

وعلى هامشه يقول العلامة محمد بدر عالم الميرتهي: يقول العبد الضعيف: ولا ينبغى ان يشک ان

والتزام العبادات المعينة فى أوقات معينة لم يوجد لها ذلک التعيين فى الشريعة.

(الاعتصام، ج: ۱، ص: ٤٦، ط، مكتبة التوحيد)

المیلاد المروج بین اظهرنا حرام قطعا فانه یشتمل علی المحرمات الکثیرة والمعاصی الظاهرة والباطنة من اضاعة المال وقرأة الروایات الموضوعة التی لا اصل لها فی الدین....فتلک المجالس کلها البدع فاحذروها وعلیکم بسنة نبیکم فانها العروة الوثقی لاانفصام لها.

وفی السیرة النبویة لابن کثیر (۱/۱۹۸): ولد صلوات اللّٰه علیهم وسلامه یوم الاثنین.....ثم الجمهور علی ان ذلک کان فی شهر ربیع الاول فقیل للیلتین خلتا منه قال ابن عبد البر فی الاستیعاب ورواه الواقدی عن ابی معشر نجیح بن عبدالرحمٰن المدنی وقیل لثمان خلون منه حکاه الحمیدی عن ابن حزم ورواه مالک وعقیل ویونس بن یزید وغیرهم عن الزهری عن محمد بن جبیر بن مطعم. ونقل ابن عبدالبر عن اصحاب التاریخ انهم صححوه وقطع به الحافظ الکبیر محمد بن موسیٰ الخوارزمی ورجحه ابو الخطاب بن دحیه.... وقیل لعشر خلون منه نقله ابن دحیة.....وقیل لثنتی عشر خلت منه علیه ابن اسحاق ....وهذا هو المشهور عند الجمهور.وهکذا فی البدایة والنهایة (۲/۲۴۲)(نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۱۷۱، ۱۷۲)



پاک رحموں اور پاک صلبوں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کا مطلب

﴿سوال﴾:

نبی علیہ السلام کی حدیث ہے کہ میری پیدائش پاک رحموں اور پاک صلبوں سے ہے، حضرت عبداللہ والد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منی رحمِ مائی آمنہ میں کیسا ہے؟ اگر بذریعہ منی ہے تو کیا حضرت عبداللہ کی منی پاک تھی؟ اگر پاک تھی تو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منی کے متعلق احکامِ غسل دھونا آیا ہے، اگر پلید تھی تو حدیث پر حرف آتا ہے؟

﴿جواب﴾:

پاک رحموں اور پاک صلبوں سے مراد صحیح النسب ہونا ہے، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد صحیح النسب تھے، اس کا مطلب منی کی طہارت نہیں ہے۔ (فتاوی عثمانی، ج:۱، ص:۳۰۸، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)



کتنی عورتوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یتیم چھوڑ کر جو عورتیں گئیں تھیں ان کے کیا نام تھے اور وہ کس خاندان سے تعلق رکھتی تھیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ۹ عورتوں نے دودھ پلایا ہے اگر آپ کا مقصد انہی عورتوں کے بارے میں پوچھنا ہے تو ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱): حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بن وہب خاندان بنونجار۔[سیرت مبارکہ،ص۱۷۶]

(۲): حضرت حلیمہ بنت ابی ذویب بنوسعد۔[سیرت محمدیہ/۳۲،سیرت مبارکہ، ص:۱۷۸]

(۳): حضرت ثوبیہ جاریہ عمہ ابی لہب۔[سیرت محمدیہ/۳۲،سیرت مبارکہ،ص: ۱۷۸]

(۵): حضرت ام ایمن،قبیلہ بنوسلیم۔[سیرت محمدیہ۳۲،سیرت مبارکہ،ص: ۱۷۸]

(۶): حضرت خولہ بنت المنذر۔[سیرت محمدیہ/۳۲،سیرت مبارکہ،ص:۱۷۸]

(۷): عاتکہ بنوسلیم۔

(۸): عاتکہ بنوسلیم۔

(۹): عاتکہ بنوسلیم۔[سیرت محمدیہ،ص:۳۲]

ثلٰث نسوة من أبكار بنو سليم [وقوله]وهؤ لاء النسوة الأبكار كل واحدة منهن تسمى عاتكه الخ. [سيرت محمديه، ص: ٣٢، الطبقات الكبرى لابن سعد ذكر من أرضع رسو ل اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم وتسميته اخوته وأخواته من الرضاعة ٢/ ٧٨، ٩٣، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت، البداية والنهاية لابن الفداء الحافظ ابن كثير ذكر حواضنه ومراضعه عليه الصلاة والسلام، ٢/ ٢٧٢، ٢٧٩، دار الفكر] فقط واللّٰه سبحانه وتعالىٰ اعلم۔(فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ٣٤٤، ٣٤٥، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند الهند)



نماز جمعہ وخطبہ، اذان کی ابتداء اور حضور ﷺ کے والدہ ماجدہ اور والد کی تاریخ وفات ومواضع وفات

﴿سوال﴾:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے خطبہ جمعہ کب (کس تاریخ کو) اور کہاں (کس مسجد میں) فرمایا۔ (۲) سب سے پہلے جمعہ کی نماز کب (کس تاریخ) اور کس مسجد میں پڑھی گئی۔ (۳) نماز سے قبل اذان کا رواج کس تاریخ سے ہوا سب سے پہلی اذان کس نے کونسی مسجد میں دی۔ (۴) آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا مزار مبارک کس مقام پر ہے اور وفات کس سن کو ہوئی۔ (۵) آپ ﷺ کے والد ماجد کا مزار کس جگہ پر ہے اور وفات کس سن کو ہوئی؟

﴿الجواب﴾:

(۱،۲) پیغمبر علیہ السلام جمعہ کے دن قبا سے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اور اسی دن بنی سالم بن عمرو بن عوف میں نماز جمعہ اور خطبہ پڑھا۔ جس سے پہلے پیغمبر علیہ السلام نے خطبہ اور جمعہ نہیں پڑھا ہے۔ (البداية والنهاية ص ۲۱۲، ۲۱۳ جلد ۳)(۴۹)۔

(۳) بذل اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ اذان مدینہ میں ہجرت کے

---

(۴۹): في البداية: ولما ارتحل عليه السلام من قباء وهو راكب ناقته القصواء وذلك يوم الجمعة أدركه وقت الزوال وهو في دار بني سالم بن عوف، فصلى بالمسلمين الجمعة هنالك. الخ.

قال ابن جرير: حدثني يونس بن عبدالاعلى أخبرنا ابن وهب عن سعيد بن عبدالرحمٰن الجمحي أنه بلغه عن خطبة النبي ﷺ في أول جمعة صلاها بالمدينة في بني سالم بن عمرو بن عوف رضي الله تعالىٰ عنهم. الخ. (البداية والنهاية، ج: ۳، ص: ۲۱۲، ۲۱۳، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

بعد ۱ھ میں مقرر ہوئی جس وقت کہ مسجد بنائی گئی (۵۰)۔پہلی اذان حضرات بلال رضی اللہ عنہ نے پڑھی مسجد سے خارج حصہ میں (۵۱)۔(هكذا فى الروايات الحديثية)

---

(۵۰):في البذل: باب بدء الأذان: أي ابتداؤه، واختلفت الروايات في أن الأذان متى شرع ابتداء، فانها وردت أحاديث تدل على أن الأذان شرع بمكة قبل الهجرة، ففي بعضها أن جبرئيلً أمر النبيﷺ بالأذان حين فرضت الصلاة، وفي بعضها أنهﷺ علم الأذان ليلة الاسراء، ولكن قال الحافظ ابن حجر: والحق أنه لايصح شيء من هذه الأحاديث، وقد جزم ابن المنذر بأنهﷺ كان يصلي بغير أذان منذ فرضت الصلاة بمكة الى أن هاجر الى المدينة..الخ.

وفي حاشية البذل: والراجح أنه شرع في المدينة سنة اهـ عند الجمهور، وقيل سنة ٢هـ كما بسط في الأوجز: (٢/٥). (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة،باب بدء الأذان، ج: ٣، ص: ٢٣٧، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان/ فتح الباري، كتاب أبواب الأذان، ج: ٢، ص: ٩٤)

(۵۱):عن عبدالله بن عمرؓ، أنه قال: كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون، فيتحينون الصلوات، وليس ينادي بها أحد، فتكلموا يوما في ذلك، فقال بعضهم: اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصارى، وقال بعضهم: قرنا مثل قرن اليهود، فقال عمرؓ: أولا تبعثون رجلا ينادي بالصلاة؟ قال رسول اللهﷺ: يابلال! قم، فناد بالصلاة. (كتاب الصلاة، باب بدء الأذان، ص: ١٦١، رقم: ٨٣٧، ط، دار السلام رياض)

عن أبي عمير بن أنس، عن عمومة له من الأنصار قال: اهتم النبيﷺ للصلاة كيف يجمع الناس لها، فقيل له: انصب راية عند حضور الصلاة، فاذا رأوها آذن بعضهم بعضا، فلم يعجبه ذلك. قال: فذكر له القنع-يعني الشبور-وقال زياد: شبور اليهود، فلم يعجبه ذلك وقال: هو من أمر اليهود. قال: فذكر له الناقوس، فقال: هو من أمر النصارى. فانصرف عبدالله بن زيد بن عبد ربه وهو مهتم لهم رسول اللهﷺ، فأرى الأذان في منامه. قال: فغدا على رسول اللهﷺ فأخبره

(۴) والدہ صاحبہ کا مزار مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں ہے اور ان کی وفات ہجرت سے سینتالیس (۴۷) سال پہلی ہوئی۔ (البدایة والنهایة ص ۲۷۹ جلد ۲) (۵۲)۔

(۵) شام سے واپسی کے وقت مدینہ منورہ میں وفات ہوئے۔ اور دار النابغہ میں دفن ہوئے۔ ہجرت سے ترپن [۵۳] سال پہلے (۵۳)۔ (البدایة والنهایة ص ۲۶۳ جلد ۲) وهو الموفق (فتاوی فریدیه، ج: ۱، ص: ٤٥٧)



فقال: يارسول الله! انى لبين نائم ويقظان اذ أتانى آت فأرانى الأذان. قال: وكان عمر بن الخطاب قد رآه قبل ذلك، فكتمه عشرين يوماً. قال: ثم أخبر النبى ﷺ فقال له: ما منعك أن تخبرنى؟ فقال: سبقنى عبدالله بن زيد فاستحييت، فقال رسول الله ﷺ: يابلال! قم فانظر ما يأمرك به عبدالله بن زيد فافعله. قال: فأذن بلال. قال أبو بشر: فأخبرنى أبو عمير، أن الأنصار تزعم أن عبدالله بن زيد لولا أنه كان يومئذ مريضا لجعله رسول الله ﷺ مؤذنا. (سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب بدء الأذان، ص: ۸۲، رقم: ٤٩٨، ط، دار السلام رياض)

(۵۲): فى البداية: قال ابن اسحاق: حدثنى عبدالله بن أبى بكر بن محمد بن عمرو بن حزم أن أم رسول الله ﷺ آمنة توفيت وهو ابن ست سنين بالابواء بين مكة والمدينة. (البداية والنهاية، ج: ۲، ص: ۲۷۹، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

(۵۳): فى البداية: وعبدالله ابن عبدالمطلب يومئذ مريض، فقال أتخلف عند أخوالى بنى عدى بن النجار، فأقام عندهم مريضاً شهراً ومضى أصحابه فقدموا مكة فسألهم عبدالمطلب عن ابنه عبدالله فقالوا خلفناه عند أخواله بنى عدى بن النجار وهو مريض، فبعث اليه عبدالمطلب أكبر ولده الحارث. فوجده قد توفى ودفن فى دار النابغة فرجع الى ابيه فاخبره، فوجد عليه عبدالمطلب واخوته وأخواته وجداً شديداً، ورسول الله ﷺ يومئذ حمل. ولعبدالله بن عبدالمطلب يوم توفى

آپ ﷺ کا ختنہ ہوا تھا یا نہیں؟

﴿سوال﴾:
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور ﷺ کا ختنہ ہوا یا نہیں؟ ہوا تو ان کا ختنہ کس نے کیا، کیوں کہ جب آپ ﷺ چھوٹے تھے، اس وقت آپ ﷺ کے خاندان والے کافر تھے۔ اور اگر نہیں ہوا تو امت پر سنت کیوں ہے؟ اور اگر آپ ﷺ نے خود کیا تو قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھائیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:
صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ختنہ ہوا، آپ ﷺ کے جدامجد حضرت عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں روز آپ ﷺ کا ختنہ کرایا، جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سنت کے مطابق مولود کا ساتویں روز ختنہ کراتے تھے، جس کی اتباع کا اس امت کو حکم دیا گیا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/۱۵۳، جدید ڈابھیل ۴/۴۷۸، و ۱۱/۶۱، الرحیق المختوم ۱/۸۳، سیرۃ مصطفیٰ ۱/۶۷)

وقال بعض المحققين من الحفاظ: الأشبه بالصواب أنه لم يولد مختونا، (شامی، كتاب الخنثى، مسائل شتى، زكريا ۱۰/۴۸۲، كراچی ۶/۷۵۲)

قد اختلف فيه على ثلاثة اقوال: أحدها: أنه ولد مختونا مسرورا، ويروى في ذلك حديث لا يصح، ذكره أبو الفرج ابن الجوزي في الموضوعات، وليس فيه حديث

خمس وعشرون سنة. (البداية والنهاية، ج: ۲، ص: ۲۶۳، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

ثابت، ولیس هذا من خواصه، فان کثیراً من الناس یولد مختونا–الی ان قال–عن ابن عباسؓ أن عبدالمطلب ختن النبی ﷺ یوم سابعة، وجعل له مادوبة وسماه محمدا. (زاد المعاد ۸۱/۱، کذافی الخصاص الکبری ۵۳/۱، البدایة والنهایة، دارالکفر ۲۶۵/۲) فقط واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم

(فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۹٦، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند/خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۳۲۷، ط، مکتبه امدادیه ملتان/فتاوی فریدیه، ج: ۱، ص: ٤٦۹/نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۵۳)



انبیاء علیہم السلام کے ختنے کی صورت

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر مشہور ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کیا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے انبیاء ختنہ کراتے تھے یا نہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے انبیاء علیہم السلام پیدائشی طور پر مختون پیدا کئے۔

لما فی روح البیان (۲۲۳/۱): وقد ولد الانبیاء کلهم مختونین مسرورین ای مقطوعی السرة کرامة لهم الا ابراهیم خلیل اللّٰه فانه ختن نفسه ببلدة قدوم بالتخفیف و التشدید وهو ابن مائة وعشرین.... اوثمانین لیستن بسنة بعده.

وفی المرقات (۲/۷): الختان بخاء معجمة وتاء فوقها نقتطان وهی من سنة الانبیاء کما سبق من لدن ابراهیم علیه الصلوة والسلام الی زمن نبینا محمد ﷺ وروی ان آدم وشیثا ونوحا وهودا وصالحا ولوط وشعیبا ویوسف وموسیٰ..... ولدوا مختونین. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۴۵، ۲۴۶)



رسول اللہ ﷺ کو نبوت کب ملی؟

﴿سوال﴾:

رسول ﷺ کو نبوت کب ملی ہے؟

﴿الجواب﴾:

چالیس برس کے بعد نبوت ملی ہے (۵۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج:۱۸، ص:۲۲۸، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



---

(۵۴): عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال: أنزل علی رسول اللّٰہ ﷺ وهو أربعین فمکث بمکة ثلاث عشرة سنة. ثم أمر بالهجرة الی المدینة فمکث بها عشر سنین، ثم توفی ﷺ. (صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مبعث النبی ﷺ، ص: ۷۸۷، رقم: ۳۸۵۱، ط، دار السلام ریاض)

فخر عالم ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے کا عقیدہ اور اس کے منکر کا حکم

﴿سوال﴾:

فخر عالم سرور کائنات ﷺ کے کل انبیاء سے افضل ہونے کا مسئلہ اصول دین میں سے ہے یا فروع میں سے؟

(۲) اصول دین وفروع دین کی تعریف - اگر کوئی مسلمان سرور کائنات ﷺ کو افضل الرسل نہ مانے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے مذہب اسلام میں کوئی فرقہ ایسا ہے جو سرور کائنات کو افضل الرسل نہ جانتا ہو۔

﴿الجواب﴾:

آنحضرت ﷺ کا افضل الانبیاء ہونا مجمع علیہ اہل اسلام ہے(۵۵) اور یہ مسئلہ

---

(۵۵): فی الجامع لاحکام القرآن: وقد أشار ابن عباس الی هذا، فقال: ان اللّٰه فضل محمداً [ﷺ]علی الأنبیاء وعلی اهل السماء، فقالوا: بم یا ابن عباس فضله علی اهل السماء؟ فقال: ان اللّٰه تعالی قال: ﴿ومن یقل منهم انی اله من دونه فذٰلک نجریه جهنم کذلک نجری الظالمین﴾ [الأنبیاء: ۲۹]. وقال لمحمدﷺ: ﴿انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفرلک اللّٰه ما تقدم من ذنبک وما تأخر﴾ [الفتح: ۱/۲]. وقالوا: فما فضله علی الأنبیاء؟ قال: قال اللّٰه تعالی: ﴿وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم﴾ [ابراهیم: ۴]، وقال اللّٰه عز وجل لمحمدﷺ: ﴿ومآ ارسلنک الا کافة للناس﴾ [سبأ: ۲۸]، فأرسل الی الجن والانس، ذکره أبو محمد الدارمی فی مسنده.وقال العلامة عبداللّٰه الترکی فی حاشیته: وأخرجه أیضاً الطبرانی فی الکبیر (۱۱۶۱۰)، وقال الهیثمی فی المجمع ۸/ ۲۵۵: رجاله رجال الصحیح غیر الحکم بن أبان، وهو ثقة. (الجامع لاحکام القرآن، سورة البقرة، الآیة: ۲۵۳، ج: ٤، ص: ۲۵۵، ۲۵٦، ط، مؤسسة الرسالة)

وفی شرح العقائد: وأفضل الأنبیاء محمدﷺ. (شرح العقائد النسفیة، بحث

اصول دین میں سے یعنی اعتقادیات میں سے۔

قال التفتازانی رحمه الله علیه اجمع المسلمون علی ان افضل الرسل محمد ﷺ.

قال اهل التفسیر اراد بقوله تعالیٰ ورفع بعضهم فوق بعض درجات محمدا ﷺ ای رفع الله النبی ﷺ علی سائر الانبیاء علیهم السلام شرح شفاء—والمعتقد المعتمد ان افضل الخلق نبینا ﷺ—شرح فقه اکبر (۵۶)—والله اعلم

(۲) جو شخص آنحضرت ﷺ کو افضل انبیاء نہ جانے وہ ضال ومبتدع ہے مذہب اسلام میں کوئی فرقہ ایسا نہیں جو آنحضرت ﷺ کو افضل الانبیاء نہ جانتا ہو۔(عزیز الفتاوی، ص:۸۷،ط، دارالاشاعت کراچی)



دیگر انبیاء علیہم السلام پر حضور ﷺ کی فضیلت کی وجہ

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کبھی کبھی میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کا جواب عنایت فرمائیں اور وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو جو دوسرے انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اس کی کیا وجہ

نبینا محمد ﷺ أفضل الأنبیاء، ص: ۳۲۹، ط، مكتبة البشریٰ كراتشی)

(وكذا فی النبراس شرح شرح العقائد، وافضل الانبیاء محمد ﷺ، ص: ۲۸٦)

(وكذا فی النكت والفوائد علی شرح العقائد، افضل الانبیاء سیدنا محمد ﷺ، ص: ۵۷۹، ط، المكتبة العصریة بیروت لبنان)

(۵۶): (شرح الفقه الأكبر، مسئلة فی تفضیل بعض الانبیاء علی بعض، ص: ۱۰۲، ط، دار الكتب العربیة الكبری مصر)

ہے؟ واضح جواب عنایت فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

صورت مسئولہ میں حضور ﷺ کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی ہے لہٰذا ہم اسی کو ماننے کے پابند ہیں۔ رہی یہ بات کہ ایسا کیوں ہوا تو یہ ان امور میں سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ جیسے چاہتے ہیں کرتے ہیں، اس میں مخلوق کو ''کیوں'' کے سوال کا حق نہیں ہے۔

لقوله تعالیٰ (البقرة: ۲۵۳): تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من کلم اللّٰه ورفع بعضهم درجات الاية.

(الاسراء: ۱): سبحن الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حوله لنریه من آیاتنا انه هو السمیع البصیر.

وفی المشکوة (ص ۵۱۱) عن ابی هریرة قال رسول اللّٰه ﷺ انا سید ولد آدم یوم القیمة واول من ینشق عنه القبر واول شافع مشفع.

وعن انس قال قال رسول اللّٰه ﷺ انا اکثر الانبیاء تبعا یوم القیمة وانا اول من یقرع باب الجنة. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۵۲)



آپ ﷺ کی بعثت جنات کیلئے بھی تھی

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم ﷺ صرف انسانوں کیلئے مبعوث ہوئے تھے یا انسان وجن دونوں کیلئے؟ نیز مؤمنین جنات کا کیا حکم ہے کیا وہ مسلمان انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

صورت مسئولہ میں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو تمام مخلوقات (بشمول جن وانس) کیلئے رسول بنا کر بھیجا، اس پر تمام امت کا اجماع ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعث جن وانس دونوں کی طرف فرمائی۔ نیز مؤمنین جنات کے جنت میں داخل ہونے کے بارے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے توقف کا قول نقل کیا گیا ہے لیکن صاحبینؒ اور دیگر مجتہدین واکابرین احناف نے مؤمنین جنات کے جنت میں داخل ہونے کی صراحت کی ہے، اور یہی قول صحیح ہے۔

لما فی قوله تعالی (سورة السباء: ۲۸): وما ارسلناک الا کافة للناس بشیرا ونذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون:

وفیه ایضا (سورة الانبیاء: ۱۰۷): وما ارسلناک الا رحمة للعالمین:

وایضا (سورة الاحقاف: ۱۸) اولئک الذین حق علیهم القول فی امم قد خلت من قبلهم من الجن والانس

انهم كانوا خاسرين ولكل درجات مما عملوا وليوفيهم اعمالهم وهم لا يظلمون.

وفى التفسير المظهرى (۸۲/۱۰): قال البغوى فى تفسير سورة الاحقاف انه قال ابن عباسؓ فاستجاب لهم اى نفر من الجن بعد ما استمعوا القرآن من النبىﷺ بنخلة ورجعوا الى قومهم منذرين من قومهم سبعين رجلا من الجن فرجعوا الى رسول اللهﷺ فوافقوه فى البطحاء فقرأ عليهم القرآن وامرهم ونهاهم وذكر الخفاجى انه قد دلت الاحاديث على ان وفادة الجن كانت ستة مرات وهذا يدل على انهﷺ كان مبعوثا الى الجن والانس جميعا وقال مقاتل لم يبعث قبله نبى الى الانس والجن.

وفيه ايضاً (۹۰/۱۰): والصحيح عندى ما قاله الجمهور وبه قال ابو يوسف ومحمدؒ قال من اثبت الثواب فقوله مبنى على دليل وشهادة على الاثبات فيقبل بخلاف قول ابى حنيفة رحمه الله فانه متوقف بناء على عدم بدليل ولا شك ان قول ابن عباس واقوال ابن عباس واقوال عمر بن عبدالعزيز ونحوه من ثقات الصحابة والتابعين لها حكم الرفع وقد اخرج البيهقى عن انس عن النبى ﷺ مرفوعا ان مؤمنين الجن لهم ثواب وعليهم عقاب فسألنا عن ثوابهم وعن مؤمنهم فقال على الاعراف وليسوا فى الجنة فسالنا وما الاعراف قال خارج الجنة تجرى فيه الانهار وتنبت فيه الاشجار والاثمار. والله سبحانه اعلم بالصواب.

وفـی کـنـز الـعمال (۱۱/۴۴۵): بعثت الی الاحمرو الاسود.

وفـی فتاوی الـحـديثية (۱/۲٦): ورسالة نبينا ﷺ اليهـم قطعية فقد اجمع عليها المسلمون وقد استمعوا قراء ة النبی ﷺ ببطن نخلة وكانوا تسعة كما صح عن ابن مسعود رضـی اللّٰہ تعالیٰ عنه آذنته بهم شجرة وكانوا يهوداً وجاء عن عكرمة انهم كانوا اثنی عشر الفاً ای فی واقعة اخری....

وفيه ايضاً (۱/۷۰): واعلم ان العلماء اتفقوا ان كانو هـم يـعـذب فـی الاخرة وعن ابی حنيفة وابی الزناد وليث بن ابـی سـلـيـم ان مـؤمـنـهـم لا ثـواب لهـم الاالنجاة من النار لهم كـونـوا تـرابـاً مثـل البهائم والصحيح الذی قاله ابن ابی ليلی والاوزاعـی والشـافـعـی واحـمد واصحابهم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم انهم يثابون علی طاعاتهم ونقل عن ابی حنيفة واصحابه رضـی اللّٰہ تعالیٰ عنه انهم يدخلون الجنة ونقله ابن الحزم عن الجمهور واستدلوا يقوله تعالیٰ ولكل درجات مما عملوا فانه ذكر فی الجن والانس. فقط(نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۵۱)



حضور ﷺ افضل ہیں یا مسجد افضل ہے؟

﴿سوال﴾:
نبی کریم ﷺ کا مرتبہ اور فضلیت زیادہ ہے یا مسجد شریف کی فضلیت اور مرتبہ زیادہ ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:
حضور ﷺ کو مسجد پر فضلیت حاصل ہے قرآن کریم میں ہے:"ولقد کرمنا بنی آدم"(۵۷)اور احادیث سے بھی یہ ہی مستفاد ہوتا (۵۸)ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی دارالعلوم وقف دیوبند، ج:۱،ص:۲۱٦، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



(۵۷):(سورۃ الاسراء: ۷۰)

(۵۸): عن أبی هريرةؓ، قال: قال رسول اللهﷺ: المؤمن أكرم على الله من بعض ملائكته. وفی المرقات تحت هذا الحديث: قال محيی السنة [رحمه الله] فی تفسير قوله تعالى: ﴿ولقد كرمنا بنی آدم﴾ [الاسراء: ۷۰]. الأولى أن يقال: عوام المؤمنين أفضل من عوام الملائكته، وخواص المؤمنين أفضل من خواص الملائكته. قال تعالى: ﴿ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات أولئک هم خير البرية﴾ [البينة: ۷]. ويستدل به أهل السنة فی تفضيل الأنبياء على الملائكة. اهـ. ولايخفى أن المراد بخواص المؤمنين الرسل والأنبياء، وبخواص الملائكة نحو جبريل وميكائيل واسرافيل، وبعوام المؤمنين الكمل من الأولياء كالخلفاء وسائر العلماء، وبعوام الملائكة سائرهم. وهذا التفصيل أولى من اجمال بعضهم. وفی قوله: ان البشر أفضل من الملک. بمعنى: ان هذا الجنس لما وجد فيهم الكمل من الرسل أو الأكمل، أفضل من هذا الجنس لعدم وجودهم فيهم فتأمل. (رواه ابن ماجه) قلت: وحديث: المؤمن أعظم حرمة من الكعبة، فی ابن ماجة بسند عن ابن عمرؓ: ان

قرآن پاک افضل ہے یا آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام

﴿سوال﴾:

قرآن پاک افضل ہے یا حضور علیہ صلی اللہ علیہ وسلم؟

﴿الجواب﴾:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لہٰذا کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔مع ہذا ضروریاتِ دین میں سے بھی نہیں۔اس لئے فقہاء نے اس میں توقف کا حکم فرمایا ہے۔

النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ونظر الی الکعبة، لحرمة المؤمن أعظم عنداللّٰه حرمة منک. وهو بعض حدیث طویل. (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب أحوال القیامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذکر الأنبیاء، الفصل الثالث، ج: ۱۰، ص: ۴۱۲، ط، رقم: ۵۷۳۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی الجامع لاحکام القرآن: وقد أشار ابن عباسؓ الی هذا، فقال: ان اللّٰه فضل محمداً [صلی اللہ علیہ وسلم]علی الأنبیاء وعلی اهل السماء، فقالوا: بم یا ابن عباس فضله علی اهل السماء؟ فقال: ان اللّٰه تعالی قال: ﴿ومن یقل منهم انی اله من دونه فذٰلک نجزیه جهنم کذلک نجری الظالمین﴾ [الأنبیاء: ۲۹]. وقال لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم: ﴿انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفرلک اللّٰه ما تقدم من ذنبک وما تأخر﴾ [الفتح: ۱/ ۲]. وقالوا: فما فضله علی الأنبیاء؟ قال: قال اللّٰه تعالی: ﴿وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم﴾ [ابراهیم: ۴]، وقال اللّٰه عز وجل لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم: ﴿ومآ ارسلنک الا کافة للناس﴾ [سبأ: ۲۸]، فأرسل الی الجن والانس، ذکره أبو محمد الدارمی فی مسنده.وقال العلامة عبداللّٰه الترکی فی حاشیته: وأخرجه أیضاً الطبرانی فی الکبیر (۱۱۶۱۰)، وقال الهیثمی فی المجمع ۸/ ۲۵۵: رجاله رجال الصحیح غیر الحکم بن أبان، وهو ثقة. (الجامع لاحکام القرآن، سورة البقرة، الآیة: ۲۵۳، ج: ۴، ص: ۲۵۵، ۲۵۶، ط، مؤسسة الرسالة)

وعنه عليه السلام القرآن احب الى الله تعالىٰ من السمٰوٰت السبع والارض ومن فيهن (درمختار) قوله ومن فيهن ظاهره يعم النبى عليه السلام والمسئلة ذات خلاف والاحوط الوقف(شامى ج ا ص ٦٥) (٥٩)فقط والله اعلم. (خير الفتاوى، ج: ١، ص: ٣٢٨، ط، مكتبه امداديه ملتان/كفاية المفتى، ج: ١، ص: ١٢٥، ط، دار الاشاعت كراچى)



کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام قاسم رزق اللہ بھی تھا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک نام مبارک قاسم رزق اللہ ہے کیا یہ صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قاسم ہیں، جواب سے مستفیض فرمائیں نوازش ہوگی۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ۱۹۹ اسماء مبارکہ ہیں وہیں ایک نام مبارک قاسم بھی ہے، اور بخاری شریف میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رزق اللہ میں تقسیم کرتا ہوں۔

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: انما أنا قاسم وخازن والله يعطى. [بخارى شريف، كتاب الجهاد، باب

(٥٩): (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، قبيل باب المياة، ج: ١، ص: ٣٢٢، ط، دار عالم الكتب رياض)

قول اللّٰہ تعالیٰ: فان للّٰہ خمسہ وللرسول۔ الانفال: ٤، ج ١/ ٤٣٩، رقم: ٣١١٤]

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین وانما أنا قاسم واللّٰہ یعطی. [بخاری شریف، کتاب العلم، باب من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین۔ النسخۃ الھندیۃ ١/ ١٦، رقم: ٧٠]

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: انما أنا خازن فمن أعطیتہ عن طیب نفس فیبارک لہ فیہ. [مسلم شریف، کتاب الزکوٰۃ، باب النھی عن المسألۃ، النسخۃ الھندیۃ ١/ ٣٣٣، بیت الافکار، رقم: ١٠٣٧]

وفی روایۃ انما بعثت قاسماً أقسم بینکم. [مسلم شریف، کتاب الآداب، باب النھی عن التکنی بأبی القاسم الخ، النسخۃ الھندیۃ ٢/ ٢٠٦، بیت الافکار، رقم: ٢١٣٣، مسند البزار، مکتبہ العلوم والحکم ١٤/ ١٧٤، رقم: ٧٧١٧] فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیہ، ج: ٢، ص: ٣٤٣، ٣٤٤، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الھند)



’’رحمۃ اللّٰہ للعالمین‘‘ حضور ﷺ کی صفت خاصہ ہے

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لفظ ’’رحمۃ اللّٰہ للعالمین‘‘ رسول کریم ﷺ کی صفت خاصہ ہے، حضور ﷺ کے علاوہ دیگر

بزرگوں کو رحمۃ للعالمین کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

قرآن پاک میں خاص طور پر نبی اکرم علیہ السلام کے لئے ''رحمۃ للعالمین'' کا لقب استعمال ہوا ہے، اس لئے اس کے سب سے اعلیٰ مصداق رسول اللہ ﷺ ہی ہیں، لہٰذا کسی دوسرے نبی یا بزرگ کے لئے بلا تاویل ''رحمۃ اللہ للعالمین'' کے الفاظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ﴾[الانبیاء: ۱۰۷]

قال سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال: کان محمد ﷺ رحمة لجمیع الناس فمن آمن به وصدّق به سعد، ومن لم یؤمن به سلم مما لحق الأمم من الخسف والغرق. وقال ابن زید: أراد بالعالمین المؤمنین خاصة. (الجامع لأحکام القرآن الکریم للقرطبی ۲۵۵/٦) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم(کتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۲۷٦، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الھند/فتاوی رشیدیہ، ص: ۲٤٤، ط، دار الاشاعت کراچی/ فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۲۱۹، ط، حجة الاسلام اکیڈمی)



رحمۃ للعالمین اور بددعا

﴿سوال﴾:

روزنامہ ''جنگ'' کے اسلامی صفحے پر ایک مضمون نگار لکھتے ہیں کہ: ''بئر معونہ میں دھوکے سے شہید کئے جانے والے ۷۰ معلم تمام اصحاب صفہ تھے، ان کی جدائی کا

حضور ﷺ کو اس درجہ صدمہ ہوا کہ آپ متواتر ایک مہینے تک نماز فجر میں ان کے قاتلوں کے حق میں بددعا فرماتے رہے"۔

یہ تو وہ الفاظ ہیں جنھیں میں نے لفظ بہ لفظ آپ کے اخبار سے اتار دیا ہے۔ آپ کے اور ہم سب کے علم میں یہ بات تو ہے کہ حضور ﷺ جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیّین اور رحمۃ للعالمین جیسے القاب سے قرآن کریم میں مخاطب کیا ہے، وہ کبھی کسی کے حق میں بددعا کے لئے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں؟ کیا یہ بات کوئی ذی شعور باور کر سکتا ہے؟

میں سعودیہ گرلز کالج کی بی اے کی طالبہ ہوں، میری نظروں سے بھی مختلف اسلامی کتابیں گزری ہیں، میرا ذہن اس بات کو قبول نہیں کر سکتا، اور جو بات غلط ہو، اسے کسی کا ذہن قبول کر ہی نہیں سکتا کہ آنحضرت کبھی کس کے حق میں بددعا فرمائیں؟ آپ کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا سلوک نہ کیا، آپ جس راستے سے گزرتے لوگ آپ پر غلاظت پھینکتے اور آپ کو طائف کی گلیوں میں گھسیٹتے، ایک دفعہ تو لوگوں نے یہاں تک کیا کہ آپ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ لہولہان ہوگئے اور آپ کے پاؤں مبارک جوتوں میں خون کے بھر جانے سے چپک گئے۔ جب بھی آپ نے بدبختوں کے حق میں بددعا نہ کی، بلکہ جب بھی لوگ آپ کو تکلیف پہنچاتے، آپ فرماتے: "اے اللہ انہیں نیک راہ دکھا اور بتا کہ میں کون ہوں۔"

ایک طرف تو شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ۷۰ معلموں کو دھوکے سے شہید کیا گیا اور آگے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان قاتلوں کے حق میں بددعا فرمائی۔ کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ جو لوگ شہید ہوتے ہیں وہ کبھی مرتے نہیں بلکہ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں، تو جن کو شہادت کا درجہ ملا ہو ان کے قاتل تو خود بخود دوزخ کی آگ میں پھینکے جائیں گے، ان کے لئے بددعا کی کیا ضروری؟ اور وہ بھی رحمۃ للعالمین نے فجر کی نماز میں ایک مہینے تک کی۔ کیا شاہ صاحب نے (نعوذ باللہ) حضور کو نماز فجر کے بعد مسلسل ایک مہینے تک بددعا کرتے دیکھا، یا کسی کتاب سے پڑھا؟ کون سی حدیث ان کی نظروں سے گزری؟ ذرا حوالہ تو دیں کہ میں خود بھی پڑھوں، میرا بھی مضمون اسلامیات ہے، میں نے کبھی ایسا نہیں پڑھا۔

﴿جواب﴾:

بئر معونہ میں ستر قراء کی شہادت کا واقعہ حدیث وتاریخ اور سیرت کی تمام کتابوں میں موجود ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مہینے تک فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا اور ان کافروں پر جنھوں نے ان حضرات کو دھوکے سے شہید کیا تھا، بددعا کرنا صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابواؤد، نسائی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہے (۶۰)۔ اس لئے آپ کا انکار کرنا غلط ہے۔ رہا آپ کا یہ شبہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعالمین تھے، آپ کیسے بددعا کر سکتے تھے؟ آپ کا خیال بھی سطحی قیاس کی پیداوار ہے، کیا موذیوں کو قتل کرنا، ان کو سزا دینا اور ان کو سرزنش کرنا رحمت نہیں؟ کیا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے رحیم وشفق قلب مبارک کو ان مظلوم شہداء کی مظلومانہ شہادت پر صدمہ نہیں پہنچا ہوگا؟ آپ ماشاء اللہ بی اے کی طالبہ ہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ چوروں، ڈاکوؤں، غنڈوں اور بدمعاشوں پر سختی کرنا عین رحمت ہے، اور ان پر ترس کھانا خلاف رحمت ہے، شیخ سعدیؒ کے بقول:

نیکوئی باہداں کردن چناں است
کہ بدکردن بجائے نیک مرداں

اور آپ کا یہ کہنا بھی عجیب ہے کہ شہداء کے قاتل خود ہی دوزخ میں جائیں گے، ان

---

(۶۰): عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنه: أن رعلاً وذکوان وعصیة وبنی لحیان استمدوا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عدو فامدھم بسبعین من الأنصار کنا نسمیھم القراء فی زمانھم، کانوا یحتطبون بالنھار، ویصلون باللیل، حتی کانوا ببئر معونة قتلوھم وغدروا بھم. فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذلک فقنت شھرا یدعو فی الصبح علی أحیاء من أحیاء العرب، علی رعل وذکوان وعصیة وبنی لحیان. قال أنس: فقرأنا فیھم قرآنا ثم ان ذلک رفع: بلغوا عنا قومنا أنا قد لقینا ربنا فرضی عنا وأرضانا. (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع، ورعل، وذکوان الخ، ص: ۸۴۲، رقم: ۴۰۹۰، ط، دار السلام ریاض)

کے لئے بددعا کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ قاتل کے خلاف کسی عدالت میں استغاثہ نہ کیا جائے، کیونکہ وہ بقول آپ کے خود ہی کیفرِ کردار کو پہنچے گا اور اگر آپ کے نزدیک کسی قاتل کے خلاف عدالت میں استغاثہ جائز اور یہ خلاف رحمت نہیں، تو آپ آنحضرت ﷺ اگر بارگاہ الٰہی میں ان قاتلوں کے خلاف استغاثہ فرماتے ہیں تو یہ آپ کو کیوں غلط نظر آتا ہے؟ شہید بلاشبہ جنت میں زندہ ہیں اور مراتب عالیہ پر فائز ہیں، مگر اس کے یہ معنی تو نہیں کہ کسی شہید کی مظلومانہ شہادت پر ہمیں رنج وصدمہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ اس واقعے کا تو آپ اپنی ناواقفی کی وجہ سے انکار کررہی ہیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے گا کہ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی بددعائیں نقل کی گئی ہیں (۶۱)۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام سراپا رحمت ہوتے ہیں، اس کے باوجود کافروں، بے ایمانوں اور موذیوں کے خلاف بارگاہ الٰہی میں استغاثہ کرتے ہیں۔ آپ نے طائف کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پتھر برسائے گئے مگر آپ ﷺ نے بددعا نہ فرمائی (۶۲)۔ آپ نے شاید حضرت ام

---

(۶۱): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: قال نوح رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا. (نوح: ۲۶)

وقال تعالیٰ: ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلایومنوا حتی یروا العذاب الالیم. (سورۃ یونس: ۸۸)

(۶۲): فی البدایۃ: قال ابن اسحاق: فلما ھلک أبو طالب نالت قریش من رسول اللہ ﷺ من الاذی مالم تکن نالتہ منہ فی حیاۃ عمہ أبی طالب، فخرج رسول اللہ ﷺ الی الطائف تلتمس من ثقیف النصرۃ والمنعۃ بھم من قومہ ورجا أن یقبلوا منہ ماجاء ھم بہ من اللہ تعالیٰ، فخرج الیھم وحدہ. فحدثنی یزید بن أبی زیاد عن محمد بن کعب القرظی. قال: انتھی رسول اللہ ﷺ الی الطائف وعمد الی نفر من ثقیف ھم سادۃ ثقیف وأشرافھم وھم أخوۃ ثلاثۃ، عبد یالیل، ومسعود، وحبیب بنو عمرو ابن عمیرو بن عوف بن عقدۃ بن غیرۃ بن عوف بن ثقیف. وعند أحدھم امرأۃ

المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پڑھی ہوگی کہ: ''آنحضرت ﷺ نے کبھی اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا، لیکن جب حدود اللہ کو توڑا جاتا تو آپ ﷺ کے غصے کی کوئی تاب نہ

من قريش من بنى جمع، فجلس اليهم فدعاهم الى الله وكلمهم لما جاء هم له من نصرته على الاسلام والقيام معه على من خالفه من قومه، فقال: أحدهم: هو يمرط ثياب الكعبة ان كان الله أرسلك. وقال الآخر: أما وجد الله أحداً أرسله غيرك؟ وقال الثالث والله لا أكلمك أبداً لئن كنت رسولا من الله ما ينبغى لى أن أكلمك فقام رسول الله ﷺ من عندهم وقد يئس من خير ثقيف، وقد قال لهم۔ فيما ذكر لى ۔ ان فعلتم ما فعلتم فاكتموا على وكره رسول الله ﷺ أن يبلغ قومه عنه فيذئرهم ذلك عليه. فلم يفعلوا وأغروا به سفهاء هم وعبيدهم يسبونه ويصيحون به حتى اجتمع عليه الناس وألجؤه الى حائط لعتبة ابن ربيعة وشيبة بن ربيعة وهما فيه، ورجع عنه من سفهاء ثقيف من كان يتبعه. فعمد الى ظل حبلة من عنب فجلس فيه وابنا ربيعة ينظران اليه ويريان ما يلقى من سفهاء أهل الطائف، وقد لقى رسول الله ﷺ ۔ فيما ذكر لى ۔ المرأة التى من بنى جمح، فقال لها ماذا لقينا من أحمائك. فلما اطمأن قال ۔ فيما ذكر ۔ اللهم اليك أشكو ضعف قوتى وهو انى على الناس ايا أرحم الراحمين، أنت رب المستضعفين، وأنت ربى الى من تكلمنى، الى بعيد يتجهمنى أم الى عدو ملكته أمرى. ان لم يكن بك غضب على فلا أبالى ولكن عنافيتك هى أوسع لى، أعوذ بنور وجهك الذى أشرقت له الظلمات، وصلح عليه أمر الدنيا والآخرة من أن تنزل بى غضبك أو تحل على سخطك ثك العتبى حتى ترضى لاحول ولاقوة الا بك. قال فلما رآه ابنا ربيعة عتبة وشيبة وما لقى تحركت ما رحمهما فدعوا غلاما لهما نصرانياً يقال له عداس وقالا له خذ قطفا من هذا العنب فضعه فى هذا الطبق ثم اذهب به الى ذلك الرجل فقل له يأكل منه. ففعل عداس ثم ذهب به حتى وضعه بين يدى رسول الله ﷺ ثم قال له كل، فلما وضع رسول الله ﷺ يده فيه قال: بسم الله ثم أكل، ثم نظر عداس فى وجهه ثم قال: والله ان هذا الكلام ما يقوله أهل البلاد. فقال له رسول الله ﷺ ومن أهل أى بلاد أنت يا

لاسکتا'' (۶۳)۔ طائف کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی ذات سے متعلق تھا، وہاں صبر کی مجسم تصویر بنے رہے اور بئر معونہ کا واقعہ حدود اللہ کو توڑنے، عہد شکنی کرنے اور مسلمانوں کو ظلماً شہید کرنے کا واقعہ تھا، اس پر آنحضرت ﷺ کی بے چینی و بے قراری اور حق تعالیٰ شانہ، سے والہانہ استغاثہ وفریاد طلبی اپنی ذات کے لئے نہیں تھی کہ آپ اس کے لئے طائف کی

عداس وما دینک؟ قال نصرانی وأنا رجل من أهل نینوی. فقال رسول اللهﷺ من قریة الرجل الصالح یونس بن متی. فقال له عداس وما یدربک ما یونس بن متی؟ فقال رسول اللهﷺ ذلک اخی کان نبیا وأنا نبی. فاکب عداس علی رسول اللهﷺ یقبل رأسه ویدیه وقدمیه. قال یقول أبناء ربعیة احدهما لصاحبه اما غلامک فقد افسده علیک. فلما جاء عداس قالا له ویلک یاعداس مالک تقبل رأس هذا الرجل ویدیه و قدمیه؟ قال یاسیدی ما فی الارض شیء خیر من هذا لقد اخبرنبی بأمر مایعلمه الا نبی. قالا له: ویحک یاعداس لایصرفنک عن دینک فان دینک خیر من دینه. (البدایة و النهایة، فصل فی ذهابهﷺ الی أهل الطائف یدعوهم الی دین الله، ج: ۳، ص: ۱۳۵، ط، مکتبة المعارف بیروت لبنان)

(۶۳):عن عائشةؓ قالت: ما ضرب رسول اللهﷺ لنفسه شیئاً قط بیده، ولا امراة ولاخادما، الا أن یجاهد فی سبیل الله، وما نیل منه شیء قط، فینتقم من صاحبه، الا أن ینتهک شیء من محارم الله فینتقم لله. وفی المرقات تحت هذا الحدیث: وروی الترمذی الفصل الأول بلفظ: ماضرب رسول اللهﷺ بیده شیئاً قط الا أن یجاهد فی سبیل الله ولاضرب خادماً ولاامرأة. والفصل الثانی بلفظ: ما رأیت رسول اللهﷺ منتصراً من مظلمة ظلمها قط ما لم ینتهک من محارم الله تعالی شیء، فاذا انتهک من محارم الله تعالی شیء کان من أشدهم فی ذلک غضباً. (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل و الشمائل، باب فی أخلاقه و شمائلهﷺ، الفصل الأول، ج: ۱۰، ص: ۴۸۸، رقم: ۵۸۱۷، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

مثال پیش کریں۔ جہاں جو کچھ تھا وہ دینی غیرت اور ان مظلوموں پر شفقت کا اظہار تھا۔

الغرض بئر معونہ کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور ایسے موذیوں کے لئے بددعا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمۃ للعالمین کے خلاف نہیں، بلکہ اپنے رنگ میں یہ بھی رحمت وشفقت کا مظہر ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱، ص: ۱۹۳ تا ۱۹۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



شفاعت اور افضلیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

﴿سوال﴾:

۱......عمرو بکر مثلاً جن کے عقائد مذکور درج کئے جاتے ہیں اور بکر کی حد سے زیادہ تعدی معلوم ہے، بکر کے عقیدہ کا خیال کرتے ہوئے اس کے ساتھ برتاؤ دینی اور دنیاوی جائز ہے یا نہیں اور جماعت میں شامل ہوجائے تو نکال دینے کا حکم ہے یا نہیں اور جماعت میں بھی کچھ نقصان لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے آدمی کو باقی دوسرے امام کے ہوتے ہوئے امام بننا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے ایمان میں خلل آتا ہے یا نہیں اور ایسا ایمان ہونے میں نکاح وغیرہ میں بھی کچھ نقص ہے یا نہیں؟ حد کا حکم ہے یا نہیں؟ سو یہ کہ عمر اور بکر آپس میں جھگڑا کرتے ہیں عمر کہتا ہے کہ شفاعت رسول کریم برحق ہے اور بکر کہتا ہے کہ برحق نہیں ہے۔

۲......عمر کہتا ہے کہ مقام المحمود شفاعت کا مقام ہے اور بخاری شریف میں بھی موجود ہے اور بکر کہتا ہے کہ شفاعت خاص کر رسول کریم کے واسطے معین نہیں ہے۔

۳......اور عمر کہتا ہے کہ یارسول اللہ کہنا جائز ہے اور بکر یہ کہتا ہے کہ ہرگز جائز نہیں۔

۴......عمر کہتا ہے رسول کریم سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور بکر کہتا ہے کہ سب برابر ہیں، سب پیغمبروں سے افضل نہیں؟ صفحہ کتاب لکھ کر جواب تحریر فرماویں۔ حوالے جتنے زیادہ ہوں بہتر ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھ کر اعادہ واجب ہے یا نہیں اور اس کے

جنازہ کا کیا کیا جاوے؟ ان مسائل کی بابت زیادہ تنازع ہو رہا ہے اس لئے جواب پوری تکمیل سے تحریر فرماویں، تاکہ فریقین کو تسلی ہو جائے۔فقط

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

۱......شفاعت کے متعلق عمر کا قول حق ہے، بکر کا قول غلط ہے: ''والشفاعة ثابتة للرسل والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار خلافاً للمعتزلة اه''. شرح عقائد نسفی، ص: ۸۷(۶۴).

---

(۶۴):(شرح العقائد النسفية، بحث الشفاعة لمن؟، ص: ۲۷۸، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشي)

وفي بيان السنة والجماعة: ونقول الشفاعة العظمى لرسول اللهﷺ يوم القيامة في كافة الخلق لاراحتهم من الموقف، وهي التي ادخرها الله لهم بسؤالهﷺ ذلك من ربه كما روى ذلك في صحيح الأخبار ففي الجامع الصغير رامزاً للطبراني عن ابن مسعود رضي الله عنه: ان لكل نبي دعوة واني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي يوم القيامة. قال ابن قاضي عجلون في شرح الشيبانية: ان مما خص الله تعالىٰ به نبينا محمداًﷺ الشفاعة في الحشر، ما روى في الصحيحين من طريق: وأنا أول شافع وأول مشفع. وهذه الشفاعة لأهل الجمع في تعجيل الحساب والاراحة من طول الوقوف والغم، وهي الشفاعة العظمى في فصل القضاء يوم القيامة وهي مختصة بنبينا محمدﷺ ولم ينكرها أحد وهي المقام المحمود في قوله تعالى: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا﴾ [الاسراء: ۷۹] وهي المقام الذي يحمده فيه الأولون والآخرون، وقد ورد في الحديث الصحيح الأمر بأن ندعو بذلك عقيب الآذان والحكمة في سؤال ذلكﷺ مع كونه واجب الوقوع بوعد الله تعالى باظهار شرفهﷺ وعظيم منزلته وفي شرح الجزائرية للسنوسي رحمه الله: لاشك أن مما يجب الايمان به لتواتره ووقوع الاجماع عليه ثبوت الشفاعة لسيدنا محمدﷺ في اراحة الناس من الموقف واختصاصها بهﷺ أمر مستفيض

٢......اس میں بھی عمر کا قول حق ہے۔

’’قال أكثر أهل التاويل: ذلک (أى المقام المحمود) هو المقام الذى يقومه محمد ﷺ يوم القيامة

مشهور فى الصحاح.

وفى شرح الجوهرة للمصنف وله ﷺ شفاعات ذكر القاضى والنووى منها خمساً:

أحدها: وهى أعظمها وأعمها شفاعته عليه الصلاة والسلام بعد أن يكلم الناس الأنبياء حين يعاينون من شدائد الموقف وأهواله، وطول القيام فيه لرب العالمين وزيادة القلق وتصاعد العرق مايذهب الأكباد وينسى الأولاد مدة ثلاثة آلاف سنة فيترادونها من آدم الى عيسٰى، فى خمسة آلاف سنة أيضاً، اذ بين كل سؤال نبى وآخر ألف سنة، كما قال ابن حجر والقرطبى وغيرهما، فاذا انتهوا اليه ﷺ قال: أنا لها أنا لها، أمتى أمتى. وكل من قبله لايقول: الا نفسى، اذهبوا الى غيرى. وهذه مختصة به ﷺ وتسمى الشفاعة العظمى، وهذه مجمع عليها لم ينكرها أحد ممن يقول بالحشر، اذ هى للاراحة من طول الوقوف حين يتمنون الانصراف من موقفهم، ولو الى النار.

وثانيها: فى ادخال قوم الجنة بغير حساب، وهذه أيضاً خاصة به على ماقاله القاضى والنووى، وتردد ابن دقيق العيد فى الاختصاص وتبعه ابن حجرؒ قائلاً: لادليل عليه وقد ذكر حدثيها مسلم.

وثالثها: فى قوم استوجبوا النار. فيشفع لهم فلايدخلونها، وهذه جزم القاضى وابن السبكى اختصاصها به، وتردد النووى.

ورابعها: فيمن دخل النار من المؤمنين المذنبين. وهذه وقع اطباق القوم على عدم اختصاصها به.

وخامسها: الشفاعة فى رفع الدرجات فى الجنة وهذه لاينكرها أيضاً المعتزلة كالأولى الى أن قال: وقد بقيت شفاعات أخر وردت بها آثار لاتخلو عن

للشفاعة للناس ليريحهم ربهم من عظيم نافيه من شدة ذلك اليوم" ۔تفسیرابن کثیر:۳/۵۵(۶۵)۔

" وشفاعة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام: أى عموماً فى المقصود، وشفاعة نبيناﷺ خصوصاً فى المقام المحمود واللواء الممدود والحوض المورود للمؤمنين المذنبين: أى من أهل الصغائر المستحقين للعقاب ولأهل الكبائر منهم حق، فقد ورد: "شفاعتى لاهل الكبائر من أمتى". رواه أحمد وأبوداؤد والترمذى وابن حبان والحاكم عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه، والترمذى وابن ماجه وابن حبان والحاكم عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه، والطبرانى عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، والخطيب عن ابن عمرو كعب بن عجره رضى الله تعالىٰ عنهم، فهو حديث مشهور فى المبنى بل الأحاديث فى باب الشفاعة متواترة المعنى اه". شرح فقه اكبر، ص: ۱۱۴ (۶۶).

مقال. (شرح العقائد الطحاوية المسماة: بيان السنة والجماعة، ۷۸ تا ۸۰، ط، دار الفكر المعاصر بيروت لبنان)

(وكذا فى شرح الفقه الأكبر، بحث فى أن الشفاعة من الانبياء والصالحين حق، ص: ۸۳، ۸۴، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

(۶۵):(تفسير ابن كثير، سورة الاسراء، الآية: ۷۹، ج: ۵، ص: ۱۰۳، ط، دار طيبة)

(۶۶):(شرح الفقه الأكبر، بحث فى أن الشفاعة من الانبياء والصالحين حق، ص: ۸۳، ۸۴، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

"قال ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما: هذا المقام المحمود مقام الشفاعة، وفی حدیث طویل: " وانی لأقوم المقام المحمود، قال: ذاک اذا جیء بکم حفاة عراة": أی قوله: " فأقوم عن یمینه مقاماً لایقومه أحد، فیغبطنی فیه الأولون والآخرون". وفی حدیث آخر: " ثم یقوم نبیکم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم رابعاً فیشفع لا یشفع أحد بعده أکثر مما شفع". وهو المقام المحمود الذی قال اللّٰہ عزوجل: ﴿عسی أن یبعثک ربک مقاماً محموداً﴾ والی غیر ذلک من الأحادیث الکثیرة اه". فتح الباری شرح البخاری، کتاب التفسیر وکتاب الرقاق میں زیادہ تفصیل ہے (٦٧)۔

۳...... "یا رسول اللہ" اس خیال اور عقیدہ سے کہنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ پاک کی طرح حاضر وناظر ہیں اور ہر جگہ سے اس آواز کو خود سنتے ہیں ناجائز بلکہ شرک ہے۔ اور اس عقیدہ سے کہنا کہ ملائکہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ میری اس آواز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دیتے ہیں جائز ہے، عوام چونکہ اس عقیدہ کو نہ جانتے ہیں نہ سمجھتے ہیں، بلکہ وہ پہلا ہی عقیدہ رکھتے ہیں، اس لئے ان کو منع کیا جاتا ہے، کسی صحیح عقیدہ والے کو بھی عوام کے سامنے اس طرح پکارنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

۴......اس مسئلہ میں بھی عمر کا عقیدہ صحیح اور اہل حق کے موافق ہے:" أفضل الأنبیاء محمد صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم." شرح عقائد نسفی، ص:۱۰۲ (٦٨)۔

---

(٦٧): (فتح الباری، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله تعالی: ﴿عسیٰ أن یبعثك ربك مقاما محموداً﴾، ج: ٨، ص: ٢٥٩/ فتح الباری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، ج: ١١، ص: ٤٣٤ تا ٤٣٧)

(٦٨): (شرح العقائد النسفیة، بحث نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم أفضل الأنبیاء، ص: ٣٢٩،

جس شخص کے ایسے غلط اور خراب عقائد ہوں وہ ضال ومضل ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں، تاہم اگر اسکے پیچھے کوئی نماز پڑھی ہے تو فریضہ ساقط ہوگیا اور نماز جنازہ بھی ایسے شخص

ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

وفی الجامع لاحکام القرآن: وقد أشار ابن عباسؓ الی هذا، فقال: ان اللّٰه فضل محمداً [صلی اللّٰہ علیہ وسلم]علی الأنبیاء وعلی اهل السماء، فقالوا: بم یا ابن عباس فضله علی اهل السماء؟ فقال: ان اللّٰه تعالی قال: ﴿ومن یقل منهم انی اله من دونه فذٰلک نجزیه جهنم کذلک نجری الظالمین﴾ [الأنبیاء: ۲۹]. وقال لمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ﴿انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفرلک اللّٰه ما تقدم من ذنبک وما تأخر﴾ [الفتح: ۱/۲]. وقالوا: فما فضله علی الأنبیاء؟ قال: قال اللّٰه تعالی: ﴿وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم﴾ [ابراهیم: ۴]، وقال اللّٰه عز وجل لمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ﴿ومآ ارسلنک الا کافة للناس﴾ [سبأ: ۲۸]، فأرسل الی الجن والانس، ذکره أبو محمد الدارمی فی مسنده.وقال العلامة عبداللّٰه الترکی فی حاشیته: وأخرجه أیضاً الطبرانی فی الکبیر (۱۱۶۱۰)، وقال الهیثمی فی المجمع ۸/ ۲۵۵: رجاله رجال الصحیح غیر الحکم بن أبان، وهو ثقة. (الجامع لاحکام القرآن، سورة البقرة، الآیة: ۲۵۳، ج: ٤، ص: ۲۵۵، ۲۵٦، ط، مؤسسة الرسالة)

وفی الکوکب الأزهر: أن أفضل المخلوقات فی الدنیا والآخرة هو سیدنا محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم الذی جمع کل خلال الخیر ونعوت الکمال، وبعثته صلی اللّٰہ علیہ وسلم عامة الجمیع المکلفین، وأفضلیته صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی جمیع المخلوقات مما أجمع علیه المسلمون لقوله صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "أنا أکرم الأولین والآخرین علی اللّٰه ولا فخر". (الکوکب الأزهر شرح الفقه الاکبر، ص: ۱۲۲)

(وکذا فی النبراس شرح شرح العقائد، وافضل الانبیاء محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم، ص: ۲۸٦)

(وکذا فی النکت والفوائد علی شرح العقائد، افضل الانبیاء سیدنا محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم، ص: ۵۷۹، ط، المکتبة العصریة بیروت لبنان)

پر پڑھی جائے گی: " ویصلی علی کل فاجر اہ" شرح عقائد نسفی، ص:۱۱۵(۶۹)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۴۰۱ تا ۴۰۴)



(٦٩):في شرح العقائد: ويصلي على كل بر وفاجر، اذا مات على الايمان، للاجماع ولقوله ﷺ: لاتدعوا الصلاة على من مات من أهل القبلة. (شرح العقائد النسفية، الكلام في العقائد المتفرقه، ص: ٣٦٩، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشي)

وفي الهداية: ويكره تقديم العبد....والفاسق لأنه لايهتم لأمر دينه، والأعمى لأنه لايتوقى النجاسة، وولد الزنا لأنه ليس له أب يثقفه فيغلب عليه الجهل، ولأن في تقديم هؤلاء تنفير الجماعة، فيكره وان تقدموا جاز، لقوله عليه الصلاة والسلام: صلوا خلف كل بر وفاجر.

وفي البناية تحته: (والفاسق لأنه لايهتم لأمر دينه) ش: فيردد فيه الناس، وفيه تقليل الجماعة، وقال مالكؒ: لاتجوز امامة الفاسق بلاتأويل كالزاني وشارب الخمر، أما الفاسق بالتأويل كمن يسب السلف الصالح، فعنه فيه روايتان، وعن أحمد: فيه روايتان في جواز الاقتداء به مطلقاً أصحهما المنع، وقلنا نحن والشافعي بجواز امامته لقوله۔عليه الصلاة والسلام۔: صلوا خلف كل بر وفاجر. لأن ابن عمر وأنسا وغيرهما من الصحابة رضي اللّٰه عنهم والتابعين صلوا خلف الحجاج الجمعة وغيرها مع أنه أفسق أهل زمانه.

وروى أن الحجاج كان يخطب يوم الجمعة، فأطال الجمعة حتى كاد يدخل وقت العصر فقام ابن عمر رضي اللّٰه عنهما وقال: أقصر يامكار هداك اللّٰه، فلما فرغ الحجاج دعى ابن عمرؓ ليقتله وقال: أما تخشى أن اللّٰه يسلطني على مالك ودمك فأهريقه، أو على نفسك فأخترمها، فقال ابن عمرؓ: أما يكفيني أني صليت خلف رسول اللّٰه ﷺ وخلف أبي بكر وعمر و علي رضي اللّٰه عنهم والآن أصلي خلفك، وأنت من أفسق الناس.

وأما وجه الكراهية فلما قلنا، ولهذا قال أصحابنا: لاينبغي أن يقتدى بالفاسق

شفاعت کبریٰ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص ہے

﴿سوال﴾:

شفاعت محض آنحضرت ﷺ تک مسدود ہے یا کیا؟

﴿الجواب﴾:

شفاعت کبریٰ مخصوص ہے آنحضرت ﷺ کے ساتھ (۷۰) اور بعد میں جملہ انبیاء و صلحاء شفاعت کریں گے، جیسا کہ احادیث میں مفصلا مذکور ہے (۷۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی دار العلوم دیو بند، ج: ۱۸، ص: ۲۳۳، ۲۳۴، ط، مکتبہ دار العلوم دیو بند)



الا فی الجمعة لأن فی سائر الصلوات یجد اماماً غیره بخلاف الجمعة، وکان ابن مسعود رضی اللّٰه عنه یصلی خلف الولید بن عقبة فی صلاة الجمعة وسائر الصلوات، وکان الولید والیاً بالکوفة وکان فاسقاً حتی صلی بالناس یوماً وهو سکران، کذا فی شرح الارشاد. وفی المحیط: لو صلی خلف فاسق أو مبتدع یکون محرزاً ثواب الجماعة لقوله علیه الصلاة والسلام: صلوا خلف کل بر وفاجر. (البنایة شرح الهدایة، کتاب الصلاة، باب فی الامامة، ج: ۲، ص: ۳۳۲تا ۳۳٤، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۷۰): فی الموسوعة الفقهیة: قال العلماء: الشفاعة فی الآخرة خمسة أقسام: أولها: مختصة بنبینا ﷺ، وهی: الاراحة من هول الموقف، وتعجیل الحساب، وهی الشفاعة العظمی. (الموسوعة الفقهیة، ج: ٢٦، ص: ١٣٢)

(۷۱): وعن عثمان بن عفان رضی اللّٰه عنه، قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: یشفع یوم القیامة ثلاثة: الأنبیاء، ثم العلماء، ثم الشهداء. (مشکاة المصابیحکتاب أحوال القیامة وبدء الخلق، باب الحوض والشفاعة، ص: ٤٩٥، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

وفی الصحیح لمسلم فی حدیث طویل عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰه

حضور ﷺ کو شفاعت کا حق

﴿سوال﴾:

اذان کے بعد کی دعاء کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے یہ دعاء پڑھی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی (۷۲) جب کہ قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو شفاعت کے لئے چنے گا وہی شفاعت کر سکے گا؟ (۷۳)۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ مطلع کر دیا تھا کہ ایسے مقامات پر شفاعت کا حق آپ کو ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرما دیا ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى﴾ (۷۴) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی دار العلوم

عنه: وكان أبو سعيد الخدريؓ يقول: ان لم تصدقوني بهذا الحديث فاقرأوا ان شئتم: ﴿ان الله لايظلم مثقال ذرة وان تك حسنة يضٰعفها ويؤت من لدنه أجرا عظيما﴾ [النساء: ۴۰] فيقول: الله تعالىٰ: شفعت الملائكة وشفع النبيون وشفع المؤمنون...الخ. (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب معرفة طريق الرؤية، ص: ۹۵، رقم: ٤٥٤، دار السلام رياض)

(۷۲):عن جابر بن عبدالله [رضى الله عنه] أن رسول اللهﷺ قال: من قال حين يسمع النداء: اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة، آت محمداً الوسيلة و الفضيلة، وابعثه مقاما محموداً الذى وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيامة. (صحيح البخارى، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ص: ١٢٥، رقم: ٦١٤، ط، دار السلام رياض)

(۷۳):قال الله تبارك وتعالىٰ: يعلم ما بين ايديهم وما خلفهم ولايشفعون الا لمن ارتضٰى وهم من خشيته مشفقون. (سورة الأنبياء: ٢٨)

(۷۴):(سورة النجم: ٣،٤)

وقف دیوبند، ج:۱،ص:۲۱۷،۲۱۸، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل کتاب اور مشرکین کے لیے شفاعت فرمائیں گے یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

آنحضرت ﷺ یہود، نصاریٰ اور مشرکین کے لیے میدان حشر میں سفارش فرمائیں گے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ و مشرکین کی شفاعت و سفارش نہ فرماویں گے (۷۵)۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۱۸،ص:۲۳۶، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



محمد ﷺ کا اولین و آخرین ہونے کا مطلب

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اولین و آخرین ہیں،، اور بعض کہتے ہیں کہ اولین نہیں ہے۔صرف آخرین

---

(۷۵):وعن أنس، أن النبی ﷺ قال: شفاعتی لأهل الكبائر من أمتی. وفی المرقات تحت هذا الحديث: أی شفاعتی فی العفو عن الكبائر من أمتی خاصة دون غيرهم من الأمم. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب الحوض والشفاعة، ج: ۱۰، ص: ۲۷۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

ہیں۔ توصیح مطلب کی وضاحت کی جائے، مہربانی ہوگی۔

﴿الجواب﴾:

پیغمبر ﷺ کی روح مبارک تمام ارواح سے اول پیدا کی گئی ہے۔ اور جسد اطہر تمام انبیاء کے بعد اور سب کے آخر میں پیدا کیا گیا ہے۔ یہ معنیٰ ہے اولین وآخرین کا (۷٦) نہ کہ لیس قبله شیء ولیس بعده شیء، جو کہ صفت خداوندی ہے۔ وھو الموفق.

(فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۴۵۴)



رسول اللہ ﷺ کی سات زمینوں کے لئے بعث

﴿سوال﴾:

کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ ''سات زمینوں کے لئے محمد ﷺ آئے ہیں اور کیا اس اثر کو کہیں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے؟ جب کہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ﴾ سے آپ ﷺ کے بارے میں عموم معلوم ہوتا ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

درمنثور وبیہقی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ کے اس اثر کو مکمل بیان کیا گیا ہے (۷۷)

---

(۷٦): عن أبی هریرةؓ قال قالوا یارسول اللہ متی وجبت لک النبوة وآدم بین الروح والجسد رواه الترمذی.

وعن العرباض بن ساریة عن رسول اللہ ﷺ انه قال انی عنداللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینته الخ. (مشکاة المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، الفصل الثانی، ص: ۵۱۳، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۷۷): فی الدرالمنثور: وأخرج ابن جریر، وابن أبی حاتم، والحاکم

اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' میں اس پر تفصیل کے ساتھ کلام فرمایا ہے جس کے مطالعہ کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی اعتراض باقی نہ رہے گا۔ (فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۱۹۸، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق اور نبوت سے متعلق چند سوالات

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں؟

کیا یہ عقائد قرآن وسنت سے ثابت ہیں؟

(الف) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے نبی ہیں؟

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے، بلکہ دنیا کی خلقت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا؟

(ج): آدم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کی۔

براہ کرم قرآن کریم اور حدیث کے حوالے لکھیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

(الف) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت عطا کیے جانے کے اعتبار سے سب سے مقدم ہیں اور

وصححه، والبيهقي في شعب الايمان وفي الأسماء والصفات، من طريق أبي الضحى، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ في قوله: ﴿ومن الأرض مثلهن﴾. قال: سبع أرضين، في كل أرض نبي كنبيكم، وآدم كآدم، ونوح كنوح، وابراهيم كابراهيم، وعيسى كعيسى. قال البيهقي: اسناده صحيح، ولكنه شاذ بمرة، لاأعلم لأبي الضحى عليه متابعاً.

(الدرالمنثور في التفسير بالمأثور، سورة الطلاق، الآية: ۱۲، ج: ۱٤، ص: ٥٦٥)

بعثت کے اعتبار سے سب سے مؤخر ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے:عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قالو: یارسول اللّٰه! متیٰ وجبت لک النبوّة؟ قال: "وآدم بین الرّوح والجسد" (۷۸) یعنی صحابۂ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی؟ تو اللہ کے رسول نے فرمایا: (مجھے نبوت اس وقت ملی) جب آدم جسم اور روح کے درمیان تھے۔ اس حدیث کی شرح میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے "العرف الشّذی" میں تحریر فرمایا:أی کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نبیا وجرت علیه أحکام النبوة من ذلک الحین، بخلاف الأنبیاء السابقین، فان الأحکام جرت علیهم بعد البعثة کما قال مولانا الجامی انه کان نبیا قبل النشاة العنصریة (۷۹) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے، اور اسی وقت سے احکامِ نبوت آپ پر جاری تھے، انبیائے سابقین کے برخلاف، اس لیے کہ ان پر احکام بعثت کے بعد جاری ہوئے جیسا کہ مولانا جامیؒ نے فرمایا کہ آپ (علیہ الصلاۃ والسلام) "نشأت عنصری" سے پہلے نبی تھے۔

(ب) پہلے پیدا کیے جانے کے سلسلے میں احادیث میں مختلف چیزیں مذکور ہیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے نور کو پیدا کیا گیا، جب کہ دیگر بعض روایتوں میں قلم، عرش وغیرہ کو سب سے پہلے پیدا کیے جانے کی صراحت ملتی ہے(۸۰) البتہ ابن حجرؒ

---

(۷۸):(مشکاة المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، الفصل الثانی، ص: ۵۱۳، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۷۹):(العرف الشذی شرح سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، باب فی فضل النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، ج: ۵، ص: ٦، رقم الحدیث: ۳٦۰۹، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۸۰):وعن عبادة بن الصامت رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ ان أول ما خلق اللّٰه القلم، فقال له: اکتب. فقال: ما أکتب؟ قال: اکتب القدر. فکتب ما

نے سب سے پہلے نور کو پیدا کیے جانے کا رجحان ظاہر کیا ہے۔قال ابن حجرؒ: اختلفت الروايات في أول المخلوقات، وحاصلها كما بينتها في شرح شمائل الترمذی: ان اولها النور الذی خلق منه عليه الصلاة والسلام، ثم الماء ثم العرش (۸۱).

(ج):البدایہ والنہایہ میں حضرت عمرؓ سے روایت منقول ہے: عن عمر بن الخطابؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ''لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا ربّ!

كان وما هو كائن الى الأبد. وفي المرقات تحت هذا الحديث: رأيت في الدر المنثور نقلاً عن ابن عباسؓ: ان أول شيء خلقه الله القلم، فقال له: اكتب، فقال: يا رب وما أكتب، قال: اكتب يجرى من ذلك هو كائن الى أن تقوم الساعة، ثم طوى الكتاب ورفع القلم. رواه البيهقي وغيره والحاكم وصححه، وفي الدر أيضاً عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ان أول شيء خلق الله القلم ثم النون وهي الدواة، ثم قال له: اكتب، قال: وما أكتب، قال: ما كان وما هو كائن الى يوم القيامة من عمل أو أثر أو رزق أو أجل، فكتب ما يكون وما هو كائن الى يوم القيامة، ثم ختم فم القلم فلم ينطق ولاينطق الى يوم القيامة. أخرجه الحكيم الترمذي هذا وروى أن أول ما خلق الله العقل، وأن أول ما خلق الله نوري وأن أول ما خلق الله روحي، وأن أول ما خلق الله العرش، والأولية من الأمور الاضافية فيؤول وأن كل واحد مما ذكر خلق قبل ما هو من جنسه، فالقلم خلق قبل جنس الأقلام ونوره قبل الأنوار والا فقد ثبت أن العرش قبل الخلق السماوات والأرض، فتطلق الأولية على كل واحد بشرط التقييد فيقال: أول المعاني كذا، وأول الأنوار كذا.

(مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الايمان، باب الايمان بالقدر، الفصل الثاني، ج: ۱، ص: ۲٦۸، ۲٦۹، ۲۷۰، رقم: ۹٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۸۱):(مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الايمان، باب الايمان بالقدر، الفصل الأول، ج: ۱، ص: ۲٤۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

أسئلک بحق محمد ان غفرت لی، فقال اللّٰہ فکیف عرفت محمدا ولم أخلقه بعد فقال یا رب لأنک لما خلقتنی بیدک ونفخت فی من روحک ورفعت رأسی فرأیت علی العرش مکتوبا لا اله الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ فعلمت انک لم تضف الی اسمک الا أحب الخلق الیک، فقال اللّٰہ صدقت یا آدم انه لأحب الخلق الی واذ سألتنی بحقه فقد غفرت لک، ولنولا محمد ما خلقتک مگر محدثین کے نزدیک یہ روایت حد درجہ ضعیف ہے، بلکہ علامہ ذہبیؒ نے اسے موضوع قرار دیا ہے(۸۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (چند اہم عصری مسائل، ج:۲،ص:۳۳۳ تا ۳۳۶، ط،مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



(۸۲):(البدایة والنهایة، باب خلق آدم علیه السلام، ج: ۱، ص: ۸۱، ط، مکتبة المعارف بیروت لبنان)

وفی منهج الحیاة الایمانیة: عن عمر رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: لما أذنب آدم الذنب الذی أذنبه، رفع رأسه الی السماء، فقال: أسألک بحق محمد ﷺ، الا غفرت لی، فأوحی اللّٰہ الیه: من محمد؟ فقال: تبارک اسمک، لما خلقتنی رفعت رأسی الی عرشک، فاذا فیه مکتوب: لا اله الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ، فعلمت أنه لیس أحد أعظم عندک قدراً ممن جعلت اسمه مع اسمک، فأوحی اللّٰہ الیه: یا آدم انه آخر نبی من ذریتک، ولولا هو ما خلقتک.

قال الشیخؒ: أخرجه الطبرانی فی الصغیر، والحاکم، وأبو نعیم، والبیهقی، کلاهما فی الدلائل، وابن عساکر کذا فی الدر.

وفی مجمع الزوائد: رواه الطبرانی فی الأوسط، والصغیر، وفیه من لم أعرفهم.

وفی حاشیة منهج: أخرجه الحاکم فی المستدرک ۲/ ۶۷۲ برقم: ۴۲۲۸/ ۲۳۸ وقال: هذا حدیث صحیح الاسناد، وهو أول حدیث ذکرته

حضور ﷺ کے متعلق اہل دیو بند کا عقیدہ

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ کے بارے میں: کہ دیوبندیوں کا عقیدہ حضور صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ہے؟ وہ حضور صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت میں شک کرتے ہیں یا نہیں؟ کیا وہ حضور صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، وہ حضور صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچا رسول مانتے ہیں کہ نہیں؟ کیا آپ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گاؤں کا چودھری مانتے ہیں؟ آخر دیوبند کا عقیدہ کیا ہے؟ نیز اگر کوئی شخص گستاخی کرتا ہو اور حضور صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت میں شک کرتا ہوں، حضور صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گاؤں کا چودھری سمجھتا ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:

دیوبندیوں کا عقیدہ حضور صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ ہے

لعبدالرحمٰن بن زيد بن أسلم فی هذا الكتاب، وتعقبه الذهبی فقال: بل موضوع، وعبدالرحمٰن واه، قال الحاكم: وهو أول حديث ذكرته له فی هذا الكتاب، قلت: رواه عبداللّٰه بن مسلم الفهری، ولاأدری من ذا؟ عن اسماعيل بن سلمة عنه يعنی: عن عبدالرحمٰن بن زيد انتهٰى.

وأخرجه الطبرانی فی الأوسط برقم: ٦٥٠٢ وابن عساكر ج/٧ ص: ٣٠٩ فی ترجمة آدم. وعرف فيه عبداللّٰه بن مسلم الفهری بأنه من رهط أبی عبيدة بن الجراح، ونقل ابن عساكر عن البيهقی قوله: تفرد به عبدالرحمٰن بن زيد بن أسلم من هذا الوجه وهو ضعيف. واللّٰه أعلم. (منهج الحياة الايمانية والتربية الدينية فی ضوء الكتاب والسنة، ص: ٤١٦، ٤١٧، ط، المكتبة اليحيوية سهانفور الهند)

کہ حضور صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے سچے پکے رسول ہیں، آپ تمام انبیاء اور رسولوں کے سردار ہیں، آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، آپ تمام انسان وجنات سب کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، جو شخص دیوبندی علماء کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ آپ کی نبوت میں شک کرتے ہیں وہ جھوٹا ہے، بلکہ دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ جو بھی سرور کائنات، فخر موجودات صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے گا یا نعوذ باللہ آپ کو گاؤں کا چودھری کہے گا وہ ایمان سے خارج ہوگا۔

لو عاب النبی ﷺ بشيء من العيوب يكفر. (الفتاوی التاتارخانية، کتاب أحکام المرتدين، الفصل السابع، مکتبه زکريا ۳۰۳/۷، رقم: ۱۰۵۴۸، فتاوی بزازية هامش الهندية، کتاب ألفاظ تکون اسلاما أو کفرا، الفصل الثالث فی الانبياء، مکتبه زکريا جديد ۱۸۲/۳، وعلی هامش الهندية ۳۲۷/۲، خلاصة الفتاوی، اشرفيه ديوبند ۸۵/۴)

جب حضور صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک کان میں پڑ جائے تو کم از کم ایک دفعہ درود شریف پڑھنا واجب ہے، آپ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود شریف پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔ اور دیوبندیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اولیاء عظام برحق ہیں، مگر اولیاء کی شان انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان کے برابر نہیں ہے، آپ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کے برابر کسی بھی مخلوق کی شان نہیں ہوسکتی۔ اور جو شخص کسی انسان اور امتی کو آپ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کے برابر سمجھے گا اس کا ایمان برباد ہے، یہی دیوبندیوں کا عقیدہ ہے۔

عن أنس بن مالک قال: رسول اللّٰه ﷺ: من صلی علی صلوة واحدة صلی اللّٰه عليه عشر صلوات، وحطت عنه عشر خطيئات، ورفعت عشر درجات. (نسائی شريف، کتاب

الصلاة، باب الفضل فی الصلاة علی النبی ﷺ، النسخة الهندية ١/ ١٤٥، دارالسلام، رقم: ١٢٩٧، شعب الايمان، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٢١٠، رقم:٢٥٥٤)

وان محمدا عبده المصطفى ونبيه المجتبى ورسوله المرتضى، وانه خاتم الأنبياء، وامام الأتقياء وسيد المرسلين وحبيب رب العالمين، وكل دعوى النبوة بعده فغوى وهوى، وهو المبعوث الى عامة الجن وكافة الورى بالحق والهدى، وبالنور والضياء. (شرح العقيدة الطحاوية، دارالكتب العلمية بيروت ١٤٩تا١٦٦)

وأفضل الأنبياء محمد عليه السلام، (شرح العقائد، مكتبه نعيميه ديوبند: ١٤٠)

النولى لايبلغ درجة الأنبياء، لأن الأنبياء معصومون مكرمون بالوحى مامورون بتبليغ الأحكام وارشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء العظام. (شرح العقائد، مكتبه نعيميه ١٦٥، شرح فقه أكبر، مكتبه اشرفى دوبند ١٤٨)

ولا نفضل أحدا من الأولياء على أحد من الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، ونقول: نبى واحد افضل من جميع الأولياء. (العقيدة الطحاوية/ ٥١٤، العقيدة الطحاوية، دارالكتب العلمية بيروت /٤٩٢) فقط والله سبحانه وتعالىٰ اعلم(فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ٨٨، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)



حضور ﷺ کے بارے میں اہل سنت کے عقائد

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی کتاب وسنت پر ایمان رکھتا ہے۔(۱) اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر تسلیم نہیں کرتا (۲) اور حضور اکرم کو عالم الغیب نہیں جانتا مگر جتنا علم رب العزت نے عطا کیا ہے وہ تمام مخلوق سے زیادہ اور سب رسولوں سے کئی گنا زیادہ تسلیم کرتا ہے۔(۳) اور الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بھی پڑھتا ہے۔ بایں طور کہ حضور اکرم ﷺ اپنے روضہ مبارک پر تو اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس درود سلام پہنچایا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا تین سوالوں کا جواب کتاب وسنت کی روشنی میں ارشاد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

نوٹ: ایسے عقائد رکھنے والے لوگوں کے متعلق کتاب وسنت کا کیا ارشاد ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ اور سلام وکلام کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب:

یہ تمام عقائد مذہب اہل سنت والجماعت کے مطابق ہیں۔ **قَالَ تَعَالٰی لَایَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (۸۳). الایۃ. مَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (۸۴). الایۃ. وعن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ما من احد یسلم علی الا رداللّٰہ روحی حتی ارد علیه السلام (۸۵) وعن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ان للّٰہ ملائکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام (۸۶)** (مشکوٰۃ

---

(۸۳):(سورۃ النمل: ٦٥)

(۸۴):(سورۃ آل عمران: ٤٤)

(۸۶/۸۵):(مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ وفضلها، ص: ٨٦، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

شـــــریف) عالم غیب وحاظر وناظر ہونا رب تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہیں(۸۷)۔ مذکورہ عقائد رکھنے والا صحیح سنی مسلمان ہے۔اس کے ساتھ با قاعدہ مسلمان بھائی کی حیثیت سے برتاؤ رکھنا چاہیئے اسے تکلیف دینا اور ستانا جائز نہیں ہے(۸۸)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۱،ص:۳۲۲،ط،اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور)



---

(۸۷):**فی روح المعانی: بالجملة علم الغیب بلا واسطة کلا أو بعضا مخصوص باللّٰه جل وعلا، لا یعلمه أحد من الخلق أصلا.** (روح المعانی، سورة النمل، الآیة: ٦٥، ج: ٢٠، ص: ١٢، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

وفی الجامع لأحکام القرآن: فاللّٰه تعالی عنده علم الغیب، وبیده الطرق الموصلة الیه، لایملکها الا هو، فمن شاء اطلاعه علیها أطلعه، ومن شاء حجبه عنها حجبه. (الجامع لأحکام القرآن، سورة الأنعام، الآیة: ٥٩، ج: ٨، ص: ٤٠٢، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

وفی شرح العقائد: العلم بالغیب أمر تفرد به اللّٰه تعالی.الخ. (شرح العقائد النسفیة، مسألة علم الغیب، ص: ٣٨٩، ٣٩٠، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

(وکذا فی شرح الفقه الاکبر، ص: ١٣٧، ط، دار الکتب العربیة الکبریٰ مصر)

(وکذا فی النبراس شرح شرح العقائد، مسئلة علم الغیب، ص: ٣٤٣)

وفی مجموعة الفتاوی: اعتقاد اینکه کسے غیر حق سبحانه حاضر وناظر، وعالم خفی وجلی در هر وقت وهر آن است، اعتقاد شرک است. (مجموعة الفتاویٰ علی هامش خلاصة الفتاوی، ج: ٤، ص: ٣٣١، ط، مکتبه رشیدیه)

(۸۸):**والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مبینا.** (سورة الأحزاب: ٥٨)

وعن ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال صعد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم المنبر فنادیٰ بصوت رفیع فقال یامعشر من اسلم بلسانه ولم یقض

حضور ﷺ کا جسم مبارک مٹی میں ملنے کا مطلب

﴿ســوال﴾:

تقویۃ الایمان کے صفحہ ۶۱ مطبوعۃ فاروقی میں حدیث نقل فرماتے ہیں ابوداؤد نے ذکر کیا کہ قیس بن سعد نے نقل کیا کہ گیا میں ایک شہر میں جس کا نام حیرہ ہے سو دیکھا میں نے وہاں کے لوگوں کو سجدہ کرتے تھے اپنے راجہ کو سو کہا میں نے البتہ پیغمبر خدا زیادہ لائق ہیں کہ سجدہ کیا جائے ان کو پھر آیا میں پیغمبر خدا کے پاس پھر کہا میں نے کہ گیا تھا میں حیرہ میں تو دیکھا میں نے ان لوگوں کو سجدہ کرتے ہیں وہ اپنے راجہ کو سو تم بہت زیادہ لائق ہو کہ سجدہ کریں ہم تم کو سو فرمایا مجھ کو بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے گا تو اس کو کہا میں نے نہیں فرمایا تو مت کر۔ ف یعنی میں بھی مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ تو کیا سجدہ کے لائق ہوں الخ تو یہاں پر یہ شبہ واقع ہوتا ہے کہ مٹی میں ملنے سے کیا مراد ہے اور مخالفین یہاں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صاحب کے نزدیک انبیاء کا جسد زمین میں مل جانا ثابت ہوتا ہے اس کا کیا جواب ہے مفصل ارقام فرمایئے؟

﴿جواب﴾:

مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مٹی ہو کر مٹی زمین کے ساتھ خلط ہو جاوے جیسا سب اشیاء زمین میں پڑ کر خاک زمین ہی بن جاتی ہیں۔ دوسرے مٹی سے ملاقی و متصل ہو جانا یعنی مٹی سے مل جانا تو یہاں مراد دوسرے معنی ہیں اور جسد انبیاء علیہم السلام کا خاک نہ ہونے کے مولانا مرحوم بھی قائل ہیں۔ چونکہ مردہ کو چاروں طرف سے مٹی احاطہ کر لیتی ہے

الایمان الی قلبه لاتؤذوا المسلمین ولاتعیروهم ولاتتبعوا عوراتهم فانه من یتبع عورة اخیه المسلم یتبع الله عورته ومن یتبع الله عورته یفضحه ولو فی جوف رحله. رواه الترمذی. (مشکلۃ المصابیح، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، ص: ۴۲۸، ۴۲۹، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

اور نیچے مردہ کی مٹی سے جسد۔ مع کفن ملاحق ہوتا ہے یہ مٹی میں ملنا۔ اور مٹی سے ملنا کہلاتا ہے کچھ اعتراض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رشیدیہ، ص:۲۵۲، ۲۵۳، ط، دارالاشاعت کراچی)



وحی کے وقت جو حضور ﷺ کی حالت احمرار وجہ وعرق کی ہوتی تھی اس کی کیا وجہ تھی اور ولی کو بھی یہ ہوتا ہے یا نہیں

﴿سوال﴾:

بخاری شریف میں باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب میں جو حدیث نزول وحی کی لکھی ہے "فاذا رسول اللہ ﷺ محمر الوجه وهو يغط ثم سرى عنه (۸۹). سونے کی حالت میں آواز کا ہونا اور چہرہ مبارک کا سرخ ہونا اس کے

(۸۹): قال أبو عاصم: أخبرنا ابن جريج: أخبرني عطاء: أن صفوان بن يعلى أخبره: أن يعلى قال لعمر رضي الله عنه: أرني النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين يوحى اليه قال: فبينما النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالجعرانة ومعه نفر من أصحابه جاءه رجل فقال: يارسول الله، كيف ترى في رجل أحرم بعمرة وهو متضمخ بطيب؟ فسكت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ساعة فجاءه الوحي فأشار عمر رضي الله عنه الى يعلى، فجاء يعلى وعلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثوب قد أظل به فأدخل رأسه فاذا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم محمر الوجه وهو يغط ثم سرى عنه. فقال: اين الذى سأل عن العمرة؟ فأتي برجل فقال: اغسل الطيب الذى بك ثلاث مرات. وانزع عنك الجبة، واصنع في عمرتك ما تصنع في حجتك. قلت لعطاء: أراد الانقاء حين أمره أن يغسل ثلاث مرات؟ قال: نعم. (صحيح البخاري، كتاب الحج، باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثياب، ص: ٣٠٥، ٣٠٦، رقم: ١٥٣٦، ط، دار السلام رياض)

متعلق اولیاء اللہ نے جو تحقیق بیان فرمائی ہو کہ یہ حالت کس قسم کی تھی اور کیا سر تھا۔ اور آیا وقت الہام بھی اسی قسم کی حالت جو مشابہ وحی کے ہوتی ہے اولیاء اللہ کو ہوتی ہے یا کوئی دوسری حالت جس سے الہام حق کا ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس کا راز معلوم نہیں ہوتا لہٰذا آنحضور پوری کیفیت و تحقیق سے مشرف فرمائیں؟

الجواب:

جب وارد قوی ہوتا ہے قویٰ بشریہ ضعیف تحمل سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اور اس قسم کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ کچھ تخصیص الہام کی نہیں۔ ہر وارد میں یہ عمل ہو سکتا ہے مگر لازم نہیں۔ (تتمہ اولیٰ ص ۲۳۴) (امداد الفتاوی، ج:۱۱، ص:۲۱۱، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



حضور ﷺ کو ''ابا جان'' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ''امی جان'' کہنا

سوال:

ایک خطیب صاحب اپنی تقریر میں یا اپنی گفتگو کے اندر جب بھی حضور ﷺ وحضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تذکرہ کرتے ہیں تو از راہ غلبۂ محبت حضور ﷺ کا نام ''ابا جان محمد ﷺ'' اور ''اماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کہتے ہیں، تمام امت مسلمہ کے روحانی باپ و ماں ہیں، اس لئے ہم ان کو ماں باپ کے لفظوں سے صراحۃً تعبیر بھی کر سکتے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ ایسا کرنا بدعت میں شامل ہو گا یا نہیں؟ عام لوگ اگر اس عمل پر اصرار کریں تو کیا حکم ہے؟ بظاہر وہ ایک کے ایسا کرنے سے کوئی خرابی نظر نہیں آتی، ہاں کلام اس صورت میں ہے جب عام لوگ اصرار کریں، ہر ایک کا تفصیلی حکم کیا ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

خالی ابا جان اور امی جان نہیں کہنا چاہئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ام المؤمنین کہنا سلف سے منقول ہے: ﴿وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (۹۰)، امی جان اور ابا جان ہر دو کی شان اقدس سے بہت کم درجہ کا لفظ ہے، ابا جان کہنے میں بظاہر نص قرآنی: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِجَالِكُمْ﴾ الآیۃ (۹۱) سے بھی تعارض ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص:۳۸۴)



امہات المؤمنین تمام مؤمنین کی مائیں اور حضور ﷺ روحانی باپ ہیں

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا ازواج مطہرات تمام مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کی مائیں ہیں یا صرف عورتوں کی ہیں، مردوں کی نہیں؟

(۲) کیا حضور ﷺ ہم سب کے روحانی باپ ہیں کہ نہیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

(۱) ازواج مطہرات تمام مؤمن مردوں اور عورتوں کی مائیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ. [الأحزاب: ٦]

---

(۹۰): (سورة الأحزاب: ٦)

(۹۱): (سورة الأحزاب: ٤٠)

(۲) جی ہاں روحانی باپ ہیں، جب ازواج مطہرات ہماری مائیں ہیں، تو آپ ﷺ بھی ہمارے روحانی باپ ہیں، نیز قرآن مقدس میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو امت محمدیہ کا روحانی باپ قرار دیا گیا ہے: لہٰذا بلاشبہ آپ ﷺ اپنی امت کے روحانی باپ ہیں۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اَبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ. [الحج: ۷۸]

ویسمی کل من کان سببا فی ایجاد شیء أو اصلاحه، أو ظهوره آبا، ولذلک سمی النبی ﷺ أبا المؤمنین، قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم وازواجه امهاتهم﴾. [الأحزاب: ٦] **وفی بعض القراء ات: وهو أب لهم.** (روح المعانی، الأحزاب: ٤٣، زکریا ٢٢/٤٦) فقط واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم (فتاوی قاسمیه، ج: ٢، ص: ٩١، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



آنحضرت ﷺ مؤمنین کے روحانی باپ ہیں

﴿سوال﴾:

نبی ﷺ تمام اشیاء کے باپ حقیقی و روحانی ہیں یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

معالم التنزیل وغیرہ کتب تفسیر میں: ﴿وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ﴾ (سورۂ احزاب، آیت: ۲) کے بعد قراءت اُبی رضی اللہ عنہ میں "وهو أب لهم بھی واقع ہے (۹۲) اس

---

(۹۲): **فی معالم التنزیل: قوله عزوجل: ﴿وأزواجه أمهاتهم﴾، وفی حرف أبی: وأزواجه وأمهاتهم وهو أب لهم وهن أمهات المؤمنین.** (معالم التنزیل، المعروف بتفسیر البغوی، ج: ٦، ص: ٣١٩، ط، دار طیبة ریاض)

لیے اشارہ کریمہ: ﴿وازواجہ امہاتہم﴾ سے اور تصریح قراءت ابیؓ سے ابوت روحانی مؤمنین کے لیے آنحضرت ﷺ کی ثابت ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج:۱۸، ص:۲۲۶، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



حضور ﷺ کو اپنا بڑا بھائی ماننا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور ﷺ کو اپنا بڑا بھائی ماننا کیسا ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق صرف یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ بھائی کے درجہ میں ہیں صحیح نہیں ہے: بلکہ حضور ﷺ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اس کا اعتقاد رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے: البتہ باعتبار بشریت بنص حدیث حضور ﷺ کی بھائی کہنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر عرفاً اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔

عن أبی هريرة أن رسول اللّٰه ﷺ أتی المقبرة، فقال: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وانا ان شاء اللّٰه بكم لاحقوق، وددت أنا قد رأينا اخواننا، قالوا: أولسنا اخوانكم يا رسول اللّٰه؟ قال: أنتم أصحابی، واخواننا الذين لم يأتوا بعد.

وفی الجامع لأحكام القرآن: ثم ان فی مصحف أبی بن كعب: وأزواجه أمهاتهم وهو أب لهم. وقرأ ابن عباسؓ: من أنفسهم وهو أب لهم وأزواجه أمهاتهم. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ٦، ج: ١٧، ص: ٦٣، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

الحديث (مسند امام أحمد بن حنبل ۲/ ۳۰۰، رقم: ۷۹۸۰، ۲/ ۴۰۸، رقم: ۹۲۸۱، مسلم شريف، باب استحباب اطالة الغرة...، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۶، بيت الأفكار، رقم: ۲۴۹، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ۱۵/ ۷۰، رقم: ۸۳۰۰، مشكوة ۱/ ۴۰)

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله ﷺ كان في نفر من المهاجرين والأنصار، فجاء بعير، فسجد له، فقال اصحابه: يا رسول الله! تسجد لك البهائم والشجر، فنحن أحق أن نسجد لك؟ فقال: اعبدوا ربكم واكرموا أخاكم. (مسند أحمد بن حنبل ۶/ ۷۶، رقم: ۲۳۹۵) فقط والله سبحانه وتعالیٰ اعلم (فتاوی قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۹۲، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



کیا نبی کریم ﷺ کا درجہ بڑے بھائی کے برابر ہے؟

﴿سوال﴾:

حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے، وہ کس طرح سے ممکن ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حدیث پاک میں ارشاد ہے: "**انا سید ولد آدم ولا فخر**" (۹۳). حضرت

---

(۹۳): **وعن أبي سعيد رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولافخر، وبيدي لواء الحمد ولافخر. وما من نبي يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائي، وأنا أول من تنشق عنه الأرض**

نبی اکرم ﷺ کا مرتبہ اللہ پاک کے نزدیک اتنا بلند ہے کہ نہ کوئی فرشتہ کو پاسکتا ہے، نہ کوئی پیغمبر (۹۴)، پھر بڑے بھائی کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟ البتہ حضور ﷺ نے اس بلند مرتبہ

ولافخر. (مشكاة المصابيح، كتاب الفضائل والشمائل، باب فضل سيد المرسلين، الفصل الثاني، ص: ۵۱۳، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

(۹۴):في الجامع لاحكام القرآن: وقد أشار ابن عباس الى هذا، فقال: ان اللّٰه فضل محمداً [صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم]على الأنبياء وعلى اهل السماء، فقالوا: بم يا ابن عباس فضله على اهل السماء؟ فقال: ان اللّٰه تعالى قال: ﴿ومن يقل منهم انى اله من دونه فذلك نجزيه جهنم كذلك نجرى الظالمين﴾ [الأنبياء: ۲۹]. وقال لمحمد صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: ﴿انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفرلك اللّٰه ما تقدم من ذنبك وما تأخر﴾ [الفتح: ۱/۲]. وقالوا: فما فضله على الأنبياء؟ قال: قال اللّٰه تعالى: ﴿وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم﴾ [ابراهيم: ۴]، وقال اللّٰه عز وجل لمحمد صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: ﴿ومآ ارسلنك الا كافة للناس﴾ [سبأ: ۲۸]، فأرسل الى الجن والانس، ذكره أبو محمد الدارمى فى مسنده.وقال العلامة عبداللّٰه التركى فى حاشيته: وأخرجه أيضاً الطبرانى فى الكبير (۱۱۶۱۰)، وقال الهيثمى فى المجمع ۸/ ۲۵۵: رجاله رجال الصحيح غير الحكم بن أبان، وهو ثقة. (الجامع لاحكام القرآن، سورة البقرة، الآية: ۲۵۳، ج: ٤، ص: ۲۵۵، ۲۵٦، ط، مؤسسة الرسالة)

وفى الكوكب الأزهر: أن أفضل المخلوقات فى الدنيا والآخرة هو سيدنا محمد صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم الذى جمع كل خلال الخير ونعوت الكمال، وبعثته صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم عامة الجميع المكلفين، وأفضليته صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم على جميع المخلوقات مما أجمع عليه المسلمون لقوله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: "أنا أكرم الأولين والآخرين على اللّٰه ولا فخر". (الكوكب الأزهر شرح الفقه الاكبر، ص: ۱۲۲)

وفى شرح الفقه الأكبر: والمعتقد المعتمد ان أفضل الخلق نبينا حبيب الحق

کے باوجود حضرت عمرؓ کو بھائی فرمایا ہے(٩٥) اور امت کو بھی بھائی فرمایا ہے جیسا کہ احادیث میں موجود ہے(٩٦)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج:١،ص:٣٨٦)



وقد ادعى بعضهم الاجماع على ذلک فقد قال ابن عباس رضى الله عنهما أن الله فضل محمدا على أهل السماء وعلى الانبياء وفى حديث مسلم والترمذى عن أنس رضى اللّٰه عنه أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولافخر. زاد أحمد والترمذى وابن ماجه عن أبى سعيد وبيدى لواء الحمد ولافخر وما من نبى يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائى وأن أول من تنشق عنه الارض ولافخر وأنا أول شافع وأول مشفع وروى الترمذى عن أبى هريرة رضى الله عنه ولفظه أنا أول من تنشق عنه الارض فاكسى حلة من حلل الجنة ثم أقوم عن يمين العرش وليس أحد من الخلائق يقوم ذلک المقام غيرى. (شرح الفقه الأكبر، مسئلة فى تفضيل بعض الانبياء على بعض، ص: ١٠٢، ١٠٣، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

(وكذا فى النبراس شرح شرح العقائد، وافضل الانبياء محمدﷺ، ص: ٢٨٦)

(وكذا فى السكت والفوائد على شرح العقائد، افضل الانبياء سيدنا محمدﷺ، ص: ٥٧٩، ط، المكتبة العصرية بيروت لبنان)

(٩٥):وعن عمر بن الخطاب رضى اللّٰه عنه، قال: استأذنت النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم فى العمرة فأذن لى، وقال: أشركنا يا أخى! فى دعالک ولاتنسنا. فقال كلمة ما يسرنى أن لى بها الدنيا. رواه أبوداؤد، والترمذى، وانتهت روايته عند قوله: ولاتنسنا. (مشكاة المصابيح، كتاب الدعوات الفصل الثانى، ص: ١٩٥، قديمى كتب خانه كراچى)

(٩٦):وعن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه، أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم أتى المقبرة فقال: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وانا ان شاء اللّٰه بكم لاحقون، وددت أنا قد رأينا اخواننا. قالوا: أولسنا اخوانک يا رسول اللّٰه؟ قال: أنتم أصحابى، واخواننا الذين لم يأتو بعد.الخ. (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، الفصل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بھائی کا درجہ دینا

﴿سوال﴾:

کیا یہ صحیح ہے کہ اگر محنت کریں تو اولیاء اور انبیاء کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں، بعض صاحبان نے تو پیغمبران صاحبان علیہم الصلاۃ والسلام کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں، اس سے زائد اور کوئی فضیلت نہیں۔ خصوصاً سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں، کیا ایسا کہنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو مولانا فرماتے ہیں:

ہمسری با انبیاء برداختند
اولیاء را خویشتن پنداشتند

جب انبیاء صاحبان علیہم الصلاۃ والسلام کی شان بعید از قیاس ہے تو ان کا مقابلہ کرنے والا گمراہ ہے یا کافر؟ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پرتو عکس سے دوزخ جنت، حور وغلمان، آسمان وزمین اور کل کائنات پیدا کئے گئے ہیں، کوئی نماز یا اوراد بغیر درود شریف کے مقبول نہیں، پھر ان کا مقابلہ کرنا یا مثل ان کے اپنے کو سمجھنا درست ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

کوئی امتی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، ولایت کے اونچے مقامات پر پہنچا بعید نہیں مگر جو حضرات پہنچتے ہیں وہ دعویٰ نہیں کرتے اور تکبر نہیں کرتے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ صرف بھائی کے درجہ میں ہیں، اس سے زیادہ ان کی کوئی فضیلت نہیں یہ غلط ہے، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں توہین اور گستاخی کرنا کفر ہے(۹۷)، بلا تحقیق کسی کی طرف کوئی غلط عقیدہ منسوب کرنا درست نہیں، تہمت ہے۔ فقط

الثالث، ص: ٤٠، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۹۷):فی شرح العقیدۃ الطحاوی: قولہ: (ولانفضل أحداً من الأولیاء علی

واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۳۸۷)



أحد من الأنبياء، ونقول: نبي واحد أفضل من جميع الأولياء، ونؤمن بما جاء من كراماتهم وصح عن الثقات من رواياتهم)

لايبلغ ولي قط الى درجات النبي، لأن الولي تابع للنبي، والتابع درجته دون درجة المتبوع، ولأن كل نبي ولي، وليس كل ولي نبياً، ففي النبي اجتمعت النبوة والولاية فيكون أفضل من الولي.

وفيه رد لما يزعمه بعض جهلة الصوفية من ترجيح الولاية على النبوة.

ولأن النبي ﷺ قال: والله ما طلعت الشمس ولاغربت على أحد بعد النبيين أفضل من أبي بكر فهذا الحديث يقتضي أن أبا بكر الصديقؓ أفضل من جميع الأولياء الذين ليسوا بأنبياء، فاذا كان الصديق أفضل من الأولياء، فالأنبياء أولى. (شرح العقيدة الامام الطحاوي، بيان أن النبوة أفضل من الولاية والايمان بكرامات الأولياء، ص: ١٥٦، ١٥٧، ط، دارة الكرز)

وفي بيان السنة والجماعة: ولانفضل أحداً من الأولياء رضي الله عنهم على أحد من الانبياء صلوات الله تعالىٰ عليهم ونقول: نبي واحد أفضل من جميع الأولياء لأن الأنبياء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي ومشاهدة الملك، ومأمورون بتبليغ الأحكام والارشاد للأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء. فما نقل عن بعض الكرامية: جواز كون الولي أفضل من النبي كفر وضلال. (بيان السنة والجماعة، بحث: تفضيل الأنبياء على جميع الأولياء والايمان بكرامات الأولياء، ص: ١٣٩، ط، دار الفكر دمشق سورية)

وفي الفتاوى التاتارخانية: من لم يقر ببعض الأنبياء عليهم السلام أو عاب نبيا بشيء أو لم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام فقد كفر. (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب أحكام المرتدين، الفصل السابع: فيما يعود الى الأنبياء عليهم السلام، ج:٧،ص:٣٠٥، ط، مكتبة زكريا، بديوبند، الهند/ وكذا في مجمع الأنهر في

حضور ﷺ کو اپنا بھائی کہنا کیسا ہے؟

﴿سوال﴾:

عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم اتی المقبرۃ فقال السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللّٰہ بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا قالوا او لسنا اخوانک یا رسول اللّٰہ قال: انتم اصحابی واخواننا الذین لم یأتوا بعد فقالوا: کیف تعرف من لم یأت بعد من امتک یا رسول اللّٰہ فقال ارأیت لو ان رجلاً لہ خیل غرمحجلۃ بین ظھری خیل دھم بھم الایعرف خیلہ قالوا: بلیٰ یا رسول اللّٰہ قال: فانھم یأتون غرا محجلین من الوضوء انا فرطھم علی الحوض (مسلم، مشکوۃ: ۱/ ۴۰، مسلم: ۲/ ۲۲۹، مسند احمد: ۱۷/ ۲۴۵، مؤطا مالك: ۱/ ۷۵ نسائی: ۱/ ۲۶۲)

سوال کیا مذکورہ بالا حدیث کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کو کوئی امتی محبت وعقیدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا بھائی کہہ سکتا ہے؟ کیا نبی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کو اپنا بھائی کہنے والا شخص کافر یا واجب القتل یا کسی بھی اعتبار سے قابل ملامت ہے؟ جبکہ قرآن کریم میں سورۂ شعراء آیت نمبر ۱۰۲، ۱۲۳، ۱۴۲، ۱۶۱ میں خود اللہ تبارک وتعالی حضرت صالح (۹۸)، حضرت ہود (۹۹)، حضرت

شرح ملتقی الأبحر، کتاب السیر والجھاد، باب المرتد، ج:۲، ص: ۵۰۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۹۸): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: کذبت ثمود المرسلین. اذ قال لھم اخوھم صالح الا تتقون. (سورۃ الشعراء: ۱۴۱، ۱۴۲)

(۹۹): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: کذبت عاد ن المرسلین. اذ قال لھم اخوھم

لوط(۱۰۰)، حضرت نوح علیہم السلام(۱۰۱) کو اپنی اپنی قوموں کا بھائی کہہ رہا ہے۔
برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے اور محبوب رسول ہیں، مخلوقات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہے(۱۰۲) اور ہمارے خوش قسمتی ہے کہ

هود الا تتقون. (سورة الشعراء: ۱۲۳، ۱۲٤)

(۱۰۰):**قال الله تبارک وتعالیٰ: كذبت قوم لوط ن المرسلين. اذ قال لهم لوط الا تتقون.** (سورة الشعراء: ۱٦۰، ۱٦۱)

(۱۰۱):**قال الله تبارک وتعالیٰ: كذبت قوم نوحِ نِ المرسلين. اذ قال لهم اخوهم نوح الا تتقون.** (سورة الشعراء: ۱۰٥، ۱۰٦)

(۱۰۲):في شرح الفقه الأكبر: **والمعتقد المعتمد ان أفضل الخلق نبينا حبيب الحق وقد ادعى بعضهم الاجماع على ذلک فقد قال ابن عباس رضی الله عنهما أن الله فضل محمدا على أهل السماء وعلى الانبياء وفي حديث مسلم والترمذی عن أنس رضی الله عنه أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولافخر. زاد أحمد والترمذی وابن ماجه عن أبی سعيد وبيدی لواء الحمد ولافخر وما من نبی يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائی وأن أول من تنشق عنه الارض ولافخر وأنا أول شافع وأول مشفع وروى الترمذی عن أبی هريرة رضی الله عنه ولفظه أنا أول من تنشق عنه الارض فاكسی حلة من حلل الجنة ثم أقوم عن يمين العرش وليس أحد من الخلائق يقوم ذلک المقام غيری.** (شرح الفقه الأكبر، مسئلة فی تفضيل بعض الانبياء على بعض، ص: ۱۰۲، ۱۰۳، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

(وكذا في النبراس شرح شرح العقائد، وافضل الانبياء محمد صلی الله علیه وسلم، ص: ۲۸٦)

(وكذا في النكت والفوائد على شرح العقائد، افضل الانبياء سيدنا محمد صلی الله علیه وسلم، ص: ٥۷۹، ط، المكتبة العصرية بيروت لبنان)

آپ ﷺ ہمارے رسول اور ہم آپ ﷺ کے امتی ہیں آپ ﷺ کی جتنی عزت واحترام کی جائے کم ہے آپ ﷺ کی بے ادبی اپنے لئے ہلاکت ہے قرآن پاک میں آپ ﷺ کے ادب اور احترام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے سورۂ احزاب میں اذیت پہونچانے سے (۱۰۳) سورۃ الحجرات میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے حضور ﷺ سے زیادہ اونچی آواز سے بولنے سے (۱۰۴) سورۂ نور میں حضور اقدس ﷺ کو عام لوگوں کی طرح مخاطب کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے (۱۰۵) لہٰذا کسی بھی طرح قولاً و فعلاً و اعتقاداً حضور اقدس ﷺ کی توہین سے بچنا چاہئے۔

آپ نے سوال میں جو حدیث پاک لکھی ہے وہ حدیث شریف مشکوۃ شریف میں ص: ۴۰ پر مؤطا مالک میں ص: ۱۰ پر مسلم شریف میں ص: ۱/۱۲۷ پر ذکر کی گئی ہے۔ دوسری روایت جو حضرت عمرؓ سے عمرہ میں جاتے وقت ہے اور وہ بھی ترمذی شریف: ۲/۱۹۶ مشکوۃ شریف: ۱/۱۹۵ (۱۰۶) پر موجود ہے لیکن اس میں حضور اقدس ﷺ نے امتی کو بھائی کہا

---

(۱۰۳): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللّٰہ ولآ ان تنکحوا ازواجهٗ من بعدهٖ ابدا. ان ذٰلکم کان عنداللّٰہ عظیما. (سورۃ الاحزاب: ۵۳)

(۱۰۴): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: یایها الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون. (سورۃ الحجرات: ۲)

(۱۰۵): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: لاتجعلوا دعآء الرسول بینکم کدعآء بعضکم بعضا قد یعلم اللّٰہ الذین یتسللون منکم لواذا فلیحذر الذین یخالفون عن امرهٖ ان تصیبهم فتنة او یصیبهم عذاب الیم. (سورۃ النور: ۶۳)

(۱۰۶): وعن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه، قال: استأذنت النبی ﷺ فی العمرة فأذن لی، وقال: أشرکنا یا أخی! فی دعائک ولاتنسنا. فقال کلمة ما یسرنی أن لی بها الدنیا. رواه أبوداؤد، والترمذی، وانتهت روایته عند قوله: ولاتنسنا. (مشکاۃ المصابیح، کتاب الدعوات الفصل الثانی، ص: ۱۹۵، قدیمی کتب

ہے، امتی نے حضور ﷺ کو بھائی نہیں کہا ہے۔ اس لئے استدلال صحیح نہیں۔ اخوت اور بھائی چارگی مختلف قسم کی ہوتی ہے (۱) نسبی اخوت (۲) ایک اخوت ایمان ہوتی ہے (۳) اخوت قومی (۴) اور اخوت وطنی (۵) اخوت عملی جیسے کہ حاجی بھائی وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے اگر کوئی شخص حضور اقدس ﷺ کو بھائی کہتا ہے تو صرف اس لفظ کے کہنے کی وجہ سے کافر یا واجب القتل یا گستاخ رسول قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ لیکن ہم آپس میں کسی کو بھائی کہتے ہیں تو اس وقت جو مساوات و برابری کا جذبہ ہوتا ہے حضور اقدس ﷺ اپنے درجہ و بزرگی کے اعتبار سے اس سے بہت بلند ہیں لہٰذا اگر کوئی کہے تو اس کو منع کیا جائے گا، آپ نے حضرت ہود، صالح علیہم السلام کے متعلق جو ذکر کیا ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو بھائی بتا رہے ہیں۔ اس لئے آئندہ اس قسم کے خطاب سے پرہیز کرنا چاہئے، اور فتنہ کے زمانہ میں فتنوں کو اور ہوا نہیں دینی چاہئے۔ باقی بخاری شریف میں بھی حضرت ابوبکرؓ نے حضور اقدس ﷺ کو انا اخوک کہہ کر اپنے آپ کو بھائی کہہ کر خطاب فرمایا ہے اور اس میں حضور اقدس ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ فقال لہ ابوبکر انا اخوک فقال انت اخی فی دین اللہ الخ (۲/ ۷۶۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی دینیہ، ج:۱ص:۹۸ تا ۱۰۰/ فتاوی قاسمیہ، ج:۲،ص:۹۳،۹۴، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



انبیاء علیہم السلام کو ”بڑے بھائی“ کہنے کا مطلب؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے انبیاء واولیاء کو بڑا بھائی کہنے کی جسارت کی ہے، جیسا کہ ذیل کی عبارت سے واضح ہے، ملاحظہ فرمائیں:

خانہ کراچی)

''یعنی تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، جو بہت بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرو، باقی سب کا مالک اللہ ہے، عبادت اسی کی کرنی چاہئے، معلوم ہوا کہ جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں وہ سب کے سب اللہ کے بے بس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں، مگر حق تعالیٰ نے انہیں بڑائی بخشی تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے''۔ (تقویۃ الایمان ۷۰، مطبوعہ فیصل پبلی کیشنز دیوبند)

تو انبیاء کو بڑا بھائی کہنا درست ہے یا نہیں؟

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:

مذکورہ عبارت ''تقویۃ الایمان'' مطبوعہ عبدالغنی چاندنی چوک دہلی ص: ۹۵ پر موجود ہے، یہ بات حضرت نے مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھی ہے، جس میں یہ مضمون ہے: کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ''یارسول اللہ جب درخت اور چوپائے آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم لوگ آپ کو سجدہ کیوں نہ کریں؟'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أعبدوا ربکم أؤ کرموا أخاکم اپنے رب کی عبادت کرو (یعنی سجدہ صرف اللہ ہی کے لئے کرو) اور اپنے دینی بھائی (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) تعظیم کرو۔ (۱۰۷) (مشکوٰۃ المصابیح ۲۸۲)

---

(۱۰۷): **وعن عائشۃ ؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی نفر من المھاجرین والانصار فجاء بعیر فسجد لہ فقال اصحابہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسجد لک البھائم و الشجر فنحن احق ان نسجد لک فقال اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم ولو کنت اٰمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا ولو امرھا ان تنقل من جبل اصفر الی جبل اسود ومن جبل اسود الی جبل ابیض کان ینبغی لھا ان تفعلہ. رواہ احمد.**

(مشکاۃ المصابیح، باب الخلع و الطلاق، ص: ۲۸۲، ۲۸۳، ط، قدیمی کتب خانہ

اب آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ مذکورہ عبارت میں آپ ﷺ کو بھائی کیوں کہا گیا ہے؟ دراصل حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں حدیث سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کہی گئی ہے، بلکہ حدیث ہی کے اتباع میں آپ ﷺ کو بھائی کہا گیا ہے۔

علاوہ ازیں آپ ﷺ کو بھائی کہنا یہ سوءادبی بھی نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں ہر نبی کو اپنی امت کا بھائی قرار دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾[هود: ٥٠]

﴿وَاِلٰی مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْباً﴾[هود: ٨٤]

﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحاً﴾[هود: ٦١]

﴿وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴾[ق: ١٣]

اسی طرح قرآن میں ہر مومن کو بھائی کہا گیا ہے: ﴿انما المومنون اخوة﴾۔ [الحجرات: ١٠]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اپنا بھائی فرمایا ہے، بخاری کی حدیث ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبیﷺ قال: لو کنت متخذا من أمتی خلیلا لاتخذت أبابکر، ولکن أخی وصاحبی. (صحیح البخاری ١/٥١٦، رقم: ٣٥٢٧)

اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی آپ ﷺ نے بھائی فرمایا ہے، ترمذی شریف میں ہے:

عن عمر رضی اللّٰه عنه أنه استأذن النبیﷺ فی العمرة، فقال: أی أخی أشرکنا فی دعائک ولاتنسنا. (سنن الترمذی ٢/١٩٦)

کراچی)

اسی طرح بعد میں آنے والے تمام لوگوں کو آپ ﷺ نے بھائی فرمایا ہے:

وددت أننا قدر أينا اخواننا، قالوا: أولسنا اخوانک یا رسول اللہ! قال: أنتم أصحابی واخواننا الذین لم یأتوا بعد.

(صحیح مسلم ١٢٧/١، سنن النسائی ١٩/١، سنن ابن ماجۃ ٣١٩)

ان تمام آیات واحادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو بھی ایک دوسرے انسان کا بھائی قرار دینا قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔ (مستفاد: تائید محمدی ضمیمہ تقویۃ الایمان ١٠٨)

البتہ تاج دار مدینہ، سرکار دو عالم اور آقائے نام دار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ صرف بھائی کے درجہ میں ہی ہیں، ان سے زیادہ آپ کی کوئی اور فضیلت نہیں ہے، تو یہ نہ صرف یہ کہ غلط ہے، بلکہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ٣٨٨/١)

اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عبارت سے اس کا اشارہ بھی نہیں ملتا ہے، بلکہ اس کے بر خلاف وہ اسی عبارت سے متصل لکھتے ہیں:

"ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے"۔

اور اسی کتاب کے ص: نمبر٣٢ پر رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس نے بے خبروں کو خبر دار کیا اور ناپاکوں کو پاک کیا اور جاہلوں کو عالم اور احمقوں کو عقل مند اور راہ بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر چلایا"۔

لہٰذا مذکورہ عبارت (جو سوال میں ہے) سے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرف یہ نسبت کرنا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کا مرتبہ گھٹا دیا ہے، محض الزام اور بہتان نیز حقیقت کے بالکل خلاف ہے، وہ تو مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے صحیح وارث تھے، اور انہوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کو فروغ دینے میں صرف کردی حتی کہ اسی راہ میں اپنی

جان قربان کردی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (کتاب النوازل، ج:۱، ص:۲۷۰ تا ۲۷۳، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الہند)



تمام امتِ مسلمہ کو حضور ﷺ کے برابر سمجھنا

﴿سوال﴾:

ایک شخص جو کہ اپنے کو اور تمام امت مسلمہ کو حضور اکرم ﷺ کے برابر سمجھتا ہے کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برابر تو سبھی لوگ ہو سکتے ہیں اور پیشاب کرنے کے بعد صرف پانی سے طہارت کر لیتا ہے تو ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اگر وہ نفس مخلوق خدا اور بشر ہونے میں برابر سمجھتا ہے تو یہ عقیدہ درست ہے اور قرآن پاک حدیث پاک سے ثابت ہے (۱۰۸)، اگر وہ درجۂ قرب وفضیلت میں برابر سمجھتا ہے تو

---

(۱۰۸): قال اللّٰہ تبارک وتعالی: قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الہ واحد فاستقیموا الیہ واستغفروہ وویل للمشرکین. (سورة حم السجدة: ٦)

وقال تعالیٰ: قل انما أنا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ.الخ (سورة الکھف: ١١٠)

وقال تعالیٰ: قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولاً. (سورة بنی اسرائیل: ٩٣)

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: کانت عند أم سلیم یتیمة، وھی أم أنس، فرأی رسول اللّٰہ ﷺ الیتمیة فقال: انت ھیة؟ لقد کبرت، لاکبر سنک فرجعت الیتیمة الی أم سلیم تبکی، فقالت أم سلیم: ما لک؟ یا بنیة قالت الجاریة: دعا علی نبی اللّٰہ ﷺ أن لایکبر سنی، فالآن لایکبر سنی أبدا، أو قالت قرنی، فرجعت ام سلیم مستعجلة تلوث خمارھا، حتی لقیت رسول اللّٰہ ﷺ. فقال لھا رسول ما لک؟ یا أم سلیم! قالت: یا نبی اللّٰہ! أدعوت علی یتیمتی؟ قال: وما ذاک؟ یا ام سلیم! قالت:

اس کو توبہ لازم ہے، پیغمبر کے برابر کوئی امتی نہیں ہوسکتا (۱۰۹) اور حضرت نبی اکرم ﷺ

زعمت أنک دعوت أن لایکبر سنها ولایکبر قرنها، قال: فضحک رسول اللهﷺ، ثم قال: یا أم سلیم! أما تعلمین أن شرطی علی ربی، أنی اشترطت علی ربی فقلت: انما انا بشر، أرضٰی کما یرضی البشر، وأغضب کما یغضب البشر، فأیما أحد دعوت علیه، من أمتی، بدعوة، لیس لها بأهل، أن تجعلها له طهورا وزکاة وقربة تقربه بها یوم القیامة. (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب من لعنه النبیﷺ أو سبه أو دعا عیه، ولیس هو أهلا لذلك، کان له زکاة وأجرا ورحمة، ص: ۱۱۳٦، رقم: ٦٦٢٧، ط، دار السلام ریاض)

عن علقمة قال: قال عبدالله: صلی رسول اللهﷺ۔ قال ابراهیم: زاد أو نقص ۔ فلما سلم قیل له: یارسول الله! أحدث فی الصلاة شیء؟ قال: وما ذاک؟ قالوا: صلیت کذا وکذا، قال فثنٰی رجلیه، واستقبل القبلة، فسجد سجدتین، ثم سلم، ثم أقبل علینا بوجهه فقال: انه لو حدث فی الصلاة شیء أنباتکم به، ولکن انما أنا بشر أنسی کما تنسون، فاذا نسیت فذکرونی، واذا شک أحدکم فی صلاته فلیتحر الصواب، فلیتم علیه، ثم یسجد سجدتین. (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو فی الصلاة والسجود له، ص: ۲۳۰، رقم: ۱۲۷٤، ط، دار السلام ریاض)

وعن عائشة قالت کان رسول اللهﷺ یخصف نعله ویخیط ثوبه ویعمل فی بیته کما یعمل احدکم فی بیته وقالت کان بشرا من البشر یفلی ثوبه ویحلب شاته ویخدم نفسه. رواه الترمذی. (مشکاة المصابیح، باب فی اخلاقه وشمائله، ص: ۵۲۰، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۱۰۹): فی بیان السنة والجماعة: ولانفضل أحداً من الأولیاء رضی الله عنهم علی أحد من الانبیاء صلوات الله تعالیٰ علیهم ونقول: نبی واحد أفضل من جمیع الأولیاء لأن الأنبیاء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة، مکرمون بالوحی ومشاهدة الملک، ومأمورون بتبلیغ الأحکام والارشاد للأنام بعد الاتصاف

کے برابر تو کوئی پیغمبر بھی نہیں ہوسکتا(۱۱۰)، چہ جائیکہ کوئی امتی برابری کادعوی کرے

بكمالات الأولياء. فما نقل عن بعض الكرامية: جواز كون الولى أفضل من النبى كفر وضلال. (بيان السنة والجماعة، بحث: تفضيل الأنبياء على جميع الأولياء والايمان بكرامات الأولياء، ص: ١٣٩، ط، دار الفكر دمشق سورية)

وفى شرح الفقه الأكبر: ومنها أن الولى لايبلغ درجة النبى لان الأنبياء عليهم السلام معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة مكرمون بالوحى حتى فى المنام وبمشاهدة الملائكة الكرام مأمورون بتبليغ الاحكام وارشاد الانام بعد الاتصاف بكمالات الاولياء العظام فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولى أفضل من النبى كفر وضلالة والحاد وجهالة. (شرح الفقه الأكبر، مسئلة فى أن الولى لايبلغ درجة النبى، ص: ١١٠، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

(۱۱۰):فى شرح الفقه الأكبر:فمنها تفضيل بعض الانبياء على بعضهم وهو قطعى بحسب الحكم الاجمالى حيث قال الله تعالى تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض وقال الله تعالى ولقد فضلنا بعض النبيين على بعض أى بمزيد العلم اللدنى لابوفور المال الدنى وأما بحسب الحكم التفصيلى فالامر ظنى والمعتقد المعتمد ان أفضل الخلق نبينا حبيب الحق وقد ادعى بعضهم الاجماع على ذلك فقد قال ابن عباس رضى الله عنهما أن الله فضل محمدا على أهل السماء وعلى الانبياء وفى حديث مسلم والترمذى عن أنس رضى الله عنه أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولافخر. زاد أحمد والترمذى وابن ماجه عن أبى سعيد وبيدى لواء الحمد ولافخر وما من نبى يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائى وأن أول من تنشق عنه الارض ولافخر وأنا أول شافع وأول مشفع وروى الترمذى عن أبى هريرة رضى الله عنه ولفظه أنا أول من تنشق عنه الارض فاكسى حلة من حلل الجنة ثم أقوم عن يمين العرش وليس أحد من الخلائق يقوم ذلك المقام غيرى. (شرح الفقه الأكبر، مسئلة فى تفضيل بعض الانبياء على بعض، ص: ١٠٢، ١٠٣، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

(استغفر اللہ)۔ اگر کوئی شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ ہرگز ہرگز امامت کے لائق نہیں(۱۱۱)۔

جو شخص پیشاب کے بعد ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء نہیں کرتا بلکہ فوراً پانی سے دھولیتا ہے تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا کپڑا ناپاک رہتا ہے، آج کل ڈاکٹروں اور طبیبوں کا تجربہ یہ ہے کہ پیشاب کے بعد عامۃً قطرہ ضرور آتا ہے اس لئے ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۳۸۹،۳۹۰)



---

(۱۱۱):فی شرح العقائد: وتجوز الصلاة خلف كل بر وفاجر، لقوله عليه السلام: صلوا كل بر و فاجر. ولأن علماء الأمة كانوا يصلون خلف الفسقة، وأهل الهواء، والبدع، من غير نكير. وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف البدع فمحمول على الكراهة، اذ لا كلام فی كراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع.هذا اذا لم يؤد الفسق أو البدعة الى حد الكفر، أما اذا أدى اليه فلا كلام فی عدم جواز الصلاة خلفه. (شرح العقائد النسفية، الكلام فی العقائد المتفرقة، ص: ٣٦٩، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشی)

وفی نورالايضاح: وكره امامة العبد....والفاسق، والمبتدع.

وفی امداد الفتاح تحته: والمراد المبتدع الذی لاتكفره بدعته فان كفر بها لاتصح امامته كما قدمناه. (امداد الفتاح شرح نورالايضاح ونجاة الارواح، كتاب الصلاة، فصل فی الأحق بالامامة، وترتيب الصفوف، ص: ٣٤٢، ٣٤٣، ط، مكتبه رشيدية كوئٹه)

وفی ملتقى الأبحر: ويكره امامة العبد والأعرابی والأعمى والفاسق والمبتدع.

وفی مجمع الأنهر تحته: (والمبتدع) أی صاحب هوى لايكفر به صاحبه حتى اذا كفر أنه لم تجز أصلا. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، ج: ١، ص: ١٦٢، ١٦٣، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ رد المحتار على الدر

امتیوں کو بھائی کہنے والی روایت بیان کرنے والے کو گستاخ رسول کہنا؟

﴿ســوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں شہر احمد آباد میں ایک عالم دین نے عوام کے درمیان اپنے ایک خطاب میں یہ فرمایا کہ: نبی کریم ﷺ نے امتیوں کو اپنا بھائی قرار دیا ہے، جن کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور ﷺ مرحومین کو ایصال ثواب کرنے اور دعا مغفرت کے خاطر قبرستان میں تشریف لائے اور فرمایا: تم پر سلام ہوا ے مومنین کی جماعت! ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں، میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ کاش اپنے بھائیوں یعنی قیامت تک آنے والے امتیوں کو دیکھ لیتا! حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''تم میرے صحابی ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے''۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ عمرہ کے لئے روانہ ہونے لگے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اے میرے چھوٹے بھائی ہم کو اپنی دعا میں شریک کرنا اور فراموش نہ کرنا''۔

مذکورہ بالا الفاظ کی بنا پر کچھ لوگوں نے ان عالم صاحب کو گستاخ رسول قرار دیا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حضور ﷺ کا خود کو اپنی امت کا بھائی کہنا حدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا بھائی قرار دینے کی وجہ سے عالم مذکور کو گستاخ رسول اور نبی کریم ﷺ کی شان

المختار، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، ج: ٢، ص: ٢٩٩، ط، دار عالم الکتب ریاض / الدر المنتقی فی شرح الملتقی علی ہامش مجمع الأنہر، کتاب الصلاۃ، ج: ١، ص: ١٦٢، ١٦٣، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

میں توہین کرنے والا قرار دیا جاسکتا ہے؟ مذکورہ سوالات کے جوابات مفصل اور مدلل عنایت فرما کہ عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

مذکورہ عالم صاحب نے اپنے بیان میں جو دو روایتیں پیش کی ہیں وہ صحیح سند سے ثابت ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں آپ نے قیامت تک آنے والے امتیوں کو "بھائیوں" سے تعبیر فرمایا ہے، یہ حدیث شریف مسلم شریف وغیرہ میں موجود ہے۔ اسی طرح سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوٹا بھائی قرار دینے کی روایت صحیح سند سے متعدد کتب حدیث میں موجود ہے، اس لئے ان صحیح روایات کو بیان کرنے کی وجہ سے مذکورہ عالم دین کو گستاخ رسول قرار دینا اپنی کم علمی کی دلیل ہے۔

لیکن یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ اس سے حقیقی بھائی نہیں، بلکہ دینی بھائی ہونا مراد ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اخوت دینی کہ اعتبار سے تمام مسلمان اہل ایمان اولین واخرین سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

خود قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿انما المومنون اخوة﴾ اور ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے جاں نثار یار غار خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو واضح طور پر "أخی فی الدین" (دینی بھائی) قرار دیا ہے، لہٰذا اس طرح کی اخوت پر کوئی اعتراض یا اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ خرج الی المقبرة فقال: السلام علیکم دار قوم مؤمنین، وانا ان شاء الله بکم لاحقون، وودت انی قد رأیت اخواننا، قالوا: یارسول الله ألسنا اخوانک؟ قال: أنتم أصحابی، واخوانی الذین لم یاتوا بعد وأنا فرطهم علی الحوض. (سنن النسائی ۱۹/۱، صحیح مسلم ۱۲۶/۱ ـ ۱۲۷، سنن ابن ماجة ۳۱۹)

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ استأذن النبی ﷺ فی عمرۃ، فأذن لہ، وقال: یا أخی أشرکنا فی دعائک ولا تنسأنا فی دعائک. (سنن أبی داؤد ۱/ ۲۱۰، سنن ابن ماجة ۲۰۸، شعب الایمان ۶/ ۵۰۲)

قال رسول اللہ ﷺ: المسلم أخو المسلم. (مسند أحمد ۲/ ۹، صحیح البخاری ۱/ ۳۳۰، سنن الترمذی ۱/ ۲۶۳)

قال ﷺ: لو کنت متخذا من ہذہ الأمة خلیلا دون ربی عزوجل لاتخذت ابن أبی قحافة، أخی فی الدین، وصاحبی فی الغار. (مسند أحمد ۴/ ۴، سنن الترمذی ۲/ ۲۰۷)فقط واللہ تعالی اعلم (کتاب النوازل، ج: ۱،ص: ۲۷۳تا۲۷۵، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الہند)



آنحضرت ﷺ کے خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت

﴿سوال﴾:

آنحضرت ﷺ کے خدا کی طرف سے سچا پیغمبر ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

﴿جواب﴾:

آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کبھی مخلوق کی طرف سے کوئی بات نقل کرتے ہوئے بھی جھوٹ نہیں بولا، بلکہ ساری زندگی جو بات کہی، سچ کہی۔ بھلا ایسا شخص خدا کا نام لے کر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے(۱۱۲)....؟(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،

---

(۱۱۲):اخرج البخاری فی حدیث طویل أن ہرقل قال لأبی سفیان: "فہل

ص:۱۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



کیا شیطان کا علم حضور ﷺ کے علم سے زیادہ ہے؟

﴿سوال﴾:

زید کہتا ہے کہ شیطان کا علم زیادہ ہے حضور اکرم ﷺ کے علم سے اور بکر کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا علم زیادہ ہے، ان دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

شیطان ملعون کی کیا حیثیت ہے کہ اس کے علم کو زیادہ کہا جائے جب کہ حضرت رسول مقبول ﷺ کے علوم کی وہ شان ہے کہ سید الاولین والاخرین امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خالق کائنات جل شانہ نے شان نبوت کے لائق اپنی ذات وصفات اور امور اخروی سے متعلق اتنے علوم عطا فرمائے کہ دیگر تمام انبیاء وملائکہ اور تمام جن وبشر کے علوم کی حیثیت ان کے سامنے ایسی ہے جیسے بحر ناپیدا کنار کے سامنے ایک قطرہ کی ہوتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ہے(۱۱۳)۔ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور اس کے علم کے سامنے

کنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال؟" (قال ابو سفيان) "قلت: لا"....(قال هرقل لأبي سفيان) "سألتک: هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال؟ فذكرت أن لا، فقد أعرف أنه لم يكن ليذر الكذب على الناس ويكذب على الله...الخ. (صحيح البخاری، كتاب بدء الوحی، باب بلاترجمة، ص: ۳، ۴، رقم: ۷، دار السلام رياض)

(۱۱۳): في الفتح: لأن قوله ﷺ "أنا أعلمكم بالله" ظاهر في أن العلم بالله درجات، وأن بعض الناس فيه أفضل من بعض، وأن النبي ﷺ منه في أعلى الدرجات والعلم بالله يتناول ما بصفاته وما بأحكامه وما يتعلق بذلك. (فتح الباری بشرح صحيح البخاری، كتاب الايمان، باب قول النبی ﷺ: أنا أعلمكم بالله الخ، ج: ۱، ص:

تمام مخلوقات کے علوم ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے (۱۱۴)، کیونکہ حق تعالیٰ کا علم غیر

۸۹)

وفی منحة الملک الجلیل: فقوله: "أعلم بالله أنا"، یعنی أن الرسول أعلم الناس بالله، وغیره أقل علما بالله منه. (منحة الملك الجلیل شرح صحیح محمد بن اسماعیل، کتاب الایمان، باب قول النبیﷺ: أنا أعلمكم بالله، ج: ۱، ص: ۱۰۹، ط، دار التوحید)

وفی المهند علی المفند: نقول باللسان ونعتقد بالجنان ان سیدنا رسول اللهﷺ اعلم الخلق قاطبة بالعلوم المتعلقة بالذات والصفات والتشریعات من الاحکام العملیة والحکم النظریة والحقائق الحقة والاسرار الخفیة وغیرها من العلوم مالم یصل الی سرادقات ساحته احد من الخلائق لاملک مقرب ولانبی مرسل ولقد اعطی علم الاولین والاخرین وکان فضل الله علیه عظیما. (المهند علی المفند، ص: ٤٥، ط، المیزان ناشرون وتاجرون کتب لاهور)

(وکذا فی امداد الفتاوی، کتاب العقائد والکلام، ج: ۱۲، ص: ٥٤٨، ط، زکریا بك ڈپو الهند/ ج: ٦، ص: ۳۱۲، ط، مکتبه دار العلوم کراچی)

(وکذا فی منحة الباری بشرح صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب قول النبیﷺ أنا أعلمكم بالله، ج: ۱، ص: ۱٦۳، ط، مکتبة الرشد)

(وکذا فی منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب قول النبیﷺ أنا أعلمكم بالله، ج: ۱، ص: ۱۰۲، ط، مکتبة دار البیان دمشق و مکتبة المؤید المملکة العربیة السعودیة)

(۱۱۴):عن النبیﷺ قال: قام موسی النبی علیه السلام خطیبا فی بنی اسرائیل، فسئل أی الناس أعلم؟ فقال: أنا أعلم، فعتب الله علیه، اذ لم یرد العلم الیه، فأوحی الله الیه أن عبداً من عبادی بمجمع البحرین هو أعلم منک، قال: رب، وکیف لی به؟ فقیل له: احمل حوتا فی مکتل فاذا فقدته فهو ثم، فانطلق وانطلق بفتاه یوشع بن نون وحملا حوتا........فانطلقا یمشیان علی ساحل البحر، لیس لهما

متناہی ہے، اور سب کے علوم کثرت کے باوجود متناہی ہیں، حضرات اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۴۷۵)



حضور ﷺ کا خود کو گرانے کا عزم اور اس کی تحقیق

﴿سوال﴾:

کیا آنحضرت ﷺ سے کوئی ایسی روایت ثابت ہے جس کا مضمون یوں ہو کہ ”میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرادوں۔“ اگر یہ روایت آپؐ سے ثابت ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ ارادہ کب کیا تھا اور یہ کیسے ہوا؟ جبکہ خودکشی شریعت میں حرام ہے۔

﴿الجواب﴾:

یہ روایت بعض کتب حدیث میں موجود ہے، اور یہ واقعہ فترۃ الوحی کے زمانے میں پیش آیا تھا، اس روایت کو علامہ قسطلانیؒ نے امام زہریؒ سے یوں نقل کیا ہے:۔

وفتر الوحی فترة حتیٰ حزن رسول اللہ ﷺ زاده فی التعبیر من طریق معمر عن الزهریؒ فیما بلغنا حزنا غدا منه مراراً کی یتردیٰ من رؤس شواهق الجبال فکلما اوفی بذروة جبل لکی یلقی نفسه تبدیٰ له جبریل فقال یا محمد انک

سفینة فمرت بهما سفینة، فکلموهم أن یحملوهما فعرف الخضر فحملوهما بغیر نول، فجاء عصفور فوقع علی حرف السفینة فنقر نقرة أو نقرتین فی البحر، فقال الخضر: یاموسی ما نقص علمی وعلمک من علم اللہ الا کنقرة هذا العصفور فی البحر...الخ. (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب مایستحب للعالم اذا سئل: أی الناس أعلم؟ فیکل العلم الی اللہ، ص: ۳۱، ۳۲، رقم: ۱۲۲، ط، دار السلام ریاض)

رسول اللّٰہ حق فیسکن لذلک جاشه وتقر نفسه فیرجع واما ارادته علیه السلام القا نفسه من رؤس شواهن الجبال فخرنا علی مافاته من الامر الذی بشر به ورقة. (ارشاد الساری ج ۸ ص ٤٢٧ سورة اقراء باسم ربك الذی خلق۔ صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۱۲۰۔ البدایة ج ۳ ص ٤ باب کیف بدأ لوحی)

اوراس سے خودکشی ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ تو عشق ومحبت مع اللہ کا درجہ ہے، جیسے کہ ایک شخص کے دل میں تڑپ ہو کہ اللہ کی راہ میں قربان ہو جائے اور پھر جہاد کو چلے اور کفار کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے آخر شہید ہو جائے تو اس کو خودکشی نہیں کہا جاتا جو باعث عتاب ہو بلکہ یہ باعث اجر ہوتی ہے، یا یہ ابتدائی وقت تھا جب خودکشی سے ممانعت نہیں ہوئی تھی۔

اور قاضی عیاضؒ نے اس وقت پر حمل کیا ہے جب حضور ﷺ نے توحید کی دعوت پیش کی تو کفار نے اسے جھٹلایا اور انکار کر بیٹھے جس پر حضور ﷺ نہایت غمگین ہوئے۔ چنانچہ "فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰی آثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا". (سورة الکهف آیت ص ٦) میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

لما قال القسطلانی: وحمله القاضی عیاضؒ علی انه لما اخرجه من تکذیب من بلغه کقوله تعالیٰ: فعلک باخع...... الخ ولم یرد بعد شرع عن ذلک فیعترض به. (ارشاد الساری ض ۸ ص ٤٢٧ سورة اقرأ باسم ربك الذی خلق)(فتاوی حقانیه، ج: ۲، ص: ۱۹۹، ۲۰۰، ط، مکتبه سید احمد شهید اکوڑه خٹك/فتاوی محمودیه، ج: ۱، ص: ۳۸۳، ۳۸٤)



کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مجبور محض اور محتاج بندے ہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مجبور محض اور محتاج بندے ہیں یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیدا کردہ مقبول ترین اور سچے رسول ہیں، تمام انبیاء کے سردار ہیں (۱۱۵)، اللہ کے دربار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجبور اور محتاج ہیں، اللہ کے حکم کے تابع ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی عمل نہیں کرتے تھے، ہمیشہ اللہ کو خوش کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔

قُلْ لَا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہِ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ. [الأعراف: ۱۸۸]

اِنَّکَ لَاتَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَهْدِیْ مَنْ یَشَاءُ. [قصص: ٥٦]

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اِنَّمَا اِلٰـهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. [الکهف: ۱۱۰]

---

(۱۱۵): وعن أبی سعیدؓ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: أنا سید ولد آدم یوم القیامة ولافخر، وبیدی لواء الحمد ولافخر. وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی، وأنا أول من تنشق عنه الأرض ولافخر. (مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فضل سید المرسلین، الفصل الثانی، ص: ۵۱۳، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

عن ابن عباسؓ سمع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول علی المنبر: سمعت النبیﷺ یقول: لا تطرونی کما أطرت النصاری ابن مریم، فانما أنا عبده، فقولوا: عبد اللہ ورسوله.

[صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ: "واذکر فی الکتاب مریم"، النسخة الهندیة ١/٤٩٠، رقم: ٣٣٢٩، ف: ٣٤٤٥، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ١/٢٩٩، رقم: ١٩٤]فقط واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم (فتاوی قاسمیه، ج: ٢، ص: ٩٠، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



کیا حضرت یوسف علیہ السلام آنحضرتﷺ سے زیادہ سخی تھے؟

﴿سوال﴾:

ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام آنحضرتﷺ سے سخاوت میں زیادہ تھے، یہ صحیح ہے یا غلط؟

﴿الجواب﴾:

یہ کہنا اس شخص کا کہ حضرت یوسف علیہ السلام آنحضرتﷺ سے سخاوت میں زیادہ تھے غلط ہے، آپﷺ نے فرمایا ہے: **أنا أجود الناس الحدیث**. کہ میں سب بنی آدم میں سے سخی تر ہوں (١١٦)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ١٨، ص: ٢٤٠، ٢٤١، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



---

(١١٦): عن ابن عباسؓ قال: کان رسول اللہﷺ أجود الناس، وکان أجود ما یکون فی رمضان حین یلقاه جبریل، وکان یلقاه فی کل لیلة من رمضان فیدارسه

حضور اکرم ﷺ کی تمام دنیا کے لئے بعثت

﴿سوال﴾:

رسول اکرم ﷺ ساتویں صدی عیسوی میں ساری دنیا کے لئے مبعوث ہوئے تھے، ''ساری دنیا میں'' براعظم امریکا بھی شامل ہے مگر وہاں تک اسلام کی دعوت خود رسول اللہ ﷺ صحابہ کرم رضی اللہ عنہم بلکہ تابعینؒ، تبع تابعینؒ، اور اس کے بہت عرصہ بعد تک صوفیائے کرامؒ کے ذریعہ بھی نہیں پہنچی، تا آنکہ پندرہویں صدی میں امریکا دریافت ہوا، ساتوں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی عیسوی تک آٹھ سو سال امریکا مکمل جہالت کی تاریکی میں ڈوبا رہا۔

امریکا کے قدیم باشندے، جنہیں ریڈانڈین کا نام دیا گیا، وہ مظاہر پرست ہی رہے، وہ حضرت نوح علیہ السلام کے کسی بیٹے کی اولاد ہیں؟ جیسا کہ ایشیائی اقوام کو سام کی، افریقی اقوام کو حام کی اور یورپی اقوام کو یافث کی اولاد تسلیم کیا گیا ہے۔

حضرت عقبہ بن نافعؓ نے جس وقت ''بحر ظلمات'' میں گھوڑا ڈال دیا اور زمین ختم ہوجانے پر حسرت کا اظہار کیا تھا، اس وقت بھی وہاں سے بہت دور امریکا کی سرزمین موجود تھی۔ سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ کی نظر اور صحابہ کرامؓ اور صوفیائے عظامؒ کی بصیرت سے امریکا کیسے بچا رہا؟

القرآن، فلرسول الله أجود بالخير من الريح المرسلة. (صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، باب بلاترجمة، ص: ٣، رقم: ٦، ط، دار السلام رياض)

وعن أنس بن مالكؓ قال: قال رسول الله ﷺ: هل تدرون من أجود جوداً؟ قالوا: الله ورسوله أعلم. قال: الله أجود جوداً، ثم أنا أجود بني آدم، وأجودهم من بعدي رجل علم علما فنشره، يأتي يوم القيامة أميرا وحده، أو قال: أمة واحدة.

(مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثالث، ص: ٣٦، ٣٧، ط، قديمي كتب خانه كراچي)

﴿الجواب﴾:

جب معلوم دنیا میں امریکا کا وجود ہی کسی کو معلوم نہ تھا تو وہاں دعوت پہنچانے کا بھی کوئی مکلّف نہیں تھا، اور جب امریکا دریافت ہوا وہاں دعوت بھی پہنچ گئی، جن امور کا آدمی مکلّف ہے اور جس پر اس سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی، آدمی کو ان امور میں غور کرنا چاہئے، اور جن امور کا وہ مکلّف ہی نہیں ان میں غور فکر لایعنی اور بے مقصد ہے، جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ واللہ اعلم (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۱۷،۲۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



کیا حضور ﷺ پر زکوۃ فرض نہیں تھی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرضیت زکوۃ کے لئے جو نصاب شریعت میں متعین ہے، کیا وہ نصاب اگر نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہوتا تو آپ ﷺ پر زکوۃ فرض نہ ہوتی؟ گزارش ہے کہ تفصیلی جواب عطا فرمائیں، کیوں کہ قبوری شریعت کے مالکان اعلیٰ حضرت بریلوی کی ذریت نے اس مسئلہ کو بڑے زور وشور سے اچھالا ہے اور تقریباً ہر جلسہ میں اس مسئلہ کو اڑا رہے ہیں اور اس کے لئے دو عقلی دلیلیں ذکر کرتے ہیں:

(۱) زکوۃ مال کا میل کچیل ہوتا ہے اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا مال بالکل پاک صاف، دودھ سے زیادہ صاف، لہٰذا آپ ﷺ پر زکوۃ نہیں۔

(۲) پوری کائنات نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی غلام ہے اور غلام کا مال اپنا مال ہوتا ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے جیب سے مال نکال کر خود اپنے ہی جیب میں مال ڈالنا لازم آئے گا، لہٰذا معلوم ہوا کہ نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ پر زکوۃ کبھی نہیں، اگر یہ دلیلیں

درست ہیں تو الحمد للہ ورنہ ان دلیلوں کا تشفی بخش رد فرمائیں اور قرآن وسنت وائمۂ اربعہ ومتفق علیہ علماء کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

شریعت مقدسہ کے ہر احکام پر ہمیشہ سب سے پہلے صاحب شریعت سرور کائنات ﷺ نے عمل فرمایا ہے، نماز، روزہ، حج، زکوۃ یہ اسلام کے ارکان اور اساس ہیں، ان میں سے ہر ایک پر شدت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی پاک ذات نے عمل فرمایا ہے، تو اگر نماز، روزہ، حج آپ کی ذات اقدس پر فرض ہوئے ہیں، تو مالک نصاب ہونے کے بعد زکوۃ کے فرض ہونے پر کیوں اشکال ہے؟ سب کا حکم قرآن مقدس کے ذریعہ سے نازل ہوا ہے، جس طرح قرآن کریم نے نماز، روزہ، حج کا پابند بنایا ہے، اسی طرح زکوۃ کا بھی پابند بنایا ہے، اب رہی مال کے پاک صاف ہونے کی وجہ سے اشکال؟ تو اس طرح کا اشکال نماز، روزہ، حج کے فرض ہونے پر بھی ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں آپ سے سوال وجواب نہ ہونے اور جنت کے مقام محمود کی گارنٹی دے دی ہے، تو پھر نماز، روزہ، حج کی فرضیت اور پابندی کیوں ہوئی؟ تو جس طرح نماز، روزہ، حج کا حکم تھا اسی طرح زکوۃ کا بھی حکم رہا ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ساری کائنات آپ ﷺ کی غلام ہے اور غلام کا مال اپنا مال ہوتا ہے، تو ایسی دلیل پیش کرنے والے نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ آپ ﷺ جب ان غلاموں سے کوئی چیز خریدتے تھے تو پوری قیمت دے کر ہی لیا کرتے تھے تو آپ ﷺ کیوں قیمت دے کر لیتے تھے، جب غلاموں کا مال اپنا ہی مال ہوتا ہے؟ اور قیمت دے کر خریدنے کی ذخیرۂ حدیث میں بے شمار روایات موجود ہیں (۱۱۷)۔ حدیث کی کتابوں کو دیکھ لیں، ہم

---

(۱۱۷): عن سماک بن حرب، حدثنا سوید ابن قیس قال: جلبت أنا ومخرفة العبدی بزاً من هجر فأتینا به مکة فجاء نا رسول الله ﷺ یمشی فساومنا بسراویل فبعناه وثم رجل یزن بالاجر، فقال له رسول الله ﷺ: زن وأرجح. (سنن أبی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجحان فی الوزن والوزن بالأجر، ص: ٤٨٦، رقم: ٣٣٣٦، ط،

یہاں ایک روایت نقل کردیتے ہیں۔

عن أنس بن مالکؓ قال: نهينا أن نسأل ۔ الی ۔ فجاء رجل من أهل البادية، فقال: يا محمد! أتانا رسولک، فزعم لنا أنک تزعم أن الله أرسلک، قال: صدق ۔ الی قال: وزعم رسولک أن علينا خمس صلوات في يومنا وليلتنا، قال: صدق، قال: فبالذی أرسلک آللّٰه أمرک بهذا؟ قال: نعم، قال: وزعم رسولک أن علينا زكوة في أموالنا، قال: صدق، قال: فبالذی أرسلک اللّٰه أمرک بهذا؟ قال: نعم. الحديث
(مسلم شريف، كتاب الايمان، باب بيان أركان الاسلام، النسخة الهندية ۱/ ۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۲، ترمذی، أبواب الزكوة،

دار السلام رياض)

عن جابرؓ: أن النبیﷺ اشتری عبداً بعبدين. (سنن أبی داؤد، كتاب البيوع، باب فی ذلك اذا كان يداً بيد، ص: ۴۸۸، رقم: ۳۳۵۸، ط، دار السلام رياض)

وعن عروة بن أبی الجعد البارقی: أن رسول اللّٰهﷺ أعطاه ديناراً ليشتری له شاة، فاشتری له شاتين، فباع احداهما بدينار، وأتاه بشاة ودينار، فدعا له رسول اللّٰهﷺ فی بيعة بالبركة، فكان لو اشتری تراباً لربح فيه. رواه البخاری. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الشركة والوكالة، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

وعن حكيم بن حزام: أن رسول اللّٰهﷺ بعث معه بدينار ليشتری له به أضحية، فاشتری كبشاً بدينار، وباعه بدينارين، فرجع فاشتری أضحية بدينار، فجاء بها وبالدينار الذی استفضل من الأخری، فتصدق رسول اللّٰهﷺ بالدينار، فدعا له أن يبارک له فی تجارته. رواه الترمذی. وأبوداؤد. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الشركة والوكالة، الفصل الثالث، ص: ۲۵۴، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

باب ماجاء اذا أديت الزكوة، النسخة الهندية ١/١٣٤، دارالسلام، رقم: ٦١٩، رقم: ٦١٩، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٣/٣٢٢، رقم: ٦٢٨)فقط والله سبحانه وتعالىٰ اعلم۔ (فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ١١١تا١١٣، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)



کیا حضور ﷺ پر مہر دینا واجب تھا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (سورۂ احزاب، آیت نمبر: ۵۰) مورخہ ۱۹ رخون ۱۹۸۸ء کو یہ جو آزاد بہنوں کا مسئلہ میں نے آپ کے سامنے رکھا تھا اور آپ نے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی تفسیر پڑھ کر پل بھر میں حل کر دیا تھا، حقیقت میں یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں جو چٹکی بجا کر حل ہوجائے، اگر ایسا ہوجاتا تو امت محمد ﷺ جو آپسی اختلاف کی بدولت تباہ برباد ہے، ایک ہوجاتی، دنیا کی حاکم ہوجاتی، جس دن یہ مسئلہ حل ہوجائے، یقین مانیں اس دن اماموں کی کھڑی کی ہوئیں فقہاء کی دیوریں ڈھ جائیں گی اور دنیا کا تختہ پلٹ جائے گا۔ تفسیر شیخ الہند جو آپ نے پڑھ کر سنائی وہ قطعی صحیح نہیں، انصاف نہیں کہ نبی ﷺ کے لئے بلا مہر عورتیں یا بیویاں جائز اور حلال تھیں، اگر ایسا ہوتا تو آیت ابتداء میں یہ نہ کہتی کہ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ﴾ [الأحزاب: ٥٠] ”اے نبی ہم نے حلال کی تمہاری بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کر دیئے“۔ اس پہلے فقرے سے صاف واضح ہے کہ نبی ﷺ کے لئے وہی بیویاں حلال تھیں جن کے مہر انہوں نے ادا کر دیئے، اور مہر ادا کئے بنا نبی ﷺ کے لئے کوئی بیوی حلال نہیں، بلکہ حرام ہے، نبی کے لئے وہ بیویاں جن کا مہر آپ نے ادا نہیں کیا، بیویاں

چاہے ملکیت میں ہوں یا آزاد بہنیں ہوں، یا پھر مومن عورت بیوی بنانے کے لئے مہر کا ادا کرنا نبی کے لئے ضروری ہے، لہٰذا کسی حالت میں نبی کے لئے بلا مہر عورتیں جائز اور حلال نہیں حرام ہیں، اس میں ملکیت ہے اور یہ کہ ﴿خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ سے ملحق فقرے ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا﴾ [الأحزاب: ۵۰] اور مومن عورت (اگر ان میں سے) جو ہبہ کردے اپنا نفس نبی کو اگر ان میں سے جن سے نبی ارادہ کرے نکاح کا (حلال ہیں) یہ فقرہ مہروں کے متعلق ہرگز نہیں ہے، ''وهبت نفسها'' مہر و مہروں کی ادائے گی کو ہرگز نہیں کہتے، بلکہ نفس کے ہبہ کو کہتے ہیں، لہٰذا کسی بھی عالم کا یہ کہنا قطعی غلط اور بے بنیاد ہوگا کہ نبی کو مہر ادا کئے بغیر عورت حلال ہے، اللہ رب العالمین کو ''وهبت نفسها'' کے بجائے ''وهبت اجور هن'' استعمال کرنے میں کوئی مجبوری نہ تھی۔ اور ''وهبت نفسها'' میں حکمت ہے۔ اور آیت مندرجہ بالا سورۂ احزاب کی ایک مکمل آیت ہے، لہٰذا ''خالصة لک من دون المؤمنین'' اوپر والے ہر فقروں سے تعلق رکھتا ہے، اس آیت میں واضح طور پر نبی ﷺ کو اجازت ہے کہ وہ اپنی ملکیت یا آزاد بہنوں یا مومن عورت سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ نکاح کرسکتے ہیں، یہ خاص اجازت نبی ﷺ کو ہے، اور مومن مسلمانوں کو نہیں حرام ہے، مسلمانوں کے لئے ملکیت اور آزاد بہنوں کے سلسلہ میں یہ شرط ہے کہ ملکیت وہ ہوں جو جہاد میں ہاتھ لگی ہوں اور آزاد بہنیں، وہ ہوں جو آپ کے ساتھ ہجرت کی ہوئی ہوں، سوال ہوا کہ اگر خالصۃ والی بات آیت و آیت کے ہر فقرے سے متعلق ہے تو مسلمانوں کو ملکیت اور مومن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہوجائے گا، سوال صحیح ہوگا، لیکن الجھن نہیں کیوں کہ ''خالصۃ'' والی بات اللہ فوراً کہتا ہے: ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَافَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ﴾ [الأحزاب: ۵۰] واضح ہے۔ اور حکمت اس میں اشارہ ہے، سورہ نساء کی طرف: ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّهَاتُکُمْ وَاَخَوَاتُکُمْ﴾ [النساء: ۲۳] کی طرف۔

میں نے آپ سے مصلحتاً جرح نہیں کی، اس لئے جرح نہیں کی کیوں کہ جو حضرات

(جنید صاحب وحاجی مختار صاحب) میرے ساتھ تھے، ان دونوں کی نظر میں آپ بہت بڑے ولی ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس بات کا علم آپ کو بھی ہے، ان کے عقیدت مندانہ لہجے عمل سے آپ کیا ہیں اللہ بہتر جانے، لیکن آپ بہت کام کے ہیں، مجھے آپ کی سخت ضرورت ہے، جیسے موسیٰ کو ہارون کی ضرورت تھی، آپ دنیا کا تختہ پلٹ سکتے ہیں، بنی نوع انسان کو گمراہی سے بچا سکتے ہیں، اب وقت ہے قرآن واسلام کی اصلیت واضح کر دینے کا۔ فی امان اللہ آپ کا مدثر (مہدی) جواب کا منتظر۔

جواب از مفتی الطاف الرحمٰن صاحب حیات العلوم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن علیہ الرحمہ کی تفسیر صحیح اور حق ہے، ایک ذی علم کے لئے عظیم فہم وادراک کی ضرورت ہے، آپ نے دراصل قرآن کی آیت کی تفسیر اپنی رائے سے کی ہے، جو کہ صریح البطلان ہے۔ اور آپ نے اپنے زور قلم میں فقہاء کرام وائمۂ عظام کو مورد الزام ٹھہرایا، یہ آپ کی انتہائی گستاخی اور بے ادبی ہے، ان ائمۂ کرام وفقہاء عظام کی توہین، فی الحقیقت دین مبین کی توہین ہے، بظاہر آپ کے قلم سے مترشح ہو رہا ہے کہ آپ قرآنیہ فرقہ سے یا اس سے متاثر ہیں۔ حدیث وفقہ کے جو کہ ہمارے دین محمد ﷺ کا بڑا سرمایہ ہے، جس کے بغیر دین مکمل نہیں۔ اس حدیث وفقہ کے آپ منکر ہیں ''العیاذ باللہ'' فہم قرآن کے لئے مختلف علوم وفنون کی ضرورت ہے، وہ علوم خادم قرآن اور وسیلۂ علم قرآن ہیں، جن میں لغت، صرف، نحو، بلاغت، ادب، حدیث، فقہ وتاریخ وغیرہ شامل ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم سے آپ کو بالکل مس اور لگاؤ نہیں۔ اور آپ اتنے بڑے جری ہو گئے کہ آپ نے اپنی ذہن سے قرآن کا مفہوم سمجھ لیا، جب کہ صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین وائمۂ کرام وفقہاء عظام اور اسلاف محتاج ہیں، قرآن پاک کے سمجھنے میں حدیث پاک اور ارشاد نبوی ﷺ کے، بہر حال زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا، اولاً آپ تائب

ہو جائے کہ آئندہ اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر نہیں کروں گا، بلکہ محمد الرسول اللہ ﷺ کی رائے کو مقدم سمجھوں گا اور صحیح سمجھوں گا، اس کے بعد میں آپ کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن پاک میں جو لفظ" **وهبت نفسها**" آیا ہے، اس میں ہبہ کا فاعل عورت کو مانا گیا۔ اور "ہبہ" کے اصطلاحی معنی یہ ہیں:" **الهبة تمليك العين بلاعوض**" جس کے معنی ہیں: کسی چیز کا مالک بنانا بغیر کسی عوض اور بدلہ کے۔ لہٰذا جب ہبہ کے مفہوم میں ہی عوض نہیں ہے، تب پھر کسی طرح سے اس کے دوسرے معنی اپنی عقل سے مہر کے نکالنا صحیح ہوگا؟

دوسرے یہ کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کچھ خصوصیات ہیں جو کہ آپ کی ذات کے لئے مخصوص ہیں، اس میں سے یہ بھی ہے، مثلاً آپ کے لئے اور آپ کے خاندان والوں کے لئے زکوۃ کا حرام ہونا (۱۱۸)۔ اور آپ کی میراث کا وارثین میں تقسیم نہ ہونا (۱۱۹)، آپ کے لئے چار سے زائد بیویوں کا حلال ہونا (۱۲۰)، بیویوں کے

---

(۱۱۸): **وعن عبدالمطلب بن ربيعة، قال: قال رسول اللهﷺ ان هذه الصدقات انما هى أوساخ الناس، وانها لاتحل لمحمد، ولا لآل محمد. رواه مسلم.** (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب من لاتحل له الصدقه، الفصل الاول، ص: ١٦١، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

(۱۱۹): **فى تفسير ابن كثير: أنه قد ثبت فى الصحيحين من غير وجه: أن رسول اللهﷺ قال: لانورث ماتركنا فهو صدقة. وفى رواية عند الترمذى باسناد صحيح: نحن معشر الأنبياء لانورث.** (تفسير ابن كثير، سورة مريم، الآية: ٦، ج: ٥، ص: ٢١٢، ٢١٣، ط، دارطيبة)

(۱۲۰): **فى تفسير ابن كثير: قال الشافعى: وقد دلت سنة رسول اللهﷺ المبينة عن الله أنه لايجوز لأحد غير رسول اللهﷺ أن يجمع بين أكثر من أربع نسوة.**

وهذا الذى قاله الشافعى رحمه الله، مجمع عليه بين العلماء، الا ما حكى عن طائفة من الشيعة أنه يجوز الجمع بين أكثر من أربع الى تسع. وقال بعضهم:

درمیان باری کا ضروری نہ ہونا (۱۲۱)، اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت سے بلا مہر نکاح کرنا

بلاحصر. وقد يتمسک بعضهم بفعل النبی ﷺ فی جمعه بين أكثر من أربع الى تسع كما ثبت في الصحيحين، وأما احدى عشرة كما جاء في بعض ألفاظ البخاری. وقد علقه البخاری، وقد روينا عن أنس ان رسول اللّٰه ﷺ تزوج بخمس عشرة امراة، ودخل منهن بثلاث عشر، واجتمع عنده احدى عشرة ومات عن تسع. وهذا عند العلماء من خصائص رسول اللّٰه ﷺ دون غيره من الأمة. (تفسير ابن كثير، سورة النساء، الآية: ٣، ج: ٢، ص: ٢٠٩، ط، دار طيبة)

وفی الجامع لاحكام القرآن: اعلم أن هذه العدد: مثنى وثلاث، ورباع، لايدل على اباحة تسع، كما قاله من بعد فهمه للكتاب والسنة...وأما ما أبيح من ذلک للنبی ﷺ، فذلک من خصوصياته، على ما يأتی بيانه فی الاحزاب. (الجامع لاحكام القرآن، سورة النساء: ٣، ج: ٦، ص: ٣٣، ٣٤، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۱۲۱):قال اللّٰه تبارک وتعالى: ترجی من تشآء منهن وتؤیٓ اليک من تشآء ومن ابتغيت ممن عزلت فلاجناح عليک ذٰلک ادنٰی ان تقر اعينهن ولايحزن ويرضين بمآ اٰتيتهن كلهن واللّٰه يعلم ما فی قلوبكم وكان اللّٰه عليما حليما. (سورة الاحزاب: ٥١)

وفی الجامع لأحكام القرآن: واختلف العلماء فی تأويل هذه الآية، وأصح ما قيل فيها: التوسعة على النبی ﷺ فی ترک القسم، فكان لايجب عليه القسم بين زوجاته. وهذه القول هو الذی يناسب ما مضى، وهو الذی ثبت معناه فی الصحيح عن عائشة رضی اللّٰه عنها، قالت: كنت أغار على اللائی وهبن أنفسهن لرسول اللّٰه ﷺ وأقول: أوتهب المرأة نفسها لرجل؟ فلما أنزل اللّٰه عزوجل: ﴿ترجی من تشاء منهن وتؤیٓ اليک من تشآء ومن ابتغيت ممن عزلت﴾ قالت: قلت: واللّٰه ما أرى ربک الا يسارع فی هواک. قال ابن العربی: هذا الذی ثبت فی الصحيح هو الذی ينبغی أن يعول عليه. والمعنى المراد: هو أن النبی ﷺ كان مخيراً فی أزواجه، ان شاء أن يقسم قسم، وان شاء أن يترک القسم ترک. فخص النبی ﷺ بأن جعل

وغیرہ وغیرہ (۱۲۲)۔ یہی وجہ ہے کہ ۷ھ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ہبہ بغیر مہر کے کیا، مگر آپ نے اپنی شان عالی کی بنا پر بعد میں بغیر ان کی خواہش اور مطالبہ کے ان کو مہر عطا فرمایا (۱۲۳)۔ امید ہے کہ آپ ان جوابات

الأمر اليه فيه، لكنه كان يقسم من قبل نفسه دون فرض ذلك عليه، تطييباً لنفوسهن، وصونا لهن عن أقوال الغيرة التي ترقى الى ما لاينبغي. (الجامع لاحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ٥١، ج: ١٧، ص: ١٩٠، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۱۲۲):في الدر المنثور: وأخرج عبدالرزاق، وعبد بن حميد وعن ابن شهاب قال: لايحل لرجل أن يهب ابنته بغير صداق، قد جعل الله ذلك للنبي ﷺ خاصة دون المؤمنين. (الدرالمنثور في التفسير بالمأثور، سورة الأحزاب، الآية: ٥٠، ج: ١٢، ص: ٨٨)

وفي التفسير المأمون: قال قتادة: ليس لامرأة أن تهب نفسها بغير أمر ولي ولا مهر، الا للنبي، كانت له خالصة من دون الناس. (التفسير المأمون، سورة الأحزاب، الآية: ٥٠، ج: ٦، ص: ١٩٥)

وفي الجامع لاحكام القرآن: خص الله تعالىٰ رسوله في أحكام الشريعة بمعان لم يشاركه فيها أحد. في باب الفرض والتحريم والتحليل. مزية على الأمة وهيبة له، ومرتبة خص بها، ففرضت عليه أشياء ما فرضت على غيره، وحرمت عليه أفعال لم تحرم عليهم، وحللت له أشياء لم تحلل لهم، منها متفق عليه، ومنها مختلف فيه.....وأما ما أحل له ﷺ فجملته ستة عشر:...السابع: النكاح بغير صداق. (الجامع لاحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ٥٠، ج: ١٧، ص: ١٨٥، ١٨٦، ١٨٧، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(وكذا في التفسير المأمون على منهج التنزيل والصحيح المسنون، سورة النساء، الآية: ٣، ج: ٢، ص: ١٨٥)

(۱۲۳):في الاصابة: وقال ابن سعد: حدثنا محمد عمر، وأنبأنا ابن جريج،

سے مطمئن ہوں گے، ورنہ خدا آپ سے خود پوچھ لے گا اور جواب طلب کرے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مفتی الطاف الرحمٰن

۱۷/۱۱/۱۴۰۸ھ



جواب از مفتی شبیر صاحب، مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

''ہبہ'' کے معنی عربی زبان میں بلاعوض مالک بنانے اور اختیار میں دے دینے کے ہیں۔

" الهبة تمليک العين بلاعوض" [قواعد الفقه، أشرفی ديوبند ٥٥٠]

" الهبة تمليک فی الحياة بغير عوض" [لغة الفقهاء، كراچی ٤٩٢]

عن أبی الزبير، عن عكرمة أن ميمونة بنت الحارث وهبت نفسها لرسول اللهﷺ. وعن محمد بن عمر، عن موسى بن محمد بن عبدالرحمٰن، عن أبيه، عن عمرة، قال: قيل لها ان ميمونة وهبت نفسها: فقالت: تزوجها رسول اللهﷺ على مهر خمسمائة درهم، وولی نكاحه اياها العباس. (الاصابة فی تميز الصحابة، كتاب النساء، حرف الميم، ج: ٨، ص: ٣٢٣، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفی اعلام النساء: وقال ابن شهاب: هی التی وهبت نفسها للنبیﷺ وكذلک قال قتادة. وقال: وفيها نزلت (وامرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبی) الآية فقال ابن عبد البر وقول ابن شهاب الصواب. (أعلام النساء فی عالمی العرب والاسلام، ج: ٥، ص: ١٣٨، ١٣٩، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

اور باب نکاح میں عورت کے اپنی ذات کو مرد کے اختیار میں دینے کے عوض میں جو متعین مقدار مال مرد کی طرف سے عورت کو دیا جاتا ہے، اس کو مہر کہتے ہیں۔ اب قرآن کریم میں ''وھبت نفسھا'' کا معنی ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ جب بلا مہر حضور ﷺ کے ملک نکاح میں دینا مراد ہو، اب آیت کریمہ کے دونوں ٹکڑوں میں تطبیق کی صورت یوں ہوگی کہ جن بیویوں سے آپ ﷺ نے نکاح فرمایا ہے وہ دو قسم پر ہیں:

(۱) وہ بیویاں جن سے آپ نے ازخود اقدام کر کے نکاح فرمایا ہے، انہوں نے اپنے کو آپ کے ہاتھ ہبہ نہیں کیا۔

(۲) وہ مومنہ بیوی جنہوں نے اپنی ذات کو آپ کے ہاتھ ہبہ کردیا۔ اول الذکر بیویوں کے لئے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان کا مہر ادا کرنا تمام مومنین کی طرح واجب تھا، اسی طرف اللہ تعالیٰ نے: ﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ﴾ [الأحزاب: ٥٠] کے ٹکڑے سے اشارہ فرمایا ہے۔ اور موخر الذکر بیویوں کے لئے مہر ادا کرنا آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر واجب نہیں تھا، یہ آپ ﷺ کی باب نکاح میں سات خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے: ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا﴾ [الأحزاب: ٥٠] کے ٹکڑے سے بیان فرمایا ہے، اسی طرح آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح خاص طور پر مومنہ عورتوں کے ساتھ صحیح تھا، کافرہ، کتابیہ کے ساتھ نہیں، بخلاف عام مؤمنین کے کہ ان کے لئے کافرہ کتابیہ کے ساتھ نکاح صحیح اور درست ہے، اس لئے الجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فلما أخبر فی هذه الآیة أن ذلک کان خالصاله دون المؤمنین مع اضافة لفظ الهبة الی المرأة دل ذلک علی أن ما خص به النبی ﷺ من ذلک، انما هو استباحة البضع بغیر بدل، لأنه لو کان المراد اللفظ لماشارکه فیه غیره، لأن ما

كان مخصوصا به وخالصا له، فغير جائز أن تقع بينه وبين غيره فيه شركة حتى يساويه فيه اذا كانت مساواتهما في الشركة تزيل معنى الخلوص والتخصيص. (أحكام القرآن للجصاص، سورة الأحزاب، ۵۲، مکتبہ سہیل اکیڈمی لاہور ۳/۳٦٦)

مزید تفصیل ذیل کے حوالوں میں مطالعہ فرمائیں:

(أحکام القرآن للعلامہ تھانوی ۵/ ٤٤٦، أحکام القرآن للجصاص، سورۃ الأحزاب، ۵۲، مطبہ سہیل اکیڈمی لاہور ۳/۳٦۵، معارف القرآن، سورۃ الأحزاب، ۵۲، مکتبہ اشرفی دیوبند ۷/۱۸٦ تا ۷/۱۹۵، تفسیر روح المعانی، سورۃ الأحزاب، ۵۲، جز: ۲۲، مکتبہ زکریا ۱۲/۹٤، تفسیر خازن، سورۃ الأحزاب: ۵۲، مطبع دارالمعرفۃ بیروت ۳/٤۷۳، مدارک ۳/٤۷۳)فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۱۳تا۱۱۹،ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



کیا حضور ﷺ پر عورتوں سے پردہ فرض تھا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کو پردہ ضروری اور فرض تھا یا نہیں؟

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:

حضور اکرم ﷺ پر عورتوں سے پردہ فرض تھا یا نہیں؟ اسی طرح عورتوں پر

حضور ﷺ سے پردہ فرض تھا یا نہیں؟ اس بارے میں کوئی صریح روایت بندہ کی نظر سے نہیں گذری، البتہ پردہ کا مدار فتنہ پر ہے۔ اور آپ ﷺ سے اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا، اس لئے آپ ﷺ پر پردہ فرض ہونے کی بات سمجھ میں نہیں آتی، البتہ اتنی بات صراحت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ بیعت کے وقت عورتوں سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے۔

فقال رسول اللہ ﷺ: انی لا أصافح النساء، انما قولی لمائة امرأة كقولی لامرأة واحدة. الحديث (نسائی شریف، كتاب قسم الفیء، باب بيعة النساء، النسخة الهنديه ۲/ ۱۸۳، دارالسلام، رقم: ٤١٨٦، المستدرك، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز ۸/ 2481، رقم: ٦٩٤٦)فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۱۱۹، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)



حضور ﷺ کے سینہ چاک ہونے کی تحقیق

﴿سوال﴾:

جناب رسالت مآب ﷺ سینہ اقدس کو چیر کر اندر کے حصہ کو دھونے اور پھر رکھ کر سینے کا ذکر متعدد کتب میں لکھا ہے۔ کیا کسی اور نبی کا سینہ بھی اسی طرح چاک کیا گیا تھا؟ اور اس طرح چیرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا "**كنت نبيا و آدم بين الماء والطين** اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے **لولاک لما خلقت الافلاک** ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام روز ازل سے ہی نبی تھے۔ اور جب نبی تھے تو یقیناً پاک بھی ہوں گے۔ پھر سینہ کس لئے چیرا گیا۔ اگر الم نشرح لک صدرک کا مطلب سینہ چیرنا ہے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی خدا کے حضور عرض کی تھی۔ رب اشرح لی صدری۔ مگر یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی سینہ چاک کر کے دھویا گیا۔ اور سیا گیا۔ براہ کرم اس روایت پر روشنی ڈالیں۔

﴿الجواب﴾:

شق صدر کی روایات صحیح ہیں۔امام بخاریؒ وامام مسلمؒ وغیر ہما نے اپنی اپنی کتاب میں ان روایات کو نقل فرمایا ہے(۱۲۴)۔پس توہمات ذہنیہ کی بناء پر انکار کرنا خلاف تحقیق ومنافی دیانت امر ہے۔دلائل سے جب اس کا وقوع ثابت ہے تو صرف اس بناء پر اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی ضرورت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔واقعہ ہو چکا ہماری سمجھ میں آئے تو بھی

---

(۱۲۴):عن قتادة، عن أنس بن مالک، عن مالک بن صعصعة، أن النبیﷺ حدثهم عن لیلة أسری به: بینما أنا فی الحطیم۔ وربما قال فی الحجر۔ مضطجعاً اذ أتانی آت، فشق ما بین هذه الی هذه. یعنی من ثغرة نحره الی شعرته فاستخرج قلبی، ثم أتیت بطست من ذهب مملوء ایماناً، فغسل قلبی، ثم حشی، ثم أعید۔ وفی روایة: ثم غسل البطن بماء زمزم، ثم ملیء ایمانا وحکمة۔ ثم أتیت بدابة دون البغل وفوق الحمار، أبیض یقال له: البراق.الخ. (مشکلة المصابیح، کتاب الفضائل، والشمائل، باب فی المعراج، الفصل الأول، ص: ٥٢٦، ط، قدیمی کتب خانه کراچی/ صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، ص: ٧٩٤، ٧٩٥، رقم: ٣٨٨٧، ط، دار السلام ریاض/ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللهﷺ الی السموات وفرض الصلوات، ص: ٨٤، رقم: ٤١٥، ط، دار السلام ریاض)

عن أنس بن مالک، أن رسول اللهﷺ أتاه جبریل علیه السلام وهو یلعب مع الغلمان، فاخذه فصرعه فشق عن قلبه، فاستخرج القلب، فاستخرج منه علقة، فقال: هذا حظ الشیطان منک، ثم غسله فی طست من ذهب بماء زمزم، ثم لأمه، ثم أعاده فی مکانه، وجاء الغلمان یسعون الی امه۔ یعنی ظئره۔ فقالوا: ان محمداً قد قتل، فاستقبلوه وهو منتقع اللون.

قال انسؓ: وقد کنت أری اثر ذلک المخیط فی صدره. (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللهﷺ الی السموات وفرض الصلوات، ص: ٨٣، ٨٤، رقم: ٤١٣، ط، دار السلام ریاض)

اور نہ آئے تو بھی۔ روزمرہ کی زندگی میں بھی بعض واقعات ایسے پیش آجاتے ہیں کہ عقل انسانی نہ ان کی ضرورت کی قائل ہوتی ہے اور نہ ان کی کوئی توجیہ کر پاتی ہے۔ لیکن عقل انسانی کی اس درماندگی سے واقعہ کے ہوجانے پر کیا اثر پڑسکتا ہے۔ یہ ہونا اب نہ ہونے سے تو نہیں بدلا جاسکتا ہے۔

الف: اس میں اختلاف ہے کہ شق صدر آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص ہے یا دیگر انبیاء علیہم السلام کا بھی شق صدر ہوا۔

واختلف هل كان شق صدره وغسله مختصابه او وقع بغيره من الانبياء وقد وقع للطبراني في قصة تابوت بني اسرائيل ان كان فيه الطست التي يغسل فيه قلوب الانبياء وهذا مشعر بالمشاركة. (فتح الملهم: ج،۱: ص، ۳۲۳)(۱۲۵).

ب: ضرورت بروایت صحیح مسلم یہ ہے۔

فاستخرج القلب، فاستخرج منه علقة (۱۲۶) الحديث (ج ۱ : ص ۳۲۳) قلب مبارک دھویا گیا اور اس میں ایمان وحکمت بھر دیا گیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ثم جاء بطست من ذهب ممتلیء حكمة وايمان

---

(۱۲۵):(فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب الايمان، باب الاسراء برسول الله ﷺ الى السموات وفرض الصلوات، ج: ۲، ص: ۲۶۰، ط، داراحياء التراث العربي بيروت لبنان)

(۱۲۶):(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الاسراء برسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الى السموات وفرض الصلوات، ص: ۸۳، ۸۴، رقم: ۴۱۳، ط، دار السلام رياض)

فافرغها فی صدری (۱۲۷). (رواہ مسلم فتح الملہم ج ۱: ص ۳۲٤)

اور یہ اعتراض لغو ہے کہ جب آپؐ پاک تھا تو سینہ کس لئے چیرا گیا۔ قلب پاک ہی میں تو ایمان وحکمت بھرا جاتا ہے۔ نیز پاکی کے بے شمار مراتب ہیں۔ ہر پاکی سے اعلیٰ وبالا اور کمال اور پاکیزگی ہے۔ کمال کے مراتب غیر متناہی ہیں۔ ہر مرتبہ کے بعد نبی اکرم ﷺ کو مزید علو ورفعت عنایت فرمائی جاتی ہے۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کی سابقہ عبادت اس نظافت کے خلاف نہیں۔ جیسے کمالات معراج آپؐ کے سابقہ کمالات کے خلاف نہیں اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی معراج سے قبل کمالات سے خالی تھی العیاذ باللہ۔

لولاک لما خلقت الافلاک کے الفاظ حدیث صحیح کے الفاظ نہیں بلکہ مضمون صحیح ہے (۱۲۸) اور اس کا کسی حدیث سے تعارض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (خیر الفتاوی، ج:۱، ص:۳۱۱، ۳۱۲، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



(۱۲۷): (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ الی السموات وفرض الصلوات، ص: ۸٤، رقم: ٤۱۵، ط، دار السلام ریاض)

(۱۲۸): **فی کشف الخفاء: ولولاک ولولاک ما خلقت الأفلاک.**

قال الصغانی موضوع، وأقول لکن معناہ صحیح وان لم یکن حدیثاً. (کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتهر من الأحادیث علی ألسنة الناس، ج: ۲، ص: ۱۹۱، رقم: ۲۱۲۳، ط، مکتبة العلم الحدیث)

وفی الآثار المرفوعة: قال علی القاری فی تذکرة الموضوعات: حدیث لولاک لما خلقت الأفلاک، قال العسقلانی موضوع، کذا فی الخلاصة، لکن معناہ صحیح. (الآثار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة، ص: ۳۳، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

شقِ صدر اور معراج

﴿سوال﴾:

جو شخص حضرت نبی اکرم ﷺ کے شق صدر کو باطل کہتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی معراج جسمانی کو خواب وخیال سمجھتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً مسلماً﴾:

حضور اکرم ﷺ کا شق صدر، روایات صحیحہ سے ثابت ہے، تفسیر فتح العزیز تفسیر الم نشرح: ۲/۲۷۵ میں ہے کہ چار مرتبہ شق صدر ہوا ہے، ابن حبان، حاکم، اور نعیم، ابن عساکر، عبداللہ بن احمد وغیرہ ہم کی روایات صحیحہ کو استدلال میں پیش کیا ہے (۱۲۹) لہٰذا اس کا انکار

---

(۱۲۹): فی تفسیر عزیزی: روزے همراه پسران دایۂ خود در کودکان بازی کرده، درچرانیدنِ گوسفندان مشغول بودند، وبسران دایه برائے گرفتنِ نان وآذوقه پیشِ مادر خود رفته، وآنجناب تنها همراه گوسفندان در آن صحرا بودند که ناگاه دو جانور کلان بصورتِ کرگس (که آنرا در زبان هندی گِد گویند) نمودار شدند، یکے مرد یگرے راپر سید که این همان شخص ست؟ آن دیگر گفت که آری، پس هر دو متوجهِ آنحضرت صلی الله علیه وسلم شدند، وآنحضرت بسببِ ترس ازان جانوران رو بگریز نهادند، تا آنکه آن هر دو جانور هر دو بازوئے آنحضرت صلی الله علیه وسلم را گرفته بر پشت بر زمین انداختند، وبمنقار هائے خود شکم مبارکِ آنحضرت صلی الله علیه وسلم چاک کردند واز سینه آنحضرت صلی الله علیه وسلم دل مبارک رابر آورده، نیز چاک کردند، وازان خون بسته سیاه بر آورده برتافتند، وگفتند که این خونِ بسته مردار نصیبِ شیطان ست، در دل هر آدمی این را از دل او بر آوردیم، والا هر گز وسوسه شیطان را قبول نخوهد کرد.

بعد از ان یکے مر دیگرے را گفت که آبِ برف بیار، بآن آب شکمِ ایشان

ناواقفیت یا عناد پر مبنی ہے۔

معراج جسمانی مسجد اقصیٰ تک بحالت یقظہ نص قطعی سے ثابت ہے، اس کا انکار کفر ہے اور سماء دنیا تک خبر مشہور سے ثابت ہے، اس کا منکر مضل اور مبتدع ہے اور سماء دنیا سے

را بشستند، بعد ازان آبِ ژاله طلبیدند، وبآن آب دل را شستند، بعد ازان گفت که سکینه بیار، آنچیری بود بر مثالِ ذر در وآنرا بزلِ ایشان افشاند ند، بعد ازان یکے مر دیگرے را گفت که این را بد وزر وآنرا دروخته بمهرِ نبوت مهر کردند، وسینه مبارک آن حضرت صلی اللّٰہ علیه وسلم را دوخته برابر کردند، چنانچه انس بن مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه که خادم ملازمِ آنحضرت صلی اللّٰہ علیه وسلم میدیدم الخ.

دوم آنکه ابن حبان وحاکم وابو نعیم وابن عساکر وضیائی مقدسی وعبداللّٰہ بن احمد در زوائدِ مسند بسندِ صحیح روایت کرده اند که آنحضرت صلی اللّٰہ علیه وسلم چون ده ساله شدند، در صحرائے بودند که دو کس بصورتِ دو مرد ظاهر شدند، آنحضرت صلی اللّٰہ علیه وسلم میفر مودند که من مانندِ چهره هائے آن دو شخص هیچگاه چهرهٔ نورانی ندیده ام، وبوئے خوش که از انها می آمد در هیچ عطرے نشمیده ام، ومانندِ جامه هائے آن دو شخص در نفاست وصفا ودرخشند گی هیچ جامه بنظر من نیامده، آن هر دو شخص جبرئیل ومیکائیل علیهما السلام بودند، هر دو بازوئے مرا بوجهی گرفتند که اصلاً مرا معلوم نشد، وباسانی تمام بر فقره ففا مرا غلطانیدند که هیچ عضوِ من بے جانشد، و درد نه کرد، وباز آنها شکم مرا چاک کردند، واصلا خون نه بر آمد، ودرد نه شد، ویکے از آنها آب درطشتِ زرین می آورد، ودیگر تمام درد نه مرامی شست، بازیکے مر دیگرے را گفت که دلِ این را چاک کن، وغل وحسد را ازوے دور کن، خونِ بسته بر آوردند، وبر تافتند، باز گفت مهر بانگی وشفقت در دلِ این بیند، از چیزے بصورتِ تل سیمین آورده در دلِ من انداختند، ودوائے خشکی برمثالِ زر در بالائے آن پاشیدند، باز انگشت آنحضرت صلی اللّٰہ علیه وسلم لا گزفته، گفتند

آگے جنت وعرش وغیرہ تک خبر واحد سے ثابت ہے، اس کا منکر فاسق ہے۔

فی العقائد النسفیة: " والمعراج لرسول اللّٰہ ﷺ فی الیقظة بشخصه الی السماء ثم الی ماشاء اللّٰہ تعالیٰ من العلی حق" قال التفتازانی تحت (قوله: حق)" أی ثابت بالخبر المشهور حتی أن منکره یکون مبتدعاً (الی أن قال) فقوله: فی الیقظة اشارة الی الرد علی من زعم أن المعراج کان فی المنام (الی أن قال) وقوله: بشخصه اشارة الی الرد علی من زعم أنه کان للروح فقط(الی أن قال) وقوله: الی السماء اشارة الی الرد علی من زعم أن المعراج فی الیقظة لم یکن الا الی بیت المقدس علی مانطق به لکتاب وقوله: (ثم الی ما شاء اللّٰہ) اشارة الی اختلاف أقوال السلف، فقیل: الی الجنة، وقیل: الی العرش، وقیل: فوق العرش الی طرف العالم.

که که بر دو سلامت باش آنحضرت صلی اللّٰہ علیه وسلم فرمودند که من اذاں وقت در دلِ خود شفقت ورحمت بر هر صغیر وکبیر می یابم، واین بار آنحضرت صلی اللّٰہ علیه وسلم چون سنِ بلوغ قریب رسیده بود لوازمِ جوانی میل بشهوت وسورتِ غضب ست، برائے عصمت از گنا هائے که تعلق باین دو صفت دارند، وبیشتر غلبه آنها در جوانی وما بعد جوانی ست شقِ صدر مکرر واقع شد. سوم آنکه چون هنگامِ بعثت قریب ست، وزمان نزولِ وحی بر دل مبارکِ آنحضرت صلی اللّٰہ علیه وسلم نزدیک آمد، بارِ دیگر دلِ ایشاں را برائے تنقیه وتقویت چاک کردند......چهارم: شب معراج، واین بار شقِ صدر برائے آن بود که دل مبارکِ آنحضرت صلی اللّٰہ علیه وسلم قوتِ سیر عالم ملکوت بهم سازند، وطاقت دیدن تجلیات بدیهه وانوارِ مثله لیه پیدا کند. (تفسیر عزیزی، سورة الم نشرح: ۲۳۰، ۲۳۲، ارگ بازار قندهار)

فالاسراء وهو من المسجد الحرام لى بيت المقدس قطعى ثبت بالكتاب، والمعراج من الأرض الى السماء مشهور، ومن السماء الى الجنة أو الى العرش أوغير ذلك احاد". شرح عقائد نسفي، ص: ۱۰۴ (۱۳۰).

" قال أهل السنة بأجمعهم: ان المعراج الى المسجد الأقصى قطعى ثابت بالكتاب، والى سماء الدنيا ثابت بالخبر المشهور، والى مافوقه من السموات ثابت بالآحاد، فمنكر الأول كافر ألبتة، ومنكر الثانى مبتدع مضل، ومنكر الثالث فاسق". تفسير احمديه" ص: ۵۰۳. فقط والله سبحانه تعالى اعلم(فتاوی محمودیه، ج: ۱، ص: ۳۹۳ تا ۳۹۶)



رسول اللہ ﷺ کا شق صدر

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے امام صاحب نے یہ بات بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ کے شق صدر کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ حالانکہ یہ بات میں نے پہلی دفعہ سنی ہے۔ آپ وضاحت فرمائیں تا کہ میرا یہ خلجان دور ہو جائے۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

رسول اللہ ﷺ کے شق صدر کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً موجود نہیں ہے البتہ بعض حضرات کی رائے کے مطابق الم نشرح لک صدرک کا مدلول یہی ہے۔

---

(۱۳۰):(شرح العقائد النسفية، مسألة المعراج، ص: ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشى)

قال اللّٰہ تعالیٰ (الانشراح: ۱): أَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ.

لمافی تفسیر روح المعانی (۲۱۲/۳۰): وعن ابن عباسؓ وجماعة انه اشارة الی شق صدر الشریف فی صباه علیه الصلاة والسلام.

وفی احکام القرآن للقرطبی (۱۰۴/۲۰): وفی الصحیح عن انس بن مالک عن مالک بن صعصعة رجل من قومه ان النبیﷺ قال فینا انا عند البیت بین النائم والیقظان اذ سمعت قائلا فاتیت بطست من ذهب فیها ماء زمزم فشرح صدری الی کذا وکذا.

وفی التفسیر المنیر (۲۹۴/۳۰): وقیل المراد بذلک شرح صدره لیلة الاسراء کما رواه الترمذی عن مالک بن صعصعة قال ابن کثیر ولکن لامنافاة فان من جملة شرح صدره الذی فعل بصدره لیلة الاسراء. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۴۹)



معراج کا واقعہ عالم بیداری میں پیش آیا تھا یا خواب میں؟

﴿سوال﴾:

جناب سرور کائناتﷺ کو معراج شریف بہ جسد شریف خاکی ہوئی یا روحانی عالم بیداری یا عالم خواب (میں)؟

﴿الجواب﴾:

آنحضرت ﷺ کو معراج بسجدہ الشریف عالم بیداری میں ہوئی۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

’’وخبر المعراج أی بجسد المصطفیٰ ﷺ یقظةً الی السماء ثم الی ماشاء اللّٰہ تعالیٰ فی المقامات العلٰی حق الخ، فمن ردّہ ...... فھو ضالّ مبتدع‘‘ (۱۳۱)(شرح فقہ اکبر، ص: ۱۳۵)

اور مرقاۃ میں ہے:

’’والحق الذی علیہ أکثر الناس ومعظم السلف وعامة المتأخرین من الفقھاء والمحدثین والمتکلمین أنہ أسری بجسدہ‘‘ (۱۳۲). فقط واللّٰہ اعلم (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۳۶، ۲۳۷، ط، مکتبة دار العلوم دیوبند)



---

(۱۳۱):(شرح الفقہ الأکبر، بحث فی أن المعراج حق، ص: ۱۰۰، دار الکتب العربیة الکبریٰ مصر)

(۱۳۲):(مرقات شرح مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی المعراج، الفصل الاول، ج: ۱۰، ص: ۵٤۷، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی بیان السنة والجماعة: ونقول المعراج لرسول اللّٰہ ﷺ حق أی ثابت بالخبر المشھور حتی ان منکرہ یکون مبتدعاً وانکارہ وادعاء استحالتہ انما یبتنی علی أصول الفلاسفة وقد أسری بالنبی محمد ﷺ من المسجد الحرام الی المسجد الأقصی کما نطق بہ الکتاب و منہ عرج بشخصہ خلافاً لمن زعم أنہ کان للروح فقط فی الیقظة خلافاً لمن زعم أنہ کان فی المنام. (شرح العقیدة الطحاویة، بیان السنة والجماعة، ص: ۷۵، ط، دار الفکر المعاصر بیروت لبنان)

معراج جسمانی یا روحانی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی تھی یا روحانی؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

جمہور کے نزدیک آپ ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی۔ البتہ بعض حضرات نے بعض آثار کی وجہ سے تطبیق یہ بیان کی ہے کہ آپ کو دو دفعہ معراج ہوئی، اول روحانی اور دوئم جسمانی۔

لقوله تعالیٰ (الاسراء: ۱): سبحن الذی اسریٰ بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصا الاية وفی روح المعانی (۱۵/ص ۷): واختلف ايضا انه فی اليقظة اوفی المنام...... وذهب الجمهور الى انه فی اليقظة ببدنه وروحه ﷺ والرويا تكون بمعنی الرؤية فی اليقظة كما فی قول الراعی يصف صائدا ۔

وكبر للرؤيا وهش فؤاده
وبشر قلبا كان جما بلاله

......وذهبت طائفة...... بان لاسراء كان مرتين احداهما فی نومه ﷺ قبل النبوة.... ثم اسری بروحه وبدنه بعد النبوة قال فی الكشف وهذا هو الحق به يحصل الجمع بين الاخبار.

وفی احكام القرآن للقرطبی (۱۰/۲۰۸): هل كان

اسـراء بـروحـه اوجسـده اختلف فی ذلک السلف والخلف فذهبت طائفة الی انه اسراء بالروح....وذهب معظم السلف والـمسـلـمیـن الـی انـه کـان اسراء بالجسد وفی الیقظة وانه رکـب البـراق بـمکة ووصل الی بیت المقدس وصلی فیه ثم اسری بجسده.

وفـی تـفسیـر کبیـر(۲۰/۱۴۸):اختـلف فـی کیفیة ذلک الاسـراء فالاکثرون من طوائف المسلمین اتفقوا علی انـه اسـری بجسد رسول اللهﷺ والاقلون قالوا انه مااسری البروحه.

وفـی الـمـرقـات(۱۱/۱۳۸): فـی شرح السنة قـال الـقـاضـی عیـاض اختلف الناس فی الاسراء برسول اللهﷺ فقیل انما کان جمیع ذلک فی المنام والحق الذی علیه اکثر الـنـاس ومـعـظـم السـلف وعـامة الـمتـاخرین من الفقهـاء والـمـحدثین والمتکلمین انه اسری بجسده. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۷۱،۲۷۲)



شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آپ ﷺ نے نفل نماز پڑھائی تھی یا فرض؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ معراج کے موقع پر آپ ﷺ نے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کرائی تھی اس نماز میں انبیاء علیہم السلام اپنے

جسموں کے ساتھ حاضر تھے یا صرف روحیں موجود تھیں نیز وہ نفل نماز تھی یا فرض نماز؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات جو انبیاء کی امامت کرائی تھی وہ نفل نماز تھی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحیں وہاں موجود تھیں۔

وفی مرقات المفاتیح (۱۱/ ۱۴۳): قال ابن الملک فی شرح المشارق المرئی کان ارواح الانبیاء متشکلة بصورهم التی کانوا علیها الاعیسی فانه مرئی بشخصه وسبقه التوربشتی حیث قال ورویة الانبیاء فی السموات وفی بیت المقدس یحمل علی رؤیة روحانیتهم الممثلة بصورهم التی کانوا علیها غیر عیسی فان رویته محتملة للامرین او احدهما.

لما فی السراجية(ص ۲۲): امامة النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لیلة المعراج لارواح الانبیاء علیهم السلام کانت فی النافلة. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۷۰،۲۷۱)



معراج کس تاریخ میں ہوئی؟

﴿سوال﴾:

معراج شریف جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس ماہ اور کس تاریخ میں ہوئی ہے، گو اس میں اختلاف ہے مگر مشہور اور اولیٰ کونسی روایت ہے؟

﴿الجواب﴾:

قال فی ردالمحتار فی شرح قول صاحب

الدرالمختار فی کتاب الصلاۃ: فرضیت فی الاسراء لیلة السبت سابع عشر رمضان قبل الھجرة بسنة ونصف الخ:
قوله: (فرضت فی الاسراء) نقله أیضا الشیخ اسماعیل" الأحکام شرح درر الحکام"ثم قال: وحاصل ماذکره الشیخ محمد البکری نفعنا اللّٰہ تعالیٰ ببرکاته فی "الروضة الزھراء" أنھم اختلفوا فی أی سنة کان الاسراء بعد اتفاقھم علی أنه کان بعد البعثة؟ فجزم جمع بأنه کان قبل الھجرة بسنة، ونقل ابن حزم الاجماع علیه، وقیل بخمس سنین، ثم اختلفوا فی أی الشھور کان؟ فجزم ابن الأثیر والنووی فی فتاویه بأنه کان فی ربیع الأول، قال النووی: لیلة سبع وعشربن، وقیل فی ربیع الأخر، وقیل فی رجب، وجزم به النووی فی "الروضة"، تبعا للرافعی وقیل فی شوال، وجزم الحافظ عبدالغنی القدسی فی سیرته بأنه لیلة السابع والعشرین من رجب، وعلیه عمل أھل الأمصار انتھی. (۱۳۳)۔

خلاصہ اور حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ صاحب درمختار نے یہ فرمایا کہ نماز معراج کی رات میں فرض ہوئی جو کہ رمضان شریف کی سترہ تاریخ تھی، ہجرت سے ڈیڑھ برس پہلے یعنی سن گیارہ نبوی میں، شامی نے کہا کہ یہ قول شیخ اسماعیل نے نقل کیا ہے احکام شرح درر حکام میں، پھر یہ کہا کہ شیخ محمد بکری نے روضۃ الزہراء میں فرمایا کہ معراج کے سال میں اختلاف ہے بعد متفق ہونے کے اس پر کہ معراج بعثت کے بعد ہوئی، سوایک جماعت نے اس پر یقین کیا کہ ہجرت سے ایک برس پہلے ہوئی، اور ابن حزم نے اس پر اجماع نقل کیا اور

---

(۱۳۳):(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، ج: ۲، ص: ٤، ط، دار عالم الکتب ریاض)

کہا گیا کہ ہجرت پانچ برس پہلے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ معراج کس مہینہ میں ہوئی، سو ابن اثیر اور امام نوویؒ نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا کہ ربیع الاول کی ستائیس تاریخ میں اور بعض نے کہا کہ ربیع الثانی میں اور کہا گیا کہ رجب میں ہوئی، امام عبدالغنی قدسی نے سیرت میں اس پر یقین کیا کہ معراج ستائسویں رجب کو ہوئی اور اسی پر عمل ہے اہل امصار کا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۱۸،ص:۲۳۷، ۲۳۸، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



انبیاء کی امامت کا واقعہ معراج سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟

سوال:

مسجد اقصی میں نبی کریم ﷺ نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی تھی، یہ واقعہ معراج سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ اگر پہلے کا ہو تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے تمام انبیاء سے حضور کا تعارف کیوں کرایا؟

الجواب:

رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کی امامت آسمان پر تشریف لے جانے سے پہلے کی یا آسمان سے اترنے کے بعد؟ اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے، اور دونوں طرح کے اقوال موجود ہیں، مشہور مؤرخ، محدث اور مفسر علامہ ابن کثیر کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ امامت آسمان سے اترنے کے بعد فرمائی تھی، اور اس کے لئے انہوں نے دو دلیلیں دی ہیں" اول تو یہی کہ اگر آپ ﷺ نے پہلے امامت کی ہوتی تو آسمان پر تعارف کی حاجت نہ ہوتی، دوسرے یہ کہ بعض روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے امامت فرمائی، بظاہر نماز کے وقت سے نماز فجر ہی مراد ہو سکتی ہے، اور زیادہ امکان یہی ہے کہ فجر کا وقت آپ کی واپسی پر ہوا ہوگا (۱۳۴)۔ ویسے سیرت کی اکثر کتابوں میں پہلے

(۱۳۴):في البداية: ثم هبط رسول الله ﷺ الى بيت المقدس و الظاهر أن

امامت کا ذکر ہے، ایسی صورت میں آسمان پر آپ ﷺ کے تعارف کو تکریم واحترام پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ بعض دفعہ کسی شخص کی تعظیم کے طور پر بھی اس کا تعارف کرایا جاتا ہے۔
واللہ اعلم (کتاب الفتاوی، ج:۱، ص: ۵۳۷، ۵۳۸، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



معراج کا جوتوں سمیت اور بغیر پردہ کے ہونا ثابت ہے یا نہیں

﴿سوال﴾:

ایک شخص کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب معراج میں اللہ پاک سے ملاقات کرنے تشریف لے گئے، جب آپ ﷺ پہنچے تو اللہ پاک نے فرمایا کہ اے میرے حبیب جوتوں سمیت آیئے تاکہ میرا عرش مزین ہو جائے، چنانچہ آپ مع جوتوں کے عرش پر گئے اور یہ بھی کہتا ہے کہ آپ ﷺ اور اللہ پاک کے مابین بغیر کسی پردہ وغیرہ کے باتیں ہوگئیں، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

نعلین شریفین کے متعلق یہ بات کہ حضرت حق جل جلالہ نے حضور ﷺ کو نعلین

الانبیاء هبطوا معه تکریما له وتعظیما عند رجوعه من الحضرة الالهیة العظیمة کما هی عادة الوافدین لایجتمعون باحد قبل الذی طلبوا الیه، ولهذا کان کلما مر علی واحد منهم یقول له جبریل عند ما یقدم ذلک للسلام علیه هذا فلان نسلم علیه، فلو کان قد اجتمع بهم قبل صعوده لما احتاج الی تعرف بهم مرة ثانیة. ومما یدل علی ذلک أنه قال فلما حانت الصلاة: أممهم. ولم یحن وقت اذ ذاک الا صلاة الفجر فتقدمهم امامهم عن أمر جبریل فیما یرویه عن ربه عزوجل، فاستفاد بعضهم من هذا أن الامام الاعظم یقدم فی الامامة علی رب المنزل حیث کان بیت المقدس محلتهم ودار اقامتهم..الخ. (البدایة والنهایة، ج: ۳، ص: ۱۱۲، ۱۱۳، ط، مکتبة المعارف بیروت لبنان)

سمیت عرش پر بلایا بعض سیر وتفاسیر میں مذکور ہے۔ واعظ اسے دیکھ کر بیان کردیتے ہیں مگر سند اور صحت کے لحاظ سے ہمیں اس کی کوئی پختہ سند نہیں ملی۔

اور حضور ﷺ کا لیلۃ المعراج میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت بغیر حجاب سے مشرف ہونا ثابت ہے اگرچہ کلام بغیر حجاب کا صراحۃً ثبوت نہیں ہے(۱۳۵)۔ فقط واللہ اعلم (کفایۃ المفتی، ج:۱، ص:۱۰۴، ۱۰۵، ط، دارالاشاعت کراچی)



(۱۳۵): وقال القاضی عیاض[رحمه اللّٰه]: اختلف السلف والخلف، هل رأی نبیناﷺ ربه لیلة الاسراء، فأنكرته عائشة، وهو المشهور عن ابن مسعود. والیه ذهب جماعة من المحدثین والمتكلمین. وروی ابن عباس أنه رأی بعینه، ومثله عن أبی ذر وكعب والحسن كان یحلف علی ذلك، وحكی مثله عن ابن مسعود وأبی هریرة وأحمد بن حنبل. وحكی اصحاب المقالات عن أبی الحسن الأشعری وجماعة من أصحابه [رضی اللّٰه عنهم] أنه رآه. (مرقاة الفاتیح شرح مشكاة المصابیح، كتاب أحوال القیامة وبدء الخلق، باب رؤیة اللّٰه تعالٰی، الفصل الثالث، ج: ١٠، ص: ٣٢٦، ط، دار الكتب العلمیة بیروت لبنان)

عن ابن عباس: أنه رآه بعینه، هذا هو المشهور عنه، وحجته قوله تعالٰی: (ماكذب الفؤاد ما رأیٰ. [النجم: ١١]). وقال عبداللّٰه بن الحارث: اجتمع ابن عباس وكعب، فقال ابن عباس: اما نحن بنو هاشم فنقول: ان محمداً رأی ربه مرتین. ثم قال ابن عباس: أتعجبون أن الخلة تكون لابراهیم، والكلام لموسٰی، والرؤیة لمحمدﷺ وعلیهم أجمعین. قال: فكبر كعب حتی جاوبته الجبال، ثم قال ان اللّٰه قسم رؤیته وكلامه بین محمد وموسٰی علیهما السلام، فكلم موسٰی ورآه محمدﷺ.

وحكی عبدالرزاق ان الحسن كان یحلف باللّٰه لقد رأی محمد ربه....

وحكی ابن اسحاق أن مروان سأل أبا هریرة: هل رأی محمد ربه؟ فقال: نعم.

کیا حضور ﷺ کی عمر کے ۲۷ ر سال معراج میں گذرے ہیں؟

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا یہ بات صحیح ہے کہ جب آپ ﷺ کے پاس قبض روح کے لئے ملک الموت آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری کل عمر ۹۰ ر برس کی ہے اور ابھی میری عمر سے ۶۳ ر سال گذرے ہیں، ۲۷ ر برس کہاں گئے؟ تو ملک الموت نے جواب دیا کہ ۲۷ ر برس آپ کی عمر کے معراج میں گذرے ہیں؟ کیا واقعی کسی حدیث یا تاریخ میں ایسا ذکر ہے؟ اگر نہیں ہے تو ایسا کہنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ اور عدم صحت کی صورت میں سننے والوں پر کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ براہ کرم حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔ اللہ آپ کو اجر عطا فرمائے گا۔

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ کسی صحیح حدیث یا معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گذارا، آپ ان سے اس کا حوالہ

وحكى النقاش عن أحمد بن حنبل أنه قال: أنا أقول بحديث ابن عباس: بعينه رآه رآه... حتى انقطع نفسه، يعني نفس أحمد.

والى هذا ذهب الشيخ أبو الحسن الأشعري وجماعة من اصحابه: أن محمداً ﷺ رأى الله ببصره وعيني رأسه. وقاله أنس وابن عباس وعكرمة والربيع والحسن. وكان الحسن يحلف بالله الذى لااله الاهو لقد رأى محمد ربه. (الجامع لأحكام القرآن، ج: ۸، ص: ٤٨٤، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(وكذا في المفهم لما أشكل من كتاب تلخيص مسلم، كتاب الايمان باب هل رأى محمد ﷺ ربه؟، ج: ۱، ص: ٤٠١، ٤٠٢، ط، دار ابن كثير، مشق وبيروت)

(وكذا في الكوكب الوهاج والروض البهاج في شرح صحيح مسلم بن الحجاج، كتاب الايمان، باب في ذكر الاختلاف هل رأى محمد ﷺ ربه؟، ج: ٤، ص: ۲٥٠، ط، دار طوق النجاة، بيروت لبنان)

طلب فرمائیں کہ کہاں سے بیان کررہے ہیں؟ سننے والوں پر کوئی گناہ تو نہیں، لیکن اس طرح غیر مستند باتوں پر یقین بھی نہیں کرنا چاہئے، جن وعظ کی کتابوں میں اس قسم کی باتیں موجود ہیں وہ غیر مستند ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاوی قاسمیہ، ج:۲،ص:۱۰۸، ۱۰۹، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



شبِ معراج میں نبی ﷺ کا اللہ کی زیارت کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

ماقولكم (رحمكم الله) فى رؤية النبى ﷺ ربه ليلة المعراج؟

﴿الجواب﴾:

اختلف اصحاب النبى ﷺ ومن بعدهم فى هذه المسألة والأحوط أن يتوقف الانسان ولا يجزم فى ذالك بشى لأن لايلزم تخطيئة احد الطرفين وفى كلاهما من اصحاب النبى ﷺ ولان الأيات لاتدل على احد المعانى بالصراحة والاحاديث ايضا آحاد لاتثبت بها العقيدة ومع هذا لاتعلق بالرؤية وعدمها عمل من اعمالنا.

لمافى فتح الملهم: (٤١٦/٢-٤١٧، طبع دارلاعلوم كراچى)

اختلف السلف فى رؤية النبى ﷺ ربه فذهبت عائشة وابن مسعودؓ الى انكارها واختلف عن ابى ذرؓ وذهب جماعة الى اثباتها...... (۴۷۱/۲)......وقد رجح القرطبىؒ فى المفهم قول الوقف فى هذه المسئلة وعزاه جماعة من المحققين وقواه بانه ليس فى الباب دليل قاطع وغاية مااستدل به للطائفتين ظواهر متعارضة قابلة للتأويل قال

ولیست المسئلة من العملیات فیکتفی فیها بالادلة الظنیة وانما هی من المعتقدات فلا یکتفی فیها الا بالدلیل القطعی.

ولما فی شرح الفقه الاکبر: (ص ۳۱۳،طبع بیروت)

اختلفوا فی جواز ها فی الدنیا شرعا فاثبتها اکثرون ونفاهم اخرون، ثم الذین أثبتوها فی الدنیا خصوها وقوعها لهﷺ فی لیلة الاسراء علی خلاف فی ذالک بین السلف والخلف من العلماء والصحیح انهﷺ رأی ربه بفؤاده لابعینه کما فی شرح العقائد وغیره وهکذا فی النبراس: (ص ۲۹۵، طبع) (فتاوی عباد الرحمٰن، ج: ۱، ص: ۷۸، ط، ایجوکیشنل پریس کراچی)



شبِ معراج میں اقتداء کرنے والے انبیاء علیہم السلام کی تعداد

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شب معراج میں مسجد اقصیٰ میں حضورﷺ کے پیچھے سوالاکھ انبیاء علیہم السلام نے نماز پڑھی، یا کچھ کم زیادہ نے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

بعض احادیث میں صراحت ہے کہ شب معراج میں آنحضرتﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی اور انبیاء علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں احادیث مختلف ہیں، ان میں سے ایک روایت ایک لاکھ چوبیس ہزار کی بھی ہے، اس روایت کے اعتبار سے حضورﷺ نے شب معراج میں پورے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی ہے۔

أخرج أحمد عن ابن عباس ـ رضى اللّٰه عنه ـ حديثا طرفه هذا: قال: فلما دخل النبیﷺ المسجد الأقصیٰ، قام يصلى، ثم التفت، فاذا النبيون أجمعون يصلون معه. (مسند أحمد ١/ ٢٥٧، رقم: ٢٣٢٤، تفسير ابن كثير ٣/٢٣)

عن أبى ذر ـ رضى اللّٰه عنه ـ قال: فقلت يارسول اللّٰه؟ كم النبيون؟ قال: مائة ألف وأربعة وعشرون ألف نبى. الحديث (مستدرك، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز ٤/١٠٦١، رقم: ٤١٦٦)

وقدر روى بيان عددهم فى بعض الأ حاديث على ماروى أن النبى عليه السلام سئل عن عدد الأنبياء، فقال: مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا. وفى رواية: مائتا ألف وأربع وعشرون ألفا، والأولیٰ أن لايقتصر على عدد فى التسمية. (شرح عقائد، مكتبه نعيميه ديو بند: ١٣٨) **(١٣٦)**فقط واللّٰه

---

(١٣٦):**وعن أبى ذرؓ، قال: قلت: يارسول اللّٰه[ﷺ]! أى الأنبياء كان أول؟ قال: آدم. قلت: يارسول اللّٰه[ﷺ]! ونبى كان؟ قال: نعم نبى مكلم قلت يا رسول اللّٰه كم المرسلون قال ثلثمائة وبضعة عشر جما غفيراً وفى رواية عن ابن امامة قال ابوذرؓ قلت يارسول اللّٰه كم وفاء عدة الانبياء قال مائة الف واربعة وعشرون الفا الرسل من ذلک ثلثمائة وخمسة عشرا غفيرا.** (مشكاة المصابيح، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء، الفصل الثالث، ص: ٥١١، قديمى كتب خانه كراچى)

وفى شرح الفقه الأكبر: وقد ورد فى مسند أحمد رحمه اللّٰه أنه عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فقال مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا والرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة عشر أولهم آدم عليه الصلاة والسلام

سبحانه و تعالیٰ اعلم (فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۱۰۲، ۱۰۳، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



شب معراج سے قبل حضورؐ کونسی نماز پڑھتے تھے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شب معراج سے قبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کون سی نماز پڑھتے تھے اور کتنے وقت کی؟ زید کہتا ہے باضابطہ نماز تو معراج میں ملی ہے۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

اس وقت نماز فرض تو نہیں تھی لیکن نوافل پڑھتے تھے اور نوافل کے لئے وقت اور تعداد متعین نہیں ہے، البتہ صلوٰۃ الفجر وصلوۃ العصر کا پڑھنا بعض روایات سے ثابت ہے۔

أقول: ان صلاة الصبح والعصر كان يؤديها النبى

وآخرهم محمد صلى الله عليه وعلى آله وسلم وهو لاينافى قوله تعالى ولقد أرسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك فان نبوت الاجمال لاينافى تفصيل الاحوال نعم الأولى أن لايقتصر على الاعداد فان الآحاد لاتفيد الاعتماد فى الاعتقاد بل يجب كما قال الله تعالىٰ كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله أن يؤمن ايمانا اجماليا من غير تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الاصفياء. (شرح الفقه الأكبر، بحث فى أن الأنبياء منزهون عن الكبائر والصغائر، ص: ۵۵، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

(وكذا فى ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فى عدد الأنبياء والرسل عليهم الصلاة والسلام، ج: ۲، ص: ۲۴۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل لیلۃ الاسراء فلاحاجۃ الی تعلیمہا، وقد ذہب بعض العلماء الی فرضیۃ الفجر والعصر قبل لیلۃ الاسراء وکثیر من آیات القرآن دالۃ علی ہاتین الصلاتین وفی الصحیحین أنہ علیہ السلام صلی بالنخلۃ حین ذہب عامداً الی عکاظ واستمع لہ الجن وجہر بالقراء ۃ واتفق العلماء علی أنہ علیہ السلام کان یصلی الفجر. الخ.

[العرف الشذی علی ہامش الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی مواقیت الصلوۃ ۱/ ۳۹] فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(فتاوی قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۳۵۱، ۳۵۲، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الھند)



ہجرت کی رات صدیق اکبرؓ کا آنخضرت علیہ السلام کو کندھوں پر اٹھانے کا ثبوت

﴿سوال﴾:

ایک مولوی صاحب نے تقریر میں یہ کہا کہ ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب غارِثور کی طرف تشریف لے جارہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں پر سوار تھے۔ اور فتح مکہ کے وقت کعبہ سے تصویریں اور بت اتارنے کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ اے علی تو میرے کندھوں پر چڑھ کر ان کو اتار دے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ اللہ کے نبی ہیں اور میں آپ کے کندھوں پر چڑھنے کی بے ادبی کیسے کروں۔ تو اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے علی: میں نبی ہوں اور نبوت کے وزن کی وجہ سے تو مجھ کو

اپنے کندھوں پر نہیں اٹھا سکتا۔ القصہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان بلند ہے کہ انہوں نے اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔

ایک دوسرے سید صاحب کہتے ہیں کہ مولوی صاحب مذکور نے غلط بیانی کی ہے۔ نہ ہی ابوبکر صدیقؓ کے کندھوں پر حضورؐ سوار ہوئے اور نہ حضرت علیؓ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تو میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اور ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

اور یہ شاہ صاحب اور وہ مولوی صاحب دونوں اہلسنت والجماعت ہونے کے مدعی ہیں۔ آپ فرمائیں کہ مولوی صاحب کے بیان کردہ دونوں واقعے سچے ہیں؟ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت کے دلائل کیا ہیں؟

﴿الجواب﴾:

بوقتِ ہجرت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھانے کا ذکر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تاریخ میں بحوالہ بیہقی کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

لما حفیت رجلا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم حمله الصدیقؓ علی کاهله اهـ.

لیکن آخر میں فرماتے ہیں:

"وفی هذا السیاق غرابة ونکارة". [ج: ۱، ص: ۱۸۰]

اور فتح مکہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ والا واقعہ بھی بعض سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے۔ [دیکھئے سیرت محمدیہؐ غزوہ فتح مکہ]۔ لیکن اس کے الفاظ بعینہٖ وہی نہیں جو سوال میں درج ہیں۔ بلکہ اس سے کچھ مختلف الفاظ ہیں۔ پس سید صاحب واقعہ اول کی تغلیظ کرنا بے جا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

اوراسی پرامت کااجماع ہے(۱۳۷)۔وعن محمد بن الحنفية قال قلت لابی ای

(۱۳۷): قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: الا تنصروه فقد نصره اللّٰه اذ أخرجه الذين كفروا ثانى اثنين اذ هما فى الغار اذ يقول لصحبه لاتحزن ان اللّٰه معنا. الى آخر الآية. (سورة التوبة: ٤٠)

وفى تفسير القرطبى تحت هذه الآية: قوله تعالىٰ: ﴿اذ يقول لصٰحبه لاتحزن ان اللّٰه معنا﴾ هذه الآية تضمنت فضائل الصديق رضى اللّٰه تعالىٰ عنه. وروى أصبغ وأبو زيد عن ابن القاسم عن مالك: ﴿ثانى اثنين اذ هما فى الغار اذ يقول لصٰحبه لاتحزن ان اللّٰه معنا﴾ هو الصديق. فحقق اللّٰه تعالىٰ قوله له بكلامه، ووصف الصحبة فى كتابه.

قال بعض العلماء: من أنكر عمر وعثمان أو أحد من الصحابة صاحب رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم فهو كذاب مبتدع. ومن أنكر أن يكون أبو بكر رضى اللّٰه عنه صاحب رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم فهو كافر، لأنه رد نص القرآن. (الجامع لاحكام القرآن، سورة التوبة، الآية: ٤٠، ج: ١٠، ص: ٢١٥، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

عن ابن عمر رضى اللّٰه تعالىٰ عنهما قال: كنا نخير بين الناس فى زمان رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، فنخير أبا بكر ثم عمر ثم عثمان رضى اللّٰه عنهم. (صحيح البخارى، كتاب فضائل اصحاب النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، باب فضل أبى بكرؓ بعد النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، ص: ٧٤٩، رقم: ٣٦٥٥، ط، دار السلام رياض)

وفى شرح عقيدة الامام الطحاوى: (ونثبت الخلافة بعد رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم لأبى بكر الصديق تفصيلا له وتقديما على جميع الأمة، ثم لعمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان، ثم لعلى بن أبى طالب رضى اللّٰه تعالىٰ عنهم أجمعين، وهم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون)..... لأنه أفضل الناس بعد الأنبياء لقوله عليه الصلاة والسلام: ما طلعت شمس ولا غربت على أحد بعد النبيين أفضل من

الناس خیر بعد النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ابوبکر قلت ثم قال عمر. الحدیث. رواہ البخاری. مشکوٰۃ ص: ۵۵۵. یہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ تمام لوگوں میں سے بہتر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ ہیں۔اب اس کے بعد نزاع کی کیا ضرورت رہ گئی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (خیر الفتاوی، ج:۱، ص:۴۶۹، ۴۷۰، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



نبی اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک

﴿سوال﴾:

نبی اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک کیسا تھا؟ اور آپ کے لباس اور بالوں کے متعلق تفصیل سے بیان فرمائیں۔

﴿جواب﴾:

آنحضرت ﷺ کے حلیہ مبارک کی تفصیل شمائل ترمذی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے، اس کو ''خصائل نبوی'' سے نقل کیا جاتا ہے۔

''ابراہیم بن محمد، حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں)، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ جب حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کا بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ: حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ زیادہ پستہ قد، بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔حضور ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچ دار تھے نہ بالکل سیدھے تھے، بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لئے

أبی بکرؓ. واذا ثبتت خلافة أبی بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ بالاجماع وقد أوصی بالخلافة لعمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ واتفقت الصحابة علی بیعته، ثبتت خلافة عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ بعدہ. (شرح عقیدة الامام الطحاوی لأبی حفص الغزنویؒ، ص: ۱۵۲، ۱۵۳، دارة الکرز مصر)

ہوئے تھے۔ نہ آپ ﷺ موٹے بدن کے تھے، نہ گول چہرہ کے، البتہ تھوڑی سی گولائی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں تھی، یعنی (چہرۂ انور بالکل گول نہ تھا، نہ بالکل لانبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً: کہنیاں اور گھٹنے)، اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی۔ آپ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال زیادہ ہوجاتے ہیں، حضور ﷺ کے بدن مبارک پر خاص خاص جگہوں کے علاوہ جیسے بازو، پنڈلیاں، وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہیں تھے)، آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی۔ آپ ﷺ کے ہاتھ اور قدم پر گوشت تھے۔ جب آپ ﷺ تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ ﷺ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے (یعنی یہ کہ گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، اس لئے کہ اس طرح دوسرے کے ساتھ لاپروائی ظاہر ہوتی ہے، اور بعض اوقات متکبرانہ حالت ہوجاتی ہے، بلکہ سینہ مبارک سمیت اس طرف توجہ فرماتے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بھی فرمایا ہے کہ جب آپ ﷺ توجہ فرماتے تو تمام چہرہ مبارک سے فرماتے، کن انکھیوں سے نہیں ملاحظہ فرماتے تھے، مگر یہ مطلب اچھا نہیں)۔ آپ ﷺ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوّت تھی۔ آپ ﷺ ختم کرنے والے تھے نبیوں کے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے اور سب سے زیادہ سچی زبان والے، سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے (غرض آپ ﷺ دل وزبان، طبیعت، خاندان، اوصاف ذاتی اور نسبی ہر چیز میں سب سے افضل تھے)۔ آپ ﷺ کو جو شخص یکا یک دیکھتا مرعوب ہوجاتا تھا (یعنی آپ ﷺ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ اوّل وہلہ میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آجاتا تھا، اوّل تو جمال وخوبصورتی کے لئے بھی

رعب ہوتا ہے:

شوق افزوں مائع عرض تمنا داب حسن
بار بادل نے اٹھائے ایسی لذّت کے مزے

اس کے ساتھ جب کمالات کا اضافہ ہو تو پھر رعب کا کیا پوچھنا! اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کو جو مخصوص چیزیں عطا ہوئیں، ان میں رعب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا)۔ البتہ جو شخص پہچان کر میل جول کرتا، وہ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ واوصاف کا گھائل ہو کر آپ ﷺ کو محبوب بنا لیتا تھا۔ آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ: میں نے حضور اکرم ﷺ جیسا باجمال وباکمال نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے دیکھا، نہ بعد میں دیکھا (ﷺ) (۱۳۸)۔

❁ :... اور لباس میں آنحضرت ﷺ کے معمول مبارک کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ لباس میں اکثر سوتی کُرتا زیب تن فرماتے تھے (۱۳۹)، جس کی آستینیں عموماً گٹوں تک (۱۴۰) اور لمبائی آدھی پنڈلی تک ہوتی تھی (۱۴۱)۔ ایک بار رومی ساخت کا جبہ بھی،

---

(۱۳۸): (خصائل نبوی، باب ماجاء فی خلق رسول اللّٰہ، ص: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

(۱۳۹): **عن أم سلمةؓ قالت: کان أحب الثیاب الی رسول اللّٰہ ﷺ القمیص.** (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللّٰہ ﷺ، ص: ٦٤، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

(۱۴۰): **عن أسماء بنت یزید قالت: کان کم قمیص رسول اللّٰہ ﷺ الی الرسغ.** (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللّٰہ ﷺ، ص: ٦٧، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

(۱۴۱): فی خصائل نبوی: مناوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور [صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم] کا کُرتا زیادہ لمبا نہ ہوتا تھا، نہ اس کی آستینیں لمبی ہوتی تھیں۔ دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور [صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ

جس کی آستینیں آگے سے تنگ تھیں، استعمال فرمایا (۱۴۲)۔ سفید کو پسند فرماتے تھے اور اس کی ترغیب دیتے تھے (۱۴۳)، اکثر لنگی استعمال فرماتے تھے (۱۴۴)، یمانی چادروں کو پسند فرماتے تھے (۱۴۵)، شلوار کا خریدنا اور پسند فرمانا ثابت ہے، مگر پہننا ثابت

وسلم] کا کُرتا ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نصف پنڈلی تک ہونا چاہئے۔ (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ٦٥، ط، مکتبۃ البشریٰ کراتشی)

(۱۴۲): **عن عروۃ بن المغیرۃ بن شبعۃ، عن أبیہؓ: أن النبیﷺ لبس جبۃ ضیقۃ الکمین.** (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللّٰہﷺ، ص: ٧٦، ط، مکتبۃ البشریٰ کراتشی)

(۱۴۳): **عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم علیکم بالبیاض من الثیاب، لیلبسھا أحیاؤکم، وکفنوا فیھا موتاکم، فانھا من خیار ثیابکم.**

عن سمرۃ بن جندب رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: البسوا البیاض، فانھا أطھر وأطیب، وکفنوا فیھا موتاکم. (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ٧٥، ط، مکتبۃ البشریٰ کراتشی)

(۱۴۴): **عن أبی بردۃ: قال أخرجت الینا عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا کساء ملبدا، وازاراً غلیظا فقالت: قبض روح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ھذین.** (خصائل نبوی مع شمائل ترمذی، باب ماجاء فی صفۃ ازار رسول اللّٰہﷺ، ص: ١٣٠، ط، مکتبۃ البشریٰ کراتشی)

(۱۴۵): **عن أنسؓ، قال: کان أحب الثیاب الی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم أن یلبسھا الحبرۃ. وفی المرقات تحت ھذا الحدیث: ففی النھایۃ الحبرۃ من البرود ما کان موشیاً مخططاً یقال: برد حبرۃ بوزن عنبۃ علی الوصف والاضافۃ، وھو برد یمانی.** (مرقات المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الأول، ج: ٨،

نہیں(۱۴۶)۔ سبز چادریں بھی استعمال فرمائیں(۱۴۷)،گاہے سرخ دھاریوں والی دوچادریں بھی استعمال فرمائیں(۱۴۸)، بالوں کی بنی ہوئی سیاہ چادر(کالی کملی) بھی استعمال فرمائی(۱۴۹)، سرمبارک پر کپڑے کی کلاہ اوراس کے اوپر دستار پہننے کا معمول تھا(۱۵۰)۔

ص: ۱۹۱، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۱۴۶):**عن أبی ھریرةؓ قال دخلت مع النبیﷺ یوماً السوق فجلس الی البزار فاشتری سراویل بأربعة دراھم وکان لأھل السوق وزان یزن فقال له رسول اللهﷺ اتزن وأرجح...الخ.** (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب اللباس، باب السراویل، ج: ۵، ص: ۱۲۱، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

(۱۴۷):**وعن أبی رمثة التیمي، قال: أتیت النبیﷺ علیه ثوبان أخضران، وله شعر قد علاه الشیب وشیبه أحمر.** (مشکاة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۶، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۱۴۸):**عن عون بن أبی جحیفة، عن أبیه قال: رأیت النبیﷺ وعلیه حلة حمراء کأنی أنظر الی بریق ساقیه. قال سفیان: أُراھا حبرة.** (خصائل نبوی مع شمائل ترمذی، باب ماجاء فی لباس رسول اللهﷺ، ص: ۷۱، ۷۲، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

(۱۴۹):**عن عائشة رضی الله عنھا قالت: خرج رسول اللهﷺ ذات غداة، وعلیه مرط من شعر أسود.** (خصائل نبوی مع شمائل ترمذی، باب ماجاء فی لباس رسول اللهﷺ، ص: ۷۶، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

(۱۵۰):**فی تحفة الاحوذی:وقال ابن القیم فی زاد المعاد: وکان یلبسھا یعنی العمامة ویلبس تحتھا القلنسوة وکان یلبس القلنسوة بغیر عمامة ویلبس العمامة بغیر قلنسوة. انتھیٰ. وفی الجامع الصغیر بروایة طبرانی عن ابن عمرؓ قال کان یلبس قلنسوة بیضاء .قال العزیزی: اسناده حسن وفیه بروایة الرویانی وابن عساکرعن ابن عباس: کان یلبس القلانس تحت العمائم و بغیر العمائم ویلبس العمائم بغیر**

۞:...سر مبارک پر پٹے رکھنے کا معمول تھا، جو اکثر و بیشتر نرمہ گوش (کانوں کی لو) تک ہوتے اور کبھی کم و بیش بھی ہوتے تھے(۱۵۱)۔ حج و عمرہ کا احرام کھولنے کے موقع پر سر کے بال استرے سے صاف کرا دیئے جاتے اور موئے مبارک رفقاء و احباب میں تقسیم فرما دیئے جاتے (۱۵۲)، صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین!

نعلین شریفین رنگے ہوئے چمڑے کے ہوتے تھے جن میں دو تسمے ہوا کرتے

قلانس وكان يلبس القلانس اليمانية وهن البيض المضربة و يلبس القلانس ذوات الآذان في الحرب وكان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بين يديه وهو يصلي. الحديث. (تحفة الاحوذي بشرح جامع الترمذي، باب بلاترجمة، ج: ٥، ص: ٥٨٣، ط، دار الفكر)

(١٥١):وعن عائشةؓ قالت: كنت أغتسل أنا ورسول اللهﷺ من اناء واحد، وكان له شعر فوق الجمة، ودون الوفرة. وفي المرقات تحت هذا الحديث: وهذا بظاهره يدل على أن شعرهﷺ كان أمراً متوسطاً بين الجمة والوفرة وليس بجمة ولاوفرة اذ معنى فوق الجمة أن شعره لم يصل الى محل الجمة وهو المنكب، ومعنى دون الوفرة أن شعره كان أنزل من شحمة الاذن، لكن جاء في بعض الروايات أنهﷺ كان عظيم الجمة الى شحمة أذنيه وهذا ظاهر أن شعره كان جمة، وعلى أن جمته مع عظمها الى أذنيه، ولعل ذلك باعتبار اختلاف أحوالهﷺ. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، ج: ٨، ص: ٢٩٨، ٢٩٩، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(١٥٢):وعن أنسؓ: أن النبيﷺ أتى منى، فأتى الجمرة فرماها، ثم أتى منزله بمنى، ونحر نسكه، ثم دعا بالحلاق، وناول الحالق شقه الأيمن فحلقه، ثم دعا أبا طلحة الأنصاريؓ، فأعطاه اياه، ثم ناول الشق الأيسر، فقال: احلق فحلقه، فأعطاه أبا طلحةؓ، فقال: اقسمه بين الناس. (مشكاة المصابيح، كتاب المناسك، باب الحلق، الفصل الأول، ص: ٢٣٢، ط، قديمي كتب خانه كراچی)

تھے(۱۵۳)۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱،ص:۱۶۵تا۱۶۸، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضور ﷺ کا قد مبارک

﴿سوال﴾:

کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا قد مبارک کتنا ہوگا؟ انداز بتا دیں۔

﴿جواب﴾:

یہ تو معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ جب آنحضرت ﷺ لوگوں میں چلتے تھے تو سب سے اونچے نظر آتے تھے(۱۵۴)۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱،ص:۱۶۸، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



---

(۱۵۳):عن قتادة قال: قلت لأنس بن مالکؓ: کیف کان نعل رسول اللہ ﷺ؟ قال لهما قبالان. (شمائل ترمذی، مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی نعل رسول اللہ ﷺ، ص: ۸٤، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

(۱۵۴):حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قد مبارک درمیانہ تھا لیکن میانہ پن کے ساتھ کسی قدر طول کی طرف کو مائل۔ چنانچہ ہند بن ابی ہالہ وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ ان دونوں روایتوں پر اس حدیث سے اشکال ہوتا ہے جس میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی جماعت میں کھڑے ہوتے تو سب سے زیادہ بلند نظر آتے، لیکن یہ درازی قد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ معجزہ کے طور پر تھا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسا کمالات معنویہ میں کوئی بلند مرتبہ نہیں ہے، اسی طرح صورتِ ظاہری میں بھی کوئی بلند محسوس نہ ہو۔(خصائل مع شمائل ترمذی، باب ماجاء خلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص:۱۱، ط، مکتبۃ البشریٰ کراتشی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کے نقش کو چومنے، اس جیسے نعل پہننے اور اس کے احترام کا حکم

﴿سوال﴾:

مکرّم ومحترم جناب مفتی صاحب، دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، امابعد!

۱: جو چیز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر سے متصل ہوگئی، اس کی برکات کا انکار تو کوئی جاہل یا ملحد ہی کرے گا، لیکن اس شے کی مثل ہاتھ سے تیار کر لی جائے تو کیا اس میں بھی وہ برکت آجاتی ہے؟ بالفاظ دیگر متبرک سے کی تصویر بھی متبرک ہے؟

۲: آج کل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کا نقشہ بہت عام ہوگیا، لوگ اس کو چومتے ہیں، برکت کے لئے سر پر رکھتے ہیں، اس کی کیا حیثیت ہے؟ اس نقشے کی یہ حیثیت مسلم کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی صورت معلوم ہوگئی، روایات حدیث میں مذکور نعل کا سمجھنا آسان ہوگا۔

۳: کیا اس نقشے کے مطابق نعل بنوا کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا ہمارے لئے نمونہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی پگڑی، قمیص جیسی قمیص بنوانا، پہننا سب باعثِ سعادت اور محبت کا تقاضا ہے، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے جیسا جوتا پہننا بھی محبت کا تقاضا ہے یا نہیں؟

۴: نیز یہ بھی قابل دریافت ہے کہ یہ نقشہ اس وقت عام مروج تھا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نعل مبارک صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانے میں موجود تھا، دیگر مستعمل کپڑوں، برتنوں کی طرح اس کو سنبھال کر رکھا گیا۔ جن حضرات کے پاس یہ موجود نہیں تھا، کیا کسی روایت سے ثابت ہے کہ وہ لوگ کاغذ پر اس کی صورت بنا کر برکت حاصل کرتے ہوں؟ اگر ثابت نہ ہو تو آج اس کو باعثِ ثواب سمجھنا، سفر میں ساتھ رکھنا،

برکت کے لئے دکانوں، مکانوں پر لگانا کیا بدعت نہیں ہوگا؟

۵: روضۂ اقدس کی صحیح تصویر یعنی فوٹو، بیت اللہ کی صحیح تصویر بھی باعث برکت ہے یا نہیں؟ اب لوگ ان کپڑوں اور قالینوں پر نماز پڑھنا بے ادبی سمجھنے لگ گئے ہیں جن پر روضۂ اقدس کی تصویر ہو، اس کی کیا حیثیت ہے؟

۶: اب نقشِ خاتم بھی شائع ہوگیا ہے، لوگ اس کے تصوّر کو انوار و برکات کا باعث سمجھنے لگے ہیں، اس کی کیا شرعی حیثیت ہے؟ مجھے خطرہ ہے کہ غالی لوگوں کی طرف سے جلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی اور بغل اور حمار کی مثل شائع ہوکر ان کا بھی احترام نہ شروع ہوجائے۔ میرے غیر مرتب الفاظ کو اپنے مرتب الفاظ میں منتقل کرکے سوال و جواب اپنے ماہنامہ ''البلاغ'' میں شائع فرمادیں تو میرے جیسے کئی متحیر لوگوں کی رہنما ہوجائے گی۔ والسلام، عبدالمجید غفرلہ، باب العلوم کہروڑ پکا

بخدمت اقدس جناب مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ کا مفصل استفتاء نعل مبارک کے نقشے کے بارے میں کافی عرصہ پہلے مل گیا تھا، وہ برابر زیر غور رہا، آخر میں مشورے کے لئے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کی خدمت گرامی میں پیش کیا، ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضرت والا خود جواب تحریر فرمانے کے لئے تیار ہوگئے، چنانچہ یہ جواب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کا لکھا ہوا ہے۔ والسلام بندہ عبدالرؤف سکھروی۔

مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہم العالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آنجناب کا گرامی نامہ مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب کے نام آیا تھا، انہوں نے احقر کو مشورے کے لئے بھیجا، احقر نے جو کچھ سمجھ میں آیا، لکھ دیا، اور آنجناب کی خدمت میں اس

خیال سے ارسال کر رہا ہوں کہ اگر کوئی غلطی ہوگی تو آنجناب اس پر متنبہ فرمائیں گے۔

﴿جواب﴾:

شاید جناب کے علم میں ہوگا کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''زاد السعید'' میں حضور اقدس ﷺ کے نعل مبارک کا نقشہ شائع فرمایا تھا اور اس کو سر پر رکھ کر دعا کرنے کی بھی فی الجملہ ترغیب دی تھی، اور اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا تھا، بعد میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اس موضوع پر حضرتؒ سے خط وکتابت کی جو کفایت المفتی جلد:۲ صفحہ:۶۱تا۶۹ (۱۵۵) اور امداد الفتاوی جلد:۴ صفحہ: ۳۲۸ تا ۳۳۲ (۱۵۶) میں مکمل شائع ہو چکی ہے۔ اس خط وکتابت کے مطالعے سے مسئلے کی شرعی حیثیت بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک آنحضرت ﷺ کے ان آثار متبرکہ کا تعلق ہے جو آپ کے زیر استعمال رہے ہوں یا آپ کے جسم اطہر سے مس ہوئے ہوں، ان سے تبرک یا انہیں بوسہ دینا یا سر پر رکھنا متعدد صحابہ کرامؓ اور علمائے متقدمین سے ثابت ہے، اور جیسا کہ خود آنجناب نے ذکر فرمایا ہے وہ محلِ اشکال نہیں۔ البتہ اگر آپ ﷺ کے ان آثارِ متبرکہ کی کوئی تصویر بنائی جائے یا اس کا کوئی نقشہ بنایا جائے تو وہ اگرچہ اصل آثار کے مساوی نہ ہوگا، لیکن چونکہ اصل کے ساتھ مشابہت اور مشاکلت کی وجہ سے اس کو حضور اقدس ﷺ سے فی الجملہ ایک نسبت حاصل ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اپنے شوق طبعی اور محبت کے داعیہ سے اس کا بھی ادب کرے اور اسی محبت کے داعیہ سے اسے بوسہ دے یا آنکھوں سے لگائے تو فی نفسہ اس کی ممانعت پر بھی کوئی دلیل نہیں، لہٰذا فی نفسہ ایسا کرنا مباح ہوگا، بلکہ جس محبت کے داعیہ سے ایسا کیا

---

(۱۵۵):(کفایت المفتی، کتاب السلوک و الطریقة، ج: ۲، ص: ۹۱ تا ۹۹، ط، دار الاشاعت کراچی)

(۱۵۶):(امداد الفتاوی، ج: ۱۰، ص: ۵۷ تا ۶۲، ط، مکتبہ زکریا بُک ڈپو الھند/ ج: ٤، ص: ۳۷٤تا ۳۷۹، ط، مکتبہ دار العلوم کراچی)

جارہاہے وہ محبت ان شاء اللہ موجب اجر بھی ہوگی بشرطیکہ اس خاص عمل کو بذاتہٖ عبادت نہ سمجھا جائے، کیونکہ عبادت کے لئے ثبوت شرعی درکار ہے۔ البتہ جواز کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے لئے ممانعت کی دلیل نہ ہونا بھی کافی ہے۔ اور اس تفصیل میں دونوں صورتیں شامل ہیں، خواہ نقش اصل کے بالکلیہ مطابق ہو یا بالکلیہ مطابق نہ ہو، کیونکہ مشابہت کی وجہ سے فی الجملہ نسبت دونوں کو حاصل ہے۔

یہ تو مسئلے کی اصل تھی، لیکن چونکہ ان نازک حدود کو سمجھنا اور ان کی نزاکت کو ملحوظ رکھنا عوام کے لئے مشکل معلوم ہوتا ہے، اور اس بات کا اندیشہ ہے اس میں حدود سے تجاوز نہ ہو جائے، مثلاً یہ کہ ان اعمال کو بذاتہٖ عبادت جانے لگے یا ادب و تعظیم میں حدود سے تجاوز ہو کر مشرکانہ افعال یا اعتقادات اس کے ساتھ نہ مل جائیں۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ ان نقشوں کی عمومی تشہیر اور ان کی طرف ترغیب وغیرہ سے اجتناب ہی کیا جائے، اس لئے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے اپنے رسالہ "**نیل الشفاء بنعل المصطفی ﷺ**" سے بعد میں رجوع فرمالیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ تشہیر کی ہمت افزائی نہیں کرنی چاہئے، لیکن اگر کوئی شخص حدود میں رہ کر مذکورہ افعال کرتا ہے اس پر نکیر بھی درست نہیں۔

۳: آنحضرت ﷺ کی نعل شریف جیسی نعل بنوا کر پہننے کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں فقہائے کرامؒ کی کوئی تصریح تو نہیں دیکھی، البتہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ معاملہ ذوق کا ہے، اور مذاق مختلف ہو سکتے ہیں، ایک مذاق یہ ہے کہ جس چیز کو حضور اقدس ﷺ کے آثار متبرکہ میں سے کسی کے ساتھ مشابہت حاصل ہو وہ تو سر اور آنکھوں پر رکھنے کی چیز ہے، نہ یہ کہ اس کو پاؤں میں استعمال کیا جائے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس مذاق کے تحت اسے پہننے سے احتراز کرے تو یہ اس کے مذاق تعظیم و محبت کا تقاضا ہے جس پر وہ قابل علامت نہیں، جیسا کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کے بارے میں منقول ہے کہ سبز رنگ کا جوتا بھی اس لئے نہیں پہنتے تھے کہ گنبد خضراء کا رنگ سبز ہے۔ اور دوسرا مذاق یہ ہے کہ انسان

اپنے ہر عمل اور ہر ادا میں حتی الامکان حضور اقدس ﷺ کی اداؤں کی نقل اتارنے کی کوشش کرے، اور آپ ﷺ کے لباس جیسا لباس پہنے، اور اس نقطۂ نظر سے آپ ﷺ کے نعل مبارک جیسا نعل بنوا کر پہنے اور مقصود اتباع ہو تو بظاہر اس پر بھی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ یہ بھی محبت کا تقاضا ہے۔ چونکہ اس کا مقصود اتباع ہے، اس لئے بظاہر اس میں اہانت کا بھی کوئی پہلو نہیں۔ چنانچہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ کہیں منقول نہیں کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے نعل مبارک جیسے جوتے پہننے سے احتراز کا اہتمام کیا ہو، بالخصوص جبکہ اس دور میں جوتوں کی اوضاع میں اتنا تنوّع بھی نہیں تھا، لہٰذا جیسا عرض کیا گیا یہ ذوق کی بات ہے اور کوئی ذوق قابل ملامت نہیں۔

۴۔ یہ بات تلاش کے باوجود نہیں مل سکی کہ آیا یہ نقشہ عام مروّج تھا یا آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص تھا۔

۵،٦۔ روضۂ اقدس یا بیت اللہ کی صحیح تصویر کا حکم بھی قریب قریب ایسا ہی ہے کہ ان کو اصل کے ساتھ تشابہ کی ایک نسبت تو یہ حاصل ہے، نیز انہیں دیکھ کر اس کا استحضار قوی ہوتا ہے، لہٰذا ان کا احترام کرنا چاہئے، یعنی ان کو کسی موضع اہانت میں استعمال کرنا درست نہیں، جہاں تک ان کے باعث برکت ہونے کا تعلق ہے، یہ بات واضح ہے کہ کسی جگہ ان کے لگانے سے ان شعائر کا بار بار استحضار ہوتا ہے، اور یہ استحضار یقیناً باعث برکت ہے۔

جانمازوں پر فی نفسہ کسی بھی قسم کے نقش پسندیدہ نہیں، لیکن اگر کسی جائے نماز پر حرمین شریفین میں سے کسی کی تصویر اس طرح بنی ہوئی ہے کہ وہ پاؤں کے نیچے نہیں آتی تو اس میں بھی اہانت کا کوئی پہلو نہیں، البتہ موضع سجود میں بیت اللہ کے سوا کسی اور چیز کی تصویر بالخصوص روضۂ اقدس کی شبیہ میں چونکہ ایہام خلاف مقصود کا ہوسکتا ہے اس سے احتراز مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۷۔ نقش خاتم کے بارے میں بھی وہی تفصیل ہے جو نقش نعلین کے بارے میں عرض کی گئی، البتہ ظاہر ہے کہ ان غیر ذی روح اشیاء کے نقوش پر ذی روح کے نقوش کو ہرگز قیاس

نہیں کیا جاسکتا، کہ ذی روح کا نقش یا تصویر بہر صورت ممنوع ہے(۱۵۷)۔ واللہ سبحانہ اعلم (فتاوی عثمانی، ج:۱،ص:۴۵ تا ۴۹، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)



(۱۵۷): عن أبی طلحةؓ، قال: قال النبیﷺ: لاتدخل الملائکة بیتاً فیه کلب، ولاتصاویر. متفق علیه. وفی المرقات تحت هذا الحدیث: ''ولاتصاویر'' یعم جمیع أنواع الصور. وقد رخص فیما کان فی الأنماط الموطوء ة بالأرجل علی ما ذکره ابن الملک. قال الخطابی: انما لاتدخل الملائکة بیتاً فیه کلب أو صورة مما یحرم اقتناؤه من الکلاب والصور، واما ما لیس بحرام من کلب الصید والزرع والماشیة ومن الصورة التی تمتهن فی البساط والوسادة وغیرهما، فلایمنع دخول الملائکة بیته. قال النوویؒ: والأظهر أنه عام فی کل کلب وصورة، وأنهم یمتنعون من الجمیع لاطلاق الأحادیث ولأن الجرو الذی کان فی بیت النبیﷺ تحت السریر کان له فیه عذر ظاهر لأنه لم یعلم به، ومع هذا امتنع جبریل علیه الصلاة والسلام من دخول البیت، وعلله بالجرو....قال أصحابنا وغیرهم من العلماء: تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم وهو من الکبائر لأنه متوعدا علیه بهذا الوعید الشدید المذکور فی الأحادیث سواء صنعه فی ثوب او بساط أو درهم أو دینار أو غیر ذلک، وأما تصویر صورة الشجر والرجل والجبل وغیر ذلک فلیس بحرام. هذا حکم نفس التصویر، وأما اتخاذ المصور بحیوان، فان کان معلقاً علی حائط سواء کان له ظل ام لا، أو ثوباً ملبوساً أو عمامة أو نحو ذلک فهو حرام...الخ. (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب اللباس، باب التصاویر، الفصل الأول، ج: ۸، ص: ۳۲۲، ۳۲۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

حضور اکرم ﷺ اور نماز اشراق

﴿سوال﴾:

آپ ﷺ اشراق کی کتنی رکعت پڑھتے تھے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اشراق کی دو یا چار رکعت پڑھنا مسنون ہے(۱۵۸)۔(زادالمعاد:۱/۹۳) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۵۱)



(۱۵۸): عن أبی الدرداء، وأبی ذر رضی اللّٰہ عنہما قالا: قال رسول اللّٰہ ﷺ: عن اللّٰہ تبارک وتعالی أنہ قال: یا ابن آدم! ارکع لی أربع رکعات من أول النہار، أکفک آخرہ. رواہ الترمذی. وفی المرقات تحت ہذا الحدیث: "اربع رکعات من أول النہار" قیل: المراد صلاۃ الضحی وقیل: صلاۃ الاشراق. (مرقات المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج: ۳، ص: ۳۵۵، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

وفی الموسوعۃ الفقہیۃ: وصلاۃ الاشراق بہذا الاسم ذکرہا بعض فقہاء الشافعیۃ علی ماجاء فی بعض کتبہم، و ذلک فی أثناء الکلام علی صلاۃ الضحی.

ففی منہاج الطالبین وشرحہ المحلی قال: من النوافل التی لایسن لہا الجماعۃ: الضحی: وأقلہا رکعتان، وأکثرہا اثنتا عشرۃ رکعۃ، ویسلم من کل رکعتین، قال القلیوبی تعلیقا علی قولہ: (الضحی) ہی صلاۃ الأوابین وصلاۃ الاشراق علی المعتمد عند شیخنا الرملی وشیخنا الزیادی: وقیل: کما فی الأحیاء: انہا (أی صلاۃ الاشراق) صلاۃ رکعتین عند ارتفاع الشمس.

وفی عمیرۃ قال الاسنوی: ذکر جماعۃ من المفسرین. أن صلاۃ الضحی ہی صلاۃ الاشراق المشار الیہا فی قولہ تعالیٰ: ﴿یسبحن بالعشی والاشراق﴾ أی یصلین، لکن فی الاحیاء انہا غیرہا، وأن صلاۃ الاشراق رکعتان بعد طلوع الشمس

ختمِ نبوت ذاتی سے متعلق ''الشہاب الثاقب'' کی عبارت پر اشکال کا جواب

﴿سوال﴾:

حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب '' الشہاب الثاقب'' ص:۱۷۸ میں یہ عبارت ہے:

''پس بنظر اس کے وصف اصلی اور کمال ذاتی کے ممکن ہوگا کہ کوئی نبی اس کے بعد آوے اگر چہ یہ ممکن وجہ خارجی سے ممتنع ہوگیا ہو''۔

یہ وہی مطلب اس عبارت کا ہے جو ص:۱۴ میں مجدد بریلوی نقل کی ہے کہ:

''اگر فرض کیا جائے وجود کسی نبی کا بعد آپ کے تو آپ کی خاتمیت پر نہ ہوگا'' الی آخرہ۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایک اثر کی تشریح کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''رسول پاک ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے ایک معنی تو وہی ہیں جو سب کے ذہنوں میں موجود ہیں، یعنی یہ کہ حضور اکرم ﷺ تمام انبیاء علیہ الصلاۃ السلام کے بعد تشریف لائے۔'' یہ مطلب بھی درست ہے اور اس پر ہمارا عقیدہ ہے جیسا کہ خود حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''جوابات محذورات عشر'' میں جگہ جگہ تحریر فرمایا ہے کہ ''ختم نبوت اپنا دین وایمان ہے لیکن اس کے علاوہ ایک اور معنی بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنی ذات اور مرتبہ کے لحاظ سے بھی خاتم النبیین ہیں اور آپ کی ذات تمام انبیاء

عند زوال وقت الكراهة. (الموسوعة الفقهية، ج: ۲۷، ص: ۱۳۲، ۱۳۳)

کے لئے خاتم ہے اور مطلب اس وقت میں بھی صادق ہے جب کہ آپ جملہ انبیاء کے آخر میں تشریف لائے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اب اگر کوئی شخص نبوت کا دعوی کرے تو وہ باطل ہے اور اگر بالفرض آپ سب سے پہلے حتی کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے بھی پہلے تشریف لاتے تب بھی آپ اپنے مرتبہ کے لحاظ سے خاتم النبیین ہی ہو کر تشریف لاتے، اور اگرچہ چند انبیاء کے بعد چند انبیاء سے پہلے تشریف لاتے جب بھی آپ مرتبہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہی ہوتے''۔ الحاصل آپ کا یہ عہدہ اور مقام ہر حال میں آپ کے لئے حاصل ہے۔

یہی مطلب ''الشھاب الثاقب'' کی عبارت کا ہے، اب اگر کوئی اپنی باطن کی خرابی اور کج فہمی سے مطلب بگاڑ کر بیان کرے تو خود اس کا مطلب ہوگا، حضرت نانوتوی یا حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا وہ ہرگز مطلب نہیں، اس بگڑے ہوئے مطلب کو ان بزرگوں کی طرف منسوب کرنا افتراء اور بہتان ہے اور اس بگڑے ہوئے مطلب پر جو شرعی حکم عائد ہوگا وہ خود اس بگاڑنے والے پر ہوگا نہ کہ ان بزرگوں پر۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص:۲۷۳ تا ۲۷۴)



ختم نبوت ذاتی و زمانی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت کے بارے میں کہ:

> ''بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی کوئی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا''۔ (حوالہ تحذیر الناس ص:۴۱، مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند)

کیا اس عبارت سے ختم نبوت کا معاذ اللہ انکار لازم آتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت نانوتویؒ کی کتاب ''تحذیر الناس'' کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''ہاں اگر خاتمیت بمعنی اوصاف ذاتی بوصف نبوت لیجیے، جیسا کہ اس ہیچ مداں نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی افراد مقصودہ بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے؛ بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہوجائے گی؛ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا''۔

واضح رہنا چاہئے کہ حضرت نانوتویؒ نے اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین طریقوں سے خاتم النبیین ہیں:

(۱) خاتمیت مکانی (۲) خاتمیت زمانی (۳) خاتمیت ذاتی مرتبی یعنی زمانہ اور مکان کی قید سے قطع نظر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم نبوت کے مرتبہ پر فائز ہونا جس کو حدیث: ''کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین'' میں بیان فرمایا گیا ہے، مذکورہ عبارت میں اسی خاتمیت ذاتی سے بحث کی گئی ہے، اس عبارت کا تعلق خاتمیت زمانی کے بحث سے بالکل ہے ہی نہیں، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت صرف اسی وجہ سے نہیں ہے کہ آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات والاصفات کے اعتبار سے زمان ومکان کی قید سے بالاتر ہوکر خاتمیت نبوت سے متصف ہیں۔
(مستفاد: قادیانی مغالطے ۶۱)

اسی کو سمجھاتے ہوئے حضرت نانوتویؒ نے یہ بات لکھی ہے ''کہ اگر بالفرض (محض

سمجھانے کے لئے ایک فرضی صورت اختیار کی ہے جس پر اگر اور بالفرض کے الفاظ صراحۃً دلالت کرر ہے ہیں، اس سے ہر گز یہ لازم نہیں آتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کے امکان کے قائل ہیں) بعد زمانہ بھی کوئی نبی پیدا ہوتو پھر بھی خاتمیت محمدی (یعنی بحیثیت ذاتی) میں کچھ فرق نہ آئے گا'' (بلکہ اس مفروضہ صورت میں بھی آپ ﷺ کی ذات ہی خاتم النبیین کی مستحق ہوگی)

معلوم یہ ہوا کہ حضرت نانوتویؒ کی اس عبارت سے یہ سمجھنا کہ آں موصوف نبی اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے کے منکر ہیں قطعاً صحیح نہیں ہے؛ بلکہ اس کے برخلاف اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ صرف سب نبیوں کے بعد میں آنے کی وجہ سے ہی خاتم النبیین نہیں بلکہ آپ ﷺ ذاتی مرتبہ کی بنا پر بھی خاتم النبیین ہیں، یعنی دونوں اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔

اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ ختم نبوت کے منکر ہوں، حالاں کہ رسالہ ''تحذیر الناس'' کا موضوع ہی یہی ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں، اور خود ''تحذیر الناس'' میں جابجا حضرت نانوتویؒ نے نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا صراحۃً ذکر فرمایا ہے۔

مثال کے طور پر ص: ۱۰ ر پر تحریر فرماتے ہیں:

''سوا اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے''۔

اور ص: ۲۱ ر پر ہے

''درصورت کہ زمانے کو حرکت کہا جائے تو اس کے لئے کوئی مقصود بھی ہوگا، جس کے آنے پر حرکت منتہی ہوجائے سو حرکت سلسلہ نبوت کے لئے نقطہ ذات محمدی منتہی ہے''۔

اسی طرح اپنی دیگر تصنیفات میں بھی اس کی صراحت کی ہے کہ آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔

مناظرہ عجیبہ کے ص:۲۹/ پر ہے:

''خاتمیت زمانی اپنا دین وایمان ہے ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں''۔

اور ص:۶۹/ پر رقم طراز ہیں:

''ہاں یہ مسلم ہے کہ خاتمیت زمانی اجماعی عقیدہ ہے''۔

اور صفحہ ۱۰۳ پر ارقام فرماتے ہیں:

''بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں، جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں''۔

(مستفاد: فیصلہ کن مناظرہ ص:۵۳)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں؛ بلکہ یہ کہئے کہ منکروں کے لئے گنجائش انکار نہ چھوڑی''۔ (جواب محذورات ۵۰)

قاسم العلوم حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی مذکورہ بالا تصریحات کے ہوتے ہوئے کوئی صاحب دیانت اور صاحب عقل یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ آپ ختم نبوت زمانی کے منکر ہیں؛ لیکن افتراء پردازی کا کوئی علاج نہیں۔

نیز یہ بتلا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحقیق کہ آنحضرت ﷺ خاتم زمانی ہونے کے ساتھ خاتم مرتبی اور خاتم ذاتی بھی ہیں یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کمالات نبوت براہ راست عطا فرمائے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو آنحضرت ﷺ کے واسطے سے، اس میں حضرت نانوتویؒ منفرد نہیں؛ بلکہ بہت سے متقدمین علماء محققین بھی اس کی تصریح فرما چکے ہیں۔

اور خود مولوی احمد رضا خاں بریلوی بھی اپنے رسالہ ''جزاء اللہ عدوہ'' کے ص:۲۳/ پر لکھتے ہیں:

''اور نصوص متواترہ اولیاء کرام وائمہ عظام وعلماء اعلام سے مبرہن ہو چکا ہے کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی یا دنیوی (الی قولہ) ملک یا انسان جن یا حیوان؛ بلکہ تمام ماسوا اللہ میں جسے جو کچھ ملی ہے یا ملے گی اس کی کلی انہیں کے صبائے کرم سے کھلی اور کھلتی ہے، یا کھلے گی، یہ سر الوجود اور اصل الوجود خلیفۃ اللہ الاعظم وولی نعمت عالم ﷺ ہیں۔ یہ خود فرماتے ہیں: ﷺ **أنا أبو القاسم، اللّٰہ یعطی و أنا قاسم**''۔

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم میں جو کچھ نعمت روحانی یا جسمانی کسی کو ملی ہے وہ آنحضرت ﷺ کے دست کرم کا نتیجہ ہے، اور چونکہ نبوت بھی ایک اعلی درجہ کی روحانی نعمت ہے؛ لہٰذا وہ بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضور ﷺ ہی کے واسطہ سے ملی ہے اور اسی حقیقت کا نام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی اصطلاح میں ''خاتمیت ذاتی'' اور ''خاتمیت رتبی'' ہے۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[الاحزاب: ٤٠]

عن جبیر مطعم رضی اللّٰہ عنه قال: سمعت النبی ﷺ یقول:....وأنا العاقب، والعاقب الذی لیس بعده نبی..

(صحیح البخاری، المناقب /ما جاء فی أسماء رسول اللّٰہ ﷺ رقم: ٣٥٣٢، صحیح مسلم، الفضائل/باب فی أسمائه ﷺ رقم: ٢٣٥٤)

''وقد أخبر اللّٰہ تبارک وتعالیٰ فی کتابه ورسوله ﷺ فی السنة المتواترة أنه لا نبی بعده، لیعلموا أن کل من ادعی هٰذا المقام بعده، فهو کذاب وأفاک دجال ضال مضل''.

(تفسیر ابن کثیر ٦٥٢/٣ الاحزاب: ٤٠ بیروت)

اعلم أن الاجماع قد انعقد على أنه ﷺ خاتم المرسلين كما أنه خاتم النبيين وان كان المراد بالنبيين في الآية هم المرسلين. (اليواقيت والجواهر ۲/ ۳۷)

قوله: "وكل دعوى النبوة بعده فغي وهوى" ش: لما ثبت أنه خاتم النبيين، علم أن من ادعى بعده النبوة فهو كاذب. (عقيدة الطحاوية مع الشرح ۱۷٦، بحواله: عقائد اهل السنة والجماعة ۱۰۰) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم (کتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۲۸۷تا ۲۹۱، ط، المركز العلمي للنشر والتحقيق لال باغ مراد آباد الهند)



حضور اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر اشکال اور اس کا جواب

﴿سوال﴾:

بلاشبہ حضور اقدس ﷺ پر نبوت ختم ہوچکی، آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں لہٰذا اب کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، لیکن اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق ہے اور اس نے جس طرح پہلے انبیاء بھیجے اب بھی ان کے بھیجنے پر قادر ہے، پھر اب وہ نبی کیوں نہیں بھیجے گا؟ براہ کرم اس اشکال کو دور فرمادیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

جب وہ قادر مطلق ہے تو اس کو کون مجبور کرسکتا ہے کہ وہ ضرور نبی بھیجے، کسی کو مطالبہ کا حق نہیں، اس نے اپنے پاک نبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی اور خاتم النبیین قرار دیدیا ہے (۱۵۹) اس لئے وہ قادر مطلق ہونے کے باوجود کسی نبی کو پیدا نہیں

(۱۵۹):قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن

فرمائے گا(۱۶۰)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۳۷۴)



رسول اللّٰه وخاتم النبيين. (الأحزاب: ٤٠)

وعن أبي هريرةؓ، أن رسـول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: فضلت على الأنبيـاء بسـت: أعـطيـت جـوامـع الـكـلـم، ونـصرت بالرعب، وأحلت لى الغنائم، وجـعـلـت لى الأرض مسجدا وطهوراً، وأرسلت الى الخلق كافة، وختم بى النبيون. وفـى الـمـرقـات تـحـت هـذا الحديث: "وختم بى النبيون" أى وجودهم فلايحدث بـعـدى نبى ولايشـكل بنزول عيسى عليه السلام، وترويج دين نبيناصلى اللّٰه تعالى عليه وسلم على أتم النظام وكفى به شهيداً شرفاً وناهيک به فضل على سائر الأنام. قـال الـطيبى: أغلق باب الوحى وقطع طريق الرسالة وسد، وأخبر باستغناء الناس عن الـرسـل واظهـار الدعوة بعد تصحيح الحجة وتكميل الدين. (مـرقات المفاتيح شرح مشـكـاة الـمـصـابيح، كتاب الفضائل والشمائل، باب فضل سيد المرسلينﷺ، الفصل الأول، ج: ١٠، ص: ٤٢٧، ٤٢٨، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۶۰):قـال الـلّٰه تبارک وتعالىٰ: واللّٰه يحكم لامعقب لحكمه. (سورة الرعد: ٤١)

وفـى روح الـمـعـانـى: لأن اخباره تعالىٰ بوقوع الشىء أو عدم وقوعه القدرة عـلـيـه، ولايخرجه من الامكان الذاتى لامتناع الانقلاب، وانما ينفى وقوعه أو وقوعه فيـصير بالغير، واللازم للممكن أن لايلزم من فرض وقوعه نظراً الى ذاته محال، وأما بـالنظر الى امتناعه بالغير فقد يستلزم الـممتنع بالذات كاستلزام عدم المعلول الأول عـدم الواجب. (روح الـمـعـانـى، سورة البقر، الآية: ٦، ج: ١، ص: ١٣٠، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

حضور ﷺ ازل سے خاتم الانبیاء ہیں

﴿ســوال﴾:

حضور ﷺ کو کب سے خـاتـم النبيين تسلیم کیا جائے قبل الولادت بھی آپ خاتم الانبیاء تھے؟ وضاحت کی جائے مہربانی ہوگی۔

﴿الجواب﴾:

چونکہ ختم کے متعلق بہت سے آیات اور احادیث وارد ہیں (۱۶۱)۔ اور ان میں سے

---

(۱۶۱): قال الله تبارك وتعالىٰ: **ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين.** (الأحزاب: ٤٠)

وعن أبي هريرةؓ، أن رسول الله ﷺ قال: فضلت على الأنبياء بست: أعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب، وأحلت لي الغنائم، وجعلت لي الأرض مسجدا وطهوراً، وأرسلت الى الخلق كافة، وختم بي النبيون. (مشكاة المصابيح، كتاب الفضائل و الشمائل، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه، الفصل الأول، ص: ٥١١، ط، قديمي كتب خانه كراچي)

وعن العرباض بن ساريةؓ، عن رسول الله ﷺ، أنه قال: اني عندالله مكتوب: خاتم النبيين، وان آدم لمنجدل في طينته، وسأخبركم بأول أمري، دعوة ابراهيم، وبشارة عيسى، ورؤيا أمي التي رأت حين وضعتني وقد خرج لها نور أضاء لها منه قصور الشام. (مشكاة المصابيح، كتاب الفضائل و الشمائل، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه، الفصل الثاني، ص: ٥١٣، ط، قديمي كتب خانه كراچي)

وعن جابرؓ، أن النبي ﷺ قال: أنا قائد المرسلين ولافخر، وأنا خاتم النبيين ولافخر، وأنا أول شافع ومشفع ولافخر. (مشكاة المصابيح، كتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله وسلامه عليه، الفصل الثاني، ص: ٥١٤، ط، قديمي كتب خانه كراچي)

سب سے اول کا تعین مشکل ہے۔ لہٰذا ہم عقیدہ رکھیں گے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ کے علم میں ازل سے خاتم الانبیاء ہیں اور اس کے متعلق اول وحی کی تاریخ نا معلوم ہے۔ وھوالموفق (فتاوی فریدیہ، ج:۱،ص:۴۶۸)



رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں

﴿سوال﴾:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب نبی آخرالزمان آنے والے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں، اس سلسلہ میں وضاحت کیجئے۔

﴿جواب﴾:

نبی آخرالزمان پیغمبر اسلام جناب محمد ﷺ ہیں، آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں، اور ہر طرح کی نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو چکی ہے، آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد کا امکان باقی نہیں رہا، قرآن میں یہ بات صراحت سے فرمائی گئی ہے (۱۶۲)، احادیث اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہوئی ہیں (۱۶۳)، اور یہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے، اگر کوئی شخص

---

(۱۶۲):قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ما کان محمد أبا أحد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین. (الأحزاب: ٤٠)

(۱۶۳):عن أبی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ: أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: ان مثلی ومثل الأنبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتاً فأحسنہ وأجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون: ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ؟ قال: فأنا اللبنۃ، وأنا خاتم النبیین. (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین ﷺ، ص: ٧٢٧، رقم: ٣٥٣٥، ط، دار السلام ریاض)

عن مصعب بن سعد، عن أبیہ، أن رسول اللّٰہ ﷺ خرج الی تبوک واستخلف علیا فقال: أتخلفنی فی الصبیان والنساء؟ قال: ألا ترضی أن تکون منی

آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرے، یا اس جھوٹے مدعی کی تصدیق کرے، تو وہ کافر ہے، اوراس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں (۱۶۴)، قیامت تک کے لئے آپ ﷺ ہی کی نبوت

بمنزلة هارون من موسى الا أنه ليس نبي بعدى. (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب غزوة تبوك، وهي غزوة العسرة، ص: ٩٠٩، رقم: ٤٤١٦، ط، دار السلام رياض)

عن الزهرى: سمع محمد بن جبير بن مطعم عن ابيه، أن النبي ﷺ قال: أنا محمد، وأنا أحمد، وأنا الماحي يمحىٰ بى الكفر، وأنا الحاشر الذى يحشر الناس على عقبى، وأنا العاقب، والعاقب الذى ليس بعده نبى. (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فى أسمائه ﷺ، ص: ١٠٣٤، ط، دار السلام رياض)

وأخرج أحمد عن حذيفةؓ، عن النبى ﷺ قال: فى أمتى كذابون ودجالون سبعة وعشرون، منهم أربع نسوة، وانى خاتم النبيين لانبى بعدى.

وأخبرج ابن أبى شيبة عن عائشة قالت: قولوا: خاتم النبيين. ولاتقولوا لانبى بعده. (الدرالمنثور فى التفسير بالماثور، سورة الأحزاب، الآية: ٤٠، ج: ١٢، ص: ٦٤)

(۱۶۴):فى الجامع لأحكام القرآن: قال ابن عطية: هذه الألفاظ عند جماعة علماء الأمة خلفاً وسلفاً متلقاة على العموم التام، مقتضية نصاً أنه لانبى بعده ﷺ. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ٤٠، ج: ١٧، ص: ١٦٦، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

وفى الموسوعة الفقهية: من ادعى النبوة لنفسه أو غيره فهو كاذب قطعاً، لأن اللّٰه تعالىٰ نص فى القرآن الكريم على أن محمداً ﷺ هو خاتم النبيين، أى آخرهم، ليس بعده نبى حتى تقوم الساعة. قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول اللّٰه وخاتم النبيين﴾. قال النبى ﷺ: أنا خاتم النبيين. وقال أيضاً: فضلت على الأنبياء بست.... الحديث، وفيه: وختم بى النبيون، وقال ﷺ: سيكون فى أمتى كذابون ثلاثون كلهم يزعم أنه نبى، وأنا خاتم النبيين لانبى بعدى.

وهذا أمر مجمع عليه معلوم من الدين بالضرورة. ومن هنا ينص الفقهاء على أن من ادعى أنه شريك لمحمد ﷺ فى الرسالة، أو قال بجواز اكتسابها بتصفية

ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آسکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں ''انگشت شہادت اور بیچ کی انگلیوں'' کو جمع کر کے اشارہ سے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ میری بعثت اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہے، ''بعثت أنا والساعة کهاتين'' (۱۶۵) مقصد یہ ہے کہ میری نبوت اور قیامت کے درمیان کسی اور نبی کا ظہور نہیں ہوسکتا۔ (کتاب الفتاوی، ج:۱، ص:۵۳۶، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



القلب وتهذيب النفس فهو كافر.

وكذا ان ادعى أنه يوحى اليه وان لم يدع النبوة. قال القاضي عياض: لاخلاف في تكفير مدعي الرسالة. قال: وتقبل توبته على المشهور.

وقال عبدالقاهر البغدادي: قال أهل السنة بتكفير كل متنبىء، سواء كان قبل الاسلام كزرادشت، ويوراسف، وماني، وديصان، ومرقيون، ومزدك، أو بعده، كمسيلمة وسجاح، والأسود بن يزيد العنسي، وسائر من كان بعدهم من المتنبئين.

ومن صدق مدعي النبوة يكون مرتداً، لكفره، كذلك، لانكاره الأمر المجمع عليه.

ونقل القرافي عن أشهب أنه قال: ان كان المدعي للنبوة ذمياً استتيب ان أعلن ذلك، فان تاب والا قتل، وقال ابن القاسم: يقتل المتنبىء أسر ذلك أو أعلنه.

ومن ادعى البنوة لغيره من الناس فهو مرتد، وقال عبدالقاهر: قال أهل السنة بتكفير من ادعى للأئمة الالهية أو النبوة، كالسبئية والبيانية والخطابية ومن جرى مجراهم. (الموسوعة الفقهية، ج: ٤٠، ص: ٣٨، ٣٩، ٤٠)

وفيه ايضاً: آخر الأنبياء بعثة محمد ﷺ وذلك أمر اجماعي...الخ. (الموسوعة الفقهية، ج: ٤٠، ص: ٤١)

(١٦٥): قال ابو حازم: سمعت من سهل ابن سعد الساعديؓ صاحب رسول

رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا

﴿سوال﴾:

مندرجہ ذیل عبارت کے اس عقیدہ پر شرعی فتویٰ دیجئے (کتاب تحذیر الناس ص۳) از افاضات مبارکہ حجۃ الاسلام حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ العزیز۔

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم وتاخر زمان میں بالذات کچھ نہیں ہے کچھ مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے کتاب تحذیر الناس ص۳ کیا یہ عقیدہ رکھنا درست ہے۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

عبارت منقولہ پوری عبارت نہیں ہے پوری عبارت کا جو مفہوم ہے وہ بالکل صحیح وبرحق ہے اور وہی عقیدہ تمام اہل سنت والجماعت کا ہے اور حاصل اس کا یہ ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ محض زمانہ ہی کے اعتبار سے خاتم النبیین نہیں تھے بلکہ ذات ومرتبہ کے اعتبار سے بھی آپ خاتم النبیین ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (منتخبات نظام الفتاوی، ج:۱، ص:۸۷، ط، ایفا پبلیکیشنز نئی دہلی)



اللہ ﷺ یقول: قال رسول اللہ ﷺ: بعثت وأنا والساعة کھذہ من ھذہ أو کھاتین، وقرن بین السبابة والوسطی. (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب اللعان وقول اللہ تعالیٰ: ﴿والذین یرمون أزواجھم﴾ الی قولہ: ﴿ان کان من الصادقین﴾، ص: ۱۱۵۰، رقم: ۵۳۰۱، ط، دار السلام ریاض)

کیا نبوت جاری ہے؟

﴿سـوال﴾:

سورۂ اعراف کی آیت ''یا بنی آدم اما یأتینکم رسل منکم'' سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک نبی آتے رہیں گے کیونکہ بنی آدم سے یوم قیامت تک آنے والے تمام افراد مراد ہیں ان کے انبیاء بھی قیامت تک آنے چاہئیں۔

﴿جواب﴾:

یہاں دو عموم ہیں۔ ایک افراد انسانی کا عموم۔ دوسرا تمام اوقات میں عموم واحاطہ رسل۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسم کے بعد بھی قیامت تک ظاہر ہے کہ پہلا عموم دوسرے عموم کو مستلزم نہیں۔ بایں طور پر ہر دور میں نئے نئے رسول آتے رہیں بلکہ یہ چیز امکانِ وقوعی کے طور پر ثابت ہے کہ ایک ہی رسول قرونِ کثیرہ کے افراد انسانی کے لیے کافی ہو جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام امت عیسویہ کے قرونِ کثیرہ کے لیے کافی ہوئے (یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسم کی بعثت سے قبل پانچ صد سال) یہ معاملہ باری تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ ہر ایک کے لیے جس قدر چاہتا ہے حد مقرر فرماتا ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اپنے ہمعصروں کے لیے اور مابعد میں قیامت تک آنے والوں کے لیے کافی ہوں۔ پس آیت مذکورہ سے مستدل کا استدلال کوئی قوت نہیں رکھتا بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت ورسالت کا انقطاع نص قرآنی ''وخاتم النبیین'' سے ثابت ہے۔

﴿سـوال﴾:

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات میں اور امام شعرانی نے یواقیت والجواہر میں کئی مقامات پر تصریح فرمائی ہے کہ نبوت تشریعی کا سلسلہ منقطع ہوا ہے مطلق نبوت

کا نہیں۔لہٰذا جائز ہے کہ بعض کاملین امت کو نبی غیر تشریعی کہا جائے۔

﴿جواب﴾:

ایسا کہنا بالکل جائز نہیں۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علیؓ سے ارشاد فرماتے ہیں:انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی. [مشکاة ص: ۵۶۳] تم مجھ سے قرب ومنزلت میں اس طرح ہو جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام تھے۔لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔یہاں مطلقاً اسم نبی کے اطلاق کی نفی فرمادی خواہ وہ تشریعی کہلائے یا غیر تشریعی۔اگر کہا جائے کہ صاحب فتوحات وصاحب یواقیت نے اس حدیث کی خلاف ورزی کیوں کی ہے تو جواباً یہ کہا جائے گا کہ ان اکابر کی غرض یہ ہے کہ اس امت مرحومہ میں اہل اللہ کا ایسا گروہ موجود ہے جنہیں کشف یا الہام یا لوح محفوظ کے مطالعہ کے ذریعے کتاب وسنت وغیرہ کے اسرار سے مطلع کیا جاتا ہے۔یہ نہیں کہ اس معنی کے حصول سے انہیں نبوت کا مقام مل جاتا ہے۔یا ان پر اسم نبی کا اطلاق صحیح ہے بلکہ صاحب فتوحات خود فتوحات میں تصریح فرماتے ہیں۔لایصح لاحد ان یال مقام النبوة انا نراه كالنجوم علی السماء. کہ اب کسی کے لیے نہیں ہوسکتا کہ وہ نبوت کا مقام پائے ہم تو نبوت کے مقام کو اپنے سے اتنا دور دیکھتے ہیں جتنا کہ آسمان کی بلندی پر دور سے ستارے نظر آتے ہیں۔یواقیت میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد رسول ونبی کا اطلاق امت مرحومہ کے کسی فرد پر جائز نہیں۔ذالک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء. یہ وہبی چیز ہے کسبی نہیں۔ قصیدہ بردہ میں ہے۔ تبارک اللّٰہ ما وحی بمکتسب یعنی کسبی چیز نہیں۔شرح عقائد وغیرہ میں ہے کہ کوئی ولی درجہ انبیاء تک نہیں پہنچ سکتا (۱۶۶)۔صاحبِ سمجھ کے لیے یہی کافی

(۱۶۶): فی شرح العقائد: ولایبلغ ولی درجة الأنبیاء، لأن الأنبیاء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة. (شرح العقائد النسفیة، مسألة أفضلیة النبوة والولایة، ص: ۳۷۹، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

ہے۔ واللہ یقول الحق ویھدی السبیل والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی آلہٖ واصحابہ اجمعین. [فتاوی مھریہ، ۲۸،۲۹]۔ (فتاوی ختم نبوت، ج: ۱، ص: ۲۲۸، ۲۲۹، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان)



آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الرسل ہونے کی دلیل

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ قرآن واحادیث مبارکہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے بے شمار دلائل ملتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ کیا یہی دلائل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الرسل ہونے کے بھی ہیں، یا ان کے علاوہ کوئی اور دلائل ہیں، جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الرسل ہونے پر دال ہیں؟ اگر ان دلائل کے علاوہ کوئی دوسری دلیل ہے تو اس کو جواب میں تحریر فرمائیے واضح رہے کہ ہمیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین والرسل ہونے میں کوئی شک وتردد نہیں ہے، بلکہ صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الرسل ہونے کے دلائل معلوم کرنا ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الأنبیاء اور خاتم النبیین ہونے کے دلائل قرآن مقدس اور احادیث شریفہ میں موجود ہیں، اسی طرح خاتم الرسل ہونے کی بھی صراحت

وفی شرح الفقه الأكبر: ومنها أن الولی لایبلغ درجة النبی لأن الأنبیاء علیهم السلام معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة. (شرح الفقه الأكبر، مسئلة فی أن الولی لایبلغ درجة النبیؑ، ص: ۱۱۰، ط، دار الكتب العربیة الكبریٰ)

احادیث میں موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس بن مالکؓ قال: قال رسول اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی، الحدیث. [ترمذی شریف، کتاب الرؤیا، باب ذهبت النبوة، النسخة الهندیة، ۲/ ۵۳، دار السلام رقم: ۳۲۷۲، مسند احمد ۳/ ۲۶۷، رقم: ۷۷۳]

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم مثلی ومثل الأنبیاء کمثل قصر أحسن بنیانه الا موضع تلک اللبنة فکنت أنا سددت موضع اللبنة ختم بی البنیان وختم بی الرسل. [مشکوة المصابیح، النسخة الهندیة ۲/ ۵۱۱، صحیح ابن حبان، دار الکفر ۶/ ۸۳، رقم: ۶۴۱۵] فقط واللّٰہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔(فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۳۴۷، ۳۴۸، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند الهند)



رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی شرعی حیثیت

﴿سوال﴾:

جناب مفتی صاحب افغانستان اور مقبوضہ کشمیر میں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے پاس رسول ﷺ کے موئے مبارک وبال موجود ہیں، لوگ ان کی زیارت کے لئے ثواب کی نیت سے جاتے ہیں اور وہاں نذرانے وغیرہ پیش کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی کسی جگہ ابھی تک رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک موجود ہیں اور ان کی

زیارت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

﴿الجواب﴾:

روایات سے یہ ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کے پاس آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک (بال) موجود تھے، خود رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر احرام سے نکلنے کے لیے حلق فرمایا تو ان موئے مبارک کو حضرت ابوطلحہؓ کے ذریعے صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا جن کو آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے اپنی جانوں سے پیارا سمجھ کر ان کی حفاظت فرمائی۔

لما رواہ الامام ابوعیسیٰ الترمذی رحمہ اللّٰہ: عن انس بن مالک قال: لما رمی رسول اللّٰہ ﷺ الجمرۃ نحر نسکہ ثمّ ناول الحالق شقہ الایمن فحلقہ فأعطاء اباطلحۃ ثمّ ناولہ شقہ الایسر فحلقہ فقال: اقسمہ بین الناس. (الجامع الترمذی علیٰ صدر معارف السنن ج ٦ ص ٢٧٥ باب ماجاء بأی جانب الراس یبدا فی الحلق، کتاب الحج)

حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس بھی حضور ﷺ کے موئے مبارک تھے جن کو وہ اپنے خود (حفاظتی ٹوپی) میں رکھا کرتے تھے، خصوصاً جنگ کے موقع پر انہیں اپنے خود میں ضرور رکھتے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرماتا۔

قال العلامۃ العینیؒ: وذکر غیر واحد ان خالد ابن ولیدؓ کان فی قلنسوتہ شعرات من شعرہ ﷺ فلذلک کان لا یقدم علیٰ وجہ الا فتح لہ ویؤیدہ ما ذکرہ الملا فی السیرۃ ان خالد سال ابا طلحۃ حین فرق شعرہ ﷺ بین الناس ان یعطیہ شعرۃ ناصیتہ فاعطاء ایاہ فکان مقدم ناصیتہ مناسباً لفتح کل ما اقدم علیہ. (عمدۃ القاری ج۔١ ص ٦٣ کتاب

الحج باب الحلق و التقصير عند الاحلال)

آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کے اہل وعیال کی وساطت سے دوسروں تک بھی پہنچے جو ان کے ہاں دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب تھے چونکہ صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد پوری دنیا میں پھیل گئے تھے، اس لئے ممکن ہے کہ آپ کے موئے مبارک صحابہ کرامؓ کے واسطہ سے کشمیر اور افغانستان کے علاقوں میں کسی کے پاس ہوں۔

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے صحیح بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے:

"عن ابن سيرين قال: قلت لعبيدة عندنا من شعر النبي ﷺ اصبناه من قبل انس اومن اهل انس فقال لأن تكون عندي شعرة منه احب الي من الدنيا وما فيها". (معارف السنن ج ٦ ص ٣٧٨، ٣٧٩ كتاب الحج)

تو ان روایات اور اس قسم کی دوسری روایات سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک لوگوں کے ہاں محفوظ چلے آرہے ہیں، اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دنیا کے کسی مقام پر حضور نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک موجود ہوں اور لوگ ان کی زیارت کے لیے سفر کریں، تاہم اس بارے میں کہیں شک پیدا ہو جائے تو خاموشی اختیار کرنے میں ہی بہتری ہے۔ خواہ مخواہ نزاع کی صورت اختیار کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ (فتاوی حقانیہ، ج:۲،ص: ۶۸، ۶۹، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک/ فتاوی رحیمیہ، ج:۳،ص:۴۰، ط، دارالاشاعت کراچی/ فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۶۶)



آپ ﷺ پر جادو کا ہونا مقام نبوت کے خلاف نہیں

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ حضور انور ﷺ پر جادو نہیں ہوا اگر ہوا ہے تو براہ کرم اسکا حوالے بخاری و مسلم سے عنایت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾:

سارا دین اسلام صرف بخاری و مسلم میں نہیں ہے احادیث کی اور بھی کتب ہیں جو کہ خیر القرون میں مدون ہوئی ہیں بخاری و مسلم سے ہی حوالہ کا مطالبہ وہی لوگ کرتے ہیں جن کے ذہنوں پر غلط محنت ہوئی ہوتی ہے اور وہ لوگ باقی احادیث سے متعلق بدگمانی کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں یہ بڑی جہالت اور خطرناک بیماری ہے، تاہم آپ ﷺ پر جادو کے بارے میں احادیث بخاری و مسلم میں بھی ہیں جن کے حوالے آپ ملاحظہ فرمائیں گے، اس سے پہلے آپ بطور تمہید یہ جان لیں کہ سحر اور جادو حقیقت میں اسباب طبعیہ ہی کا اثر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اسباب طبعیہ کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ تأثر شان نبوت کے خلاف نہیں جیسے انکا بھوک پیاس سے متاثر ہونا، بیماری میں مبتلا ہونا اور شفاء پانا ظاہری اسباب سے متاثر ہونا سب جانتے ہیں اسی طرح جادو کے باطنی اسباب سے انبیاء علیہم السلام متاثر ہوسکتے ہیں اور یہ تأثر شان نبوت کے منافی نہیں ہے چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مختلف سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ حضور ﷺ پر ایک یہودی نے سحر اور جادو کیا تو اسکا اثر آپ پر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ ﷺ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کرلیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا، پھر ایک روز آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتلادیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا ایک پاؤں کی طرف سرہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ انکو کیا

تکلیف ہے دوسرے نے کہا کہ یہ مسحور یعنی ان پر جادو کیا گیا ہے اس نے پوچھا کہ سحران پر کس نے کیا ہے؟ تو دوسرے نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جو یہودیوں کا حلیف منافق ہے، اس نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا ہے، اس نے بتلایا کہ کھجور کے غلاف میں (جس میں کھجور کا پھل پیدا ہوتا ہے) بئر ذی اروان (ایک کنویں کا نام ہے) میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے، آپ ﷺ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکال لیا اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ اس کا اعلان فرمادیتے تو بہتر ہوتا (کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے، حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے شفا دیدی اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لیے کسی تکلیف کا سبب بنوں (مطلب یہ تھا کہ اسکا اعلان ہوتا تو لوگ اسکو قتل کردیتے یا تکلیف پہنچاتے) اور اسی طرح یہی روایت مسلم شریف میں بھی ہے۔

لما فی صحیح البخاری: (۲/ ۳۸۰، طبع رحمانیه لاهور)

حدثنی عبدالله بن محمد .... عن عائشةؓ كان رسول الله ﷺ سحرحتى كان يرى أنه ياتى النساء ولا ياتيهن قال سفيان وهذا اشد مايكون من السحر اذا كان كذا قال فانتبه من نومه ذات يوم فقال يا عائشةؓ اعلمت ان الله قد افتانى فيما استفتيته فيه اتانى رجلان فقعد احدهما عند رأسى والاخر عند رجلى فقال الذى عند رسه للاخر ما بال الرجل فقال مطبوب قال ومن طبه قال لبيد بن الاعصم رجل من بنى زريق حليف ليهود كان منافقا قال وفيما قال فى مشط ومشاطة قال فاين قال فى جف طلعة ذكر تحت رعوفة فى بئر ذى اروان قال فاتى البئرحتى استخرجه فقال هذه البئر التى اريتها وكان مائها نقاعة الحناء وكان نخلها رؤس

الشياطين قال فاستخرج قالت فقلت افلا تنشرت فقال اما الله فقد شفاني واكره ان اثير على احد من الناس شرا.

ولما في الصحيح للمسلم: (۲/ ۲۲۱، طبع قديمی کراچی)

حدثنا ابو كريب... عن عائشة رضی الله عنها قالت سحر رسول الله صلی الله علیه وسلم يهودى من يهود بني زريق يقال له لبيد بن الاعصم قالت حتى كان يخيل اليه انه يفعل الشي وما يفعله حتى اذا كان ذات يوم او ذات ليلة دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم دعا ثم قال ياعائشة رضی الله عنها اشعرت ان الله افتاني فيما استفتيته فيه جاء ني رجلان عند رجلى فقعد احدهما عند رأسى ما وجع الرجل قال مطبوب قال من طبه قال لبيد بن الاعصم قال في اى شئ قال في مشط ومشاطة وجب طلعة ذكر قال فاين هو قال في بئر ذى اروان قالت فاتاها رسول الله صلی الله علیه وسلم في اناس من اصحابه ثم قال يا عائشة والله لكان مائها نقاعة الحنا، ولكان نخلها رؤس الشياطين قالت فقلت يارسول الله افلا احرقته قال لا اما انا فقد عافاني الله وكرهت ان اثير على الناس شرا فامرت بها فدفنت. وكذا في سنن ابن ماجة: ص ۲۵۳، طبع قديمى. والله بالصواب اعلم. (فتاوی عباد الرحمن، ج: ۱، ص: ۱۰۳ تا ۱۰۵، ط، ایجوکیشنل پریس کراچی)



حضور ﷺ کے چادر کا مقدار اور رنگ، بال مبارک اور آستین وقمیص کی مقدار

﴿سوال﴾:

(۱) حضور ﷺ کا عام لباس یعنی چادر کی مقدار اور رنگ کیا تھا۔

(۲) بالوں کی مقدار کتنی تھی۔

(۳) آستین اور قمیص کی مقدار لکھئے، تو بڑی مہربانی ہوگی۔

﴿الجواب﴾:

(۱) چادر کی طول چار شرعی گز اور عرض ڈھائی شرعی گز یا دو گز ایک بالشت اور اس کا رنگ سبز تھا۔(زرقانی ص ۲۹ جلد ۵)۔

(۲) حج کے ماسوائے بال رکھتے تھے۔ الی انصاف اذنیہ، الی شحمتی الاذنین، الی المنکین، الی مافوق المنکبین فی اوقات مختلفة، فلیراحع الی الشمائل وغیرھا(۱۶۷).

---

(۱۶۷):عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان شعر رسول الله ﷺ الى نصف أذنيه.

عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ مربوطا، بعيد ما بين المنكبين، وكانت جمته تضرب شحمة أذنيه.

عن قتادة قال: قلت لأنسؓ: كيف كان شعر رسول الله ﷺ؟ قال لم يكن بالجعد ولابالبسط، كان يبلغ شعره شحمة أذنيه. (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی شعر رسول اللہ ﷺ، ص: ٤٤، ٤٥، ٤٦، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

عن عائشةؓ قالت: كنت أغتسل أنا ورسول الله ﷺ من اناء واحد، وكان له شعر فوق الجمة، ودون الوفرة. وفي المرقات تحت هذا الحديث: وهذا بظاهره

(۳) آستین بہت طویل اور بہت فراخ نہ تھے۔ رسغین تک لمبے تھے (۱۶۸)۔ اور قمیص کعبین سے اوپر تک ہوئی تھی۔ اور غالبًا انصاف الساقین تک ہوئی تھی (۱۶۹)۔ (زرقانی ص ۵ جلد ۵) وهو الموفق (فتاوی فریدیہ، ج:۱،ص:۴۵۷)



آنحضرت ﷺ کا معجزہ ردشمس

سوال:

گزشتہ دنوں ایک مولانا صاحب نے مقامی مسجد میں اتباع رسول کے موضوع پر

يدل على أن شعره ﷺ كان أمراً متوسطاً بين الجمة والوفرة وليس بجمة ولاوفرة اذ معنى فوق الجمة أن شعره لم يصل الى محل الجمة وهو المنكب، ومعنى دون الوفرة أن شعره كان أنزل من شحمة الاذن، لكن جاء في بعض الروايات أنه ﷺ كان عظيم الجمة الى شحمة أذنيه وهذا ظاهر أن شعره كان جمة، وعلى أن جمته مع عظمها الى أذنيه، ولعل ذلك باعتبار اختلاف أحواله ﷺ. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، ج: ۸، ص: ۲۹۸، ۲۹۹، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۶۸):عن أسماء بنت يزيد قالت: كان كم قميص رسول الله ﷺ الى الرسغ. (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللّٰہ ﷺ، ص: ٦٧، ط، مكتبة البشریٰ كراتشی)

(۱۶۹): فی خصائل نبوی: مناوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور [ﷺ] کا کُرتا زیادہ لمبا نہ ہوتا تھا، نہ اس کی آستینیں لمبی ہوتی تھیں۔ دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضور [ﷺ] کا کُرتا ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نصف پنڈلی تک ہونا چاہئے۔ (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللّٰہ ﷺ، ص: ٦٥، ط، مكتبة البشریٰ كراتشی)

وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ایک مرتبہ حضور ﷺ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانو پر سر رکھ کر لیٹے کہ اتنے میں انہیں نیند آگئی اور آپ ﷺ سو گئے، ادھر عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے انہیں جگانا مناسب نہ سمجھا، انہوں نے سوچا کہ نماز تو پھر مل جائے گی مگر حضور ﷺ کی اس طرح قربت نہ جانے پھر نصیب ہوگی یا نہیں؟ اتنے میں سورج غروب ہوگیا، حضور ﷺ کی آنکھ کھلی تو سورج غروب ہو چکا تھا، حضور ﷺ نے جاگ کر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ: نماز پڑھنا چاہتے ہو یا قضا پڑھو گے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: قضا نہیں پڑھنا چاہتا! تو حضور ﷺ نے سورج کو حکم دیا، سورج دوبارہ نکل آیا اور حضرت علیؓ نے نماز پڑھی۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے اپنی نماز تو قضا کر لی مگر زانو سے حضور ﷺ کو نہ جگایا۔

اس میں تفصیل طلب بات یہ ہے کہ آیا حضور ﷺ نے خود نماز پڑھنے سے پہلے سو گئے یا دونوں نے نماز نہیں پڑھی؟ اگر حضور ﷺ نے پڑھی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت علیؓ وہاں بیٹھے رہے اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی؟ اور پھر نبی جب سوتا ہے تو غافل نہیں ہوتا، نبی کا دل جاگ رہا ہوتا ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی سو جائے، اس کی اپنی نماز قضا ہو جائے یا اس کے رفیق کی؟

مولانا کی گفتگو سے مندرجہ بالا اشکالات میرے ذہن میں آئے، امید ہے کہ ان کا جواب دے کر ممنون فرمائیں گے اور بتلائیں گے کہ آیا یہ واقعہ صحیح احادیث سے ثابت ہے یا واقعہ کی حد تک ہے؟

﴿جواب﴾:

حضرت علیؓ کے لیے ردّ شمس کی حدیث امام طحاوی رحمہ اللہ نے مشکل الآثار (ج:۲ ص:۹) میں حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت کی ہے، بہت سے حفاظ حدیث نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ امام طحاویؒ نے اس کے رجال کی توثیق کرنے کے بعد حافظ احمد بن صالح مصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"لا ینبغی لمن کان سبیله العلم التخلف عن حفظ

حدیث اسماء الذی روی لنا عنہ، لانہ من اجل علامات النبوۃ.“ (مشکل الآثار ج:۲ ص: ۱۱)

ترجمہ:... ”جو شخص علم حدیث کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہو، اسے حضرت اسماءؓ کی حدیث کے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، یاد کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ یہ جلیل القدر معجزات نبوت میں سے ہے“۔

حافظ سیوطیؒ ”اللآلی المصنوعۃ“ میں لکھتے ہیں:

”ومما یشھد بصحۃ ذالک قول الامام الشافعی وغیرہ ما اوتی نبی معجزۃ الا اوتی نبینا صلی اللہ علیہ وسلم نظیرھا، او ابلغ منھا، وقد صح ان الشمس حسبت علیٰ یوشع (علیہ السلام) لیالی قاتل الجبارین، فلابد ان یکون لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم نظیر ذالک، فکانت ھذہ القصۃ نظیر تلک.“ (مشکل الآثار ج: ۱ ص: ۳۴۱)

ترجمہ:... ”اور من جملہ ان امور کے جو اس واقعہ کے صحیح ہونے کی شہادت دیتے ہیں، حضرت امام شافعیؒ اور دیگر حضرات کا یہ ارشاد ہے کہ کسی نبی کو جو معجزہ بھی دیا گیا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی نظیر عطا کی گئی، یا اس سے بھی بڑھ کر، اور صحیح احادیث میں آچکا ہے کہ سورج، حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے روکا گیا تھا، جبکہ انہوں نے جبارین سے جہاد کیا، پس ضروری تھا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اس کی نظیر واقع ہوتی، چنانچہ یہ واقعہ حضرت یوشع علیہ السلام کے واقعہ کی نظیر ہے“۔

امام ابن جوزیؒ نے اس قصہ کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی ”منہاج السنۃ“ میں بڑی شد و مد سے اس کا انکار کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ”فتح

الباری“ میں لکھتے ہیں:

”وهـذا ابـلـغ المعجزات، وقد اخطا ابن الجوزی فی ایـراده فی الموضوعات، وكذا ابن تيمية فی كتاب الرد علی الروفض في زعم وضعه، والله اعلم!“ (ج: ٦ ص: ٢٢٢)

ترجمہ:.... ”ردِشمس کا یہ واقعہ حضرت یوشع علیہ السلام کے واقعہ سے بلیغ تر ہے، ابن جوزیؒ نے اس واقعہ کو موضوعات میں درج کر کے غلطی کی ہے، اسی طرح ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب میں جو ردّ روافض پر لکھی گئی ہے، اس کو موضوع قرار دے کر غلطی کی ہے“۔

حافظ سیّد مرتضیٰ زبیدی رحمہ اللہ ”شرح احیاء“ میں لکھتے ہیں:

”وهـذا تـحـامل من ابن الجوزی، وقد ردّ عليه الحافظان السخاوی والسيـوطـی، وحاله فی ادراج الأحاديث الصحيحة فی حيز الموضوعات معلوم عند الائمة، وقد ردّ عليه وعابه كثيرون من اهل عصره ومن بعدهم، كـمـا نـقـلـه الـحـافـظ العراقی فی اوائل نكته علی ابن الصلاح، فلا تطيل بذكره، وهذا الحديث صححه غير واحد من الحافظ، حتیٰ قال السيوطی ان تـعـدد طـرقه شاهد علی صحته، فلا عبرة بقول ابن الجوزی“. (اتحاف شرح احياء ج:٧ ص: ١٩٢)

ترجمہ:.... ”اس واقعہ کو موضوعات میں شمار کرنا ابن جوزیؒ کی زیادتی ہے، حافظ سخاویؒ اور حافظ سیوطیؒ نے ان پر ردّ کیا ہے، اور ابن جوزیؒ جس طرح صحیح احادیث کو موضوعات میں ذکر کر جاتے ہیں وہ ائمہ کو معلوم ہے، ان کی اس روش پر ان کے معاصرین نے بھی اور بعد کے حضرات نے بھی ان کی عیب چینی کی ہے، جیسا کہ حافظ عراقیؒ نے اپنی کتاب ”نکت ابن اصلاح“ کے اوائل میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو بہت سے حفاظِ حدیث نے صحیح کہا ہے۔ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ: اس کے طرق کا متعدد ہونا اس کی صحت

پر شاہد ہے، اس لئے ابن جوزیؒ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔“

بہر کیف! یہ واقعہ صحیح ہے اور اس کا شمار معجزات نبوی میں ہوتا ہے، رہا آپ کا یہ کہنا کہ: ”یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھ لی ہو اور حضرت علیؓ نے نہ پڑھی ہو؟“ اس کا جواب خود اسی حدیث میں موجود ہے کہ حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ نے کسی کام سے بھیجا تھا، جب وہ اس کام سے واپس آئے تو نماز ہو چکی تھی، آنحضرت ﷺ یہ سمجھا کہ یہ نماز پڑھ چکے ہوں گے۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ: ”نبی سوتا ہے اس کا دل جاگتا ہے، پھر نماز قضا ہو سکتی ہے؟“ اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کے اوقات کا مشاہدہ کرنا دل کا کام نہیں، بلکہ آنکھوں کا کام ہے، اور نیند کی حالت میں نبی کی آنکھ سوتی ہے، دل جاگتا ہے، یہی وجہ کہ ’لیلۃ التعریس‘ میں آنحضرت ﷺ کی اور آپ ﷺ کے رفقا کی نماز فجر قضا ہوئی (۱۷۰)۔ واللہ اعلم (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱، ص:۱۶۹ تا ۱۷۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۱۷۰):عن ابی هريرةؓ قال ان رسول اللهﷺ حين قفل من غزوة خيبر سار ليلة حتى اذا ادركه الكرى عرس وقال لبلال اكلأ لنا الليل فصلى بلال ما قدر له ونام رسول اللهﷺ واصحابه فلما تقارب الفجر استند بلال الى راحلته موجه الفجر فغلبت بلالا عيناه وهو مستند الى راحلته فلم يستيقظ رسول اللهﷺ ولا بلال ولا احد من اصحابه حتى ضربتهم الشمس فكان رسول اللهﷺ اولهم استيقاظاً ففزع رسول اللهﷺ فقال اى بلال فقال بلال اخذ بنفسي الذى اخذ بنفسك قال اقتادوا فاقتادوا رواحلهم شيئاً ثم توضأ رسول اللهﷺ وامر بلالا فاقام الصلاة فصلى بهم الصبح فلما قضى الصلاة قال من نسى الصلاة فليصلها اذا ذكرها فان الله تعالى قال واقم الصلاة لذكرى رواه مسلم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب تأخير الصلاة، الفصل الأول، ص: ٦٦، ٦٧، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

معجزہ شق القمر

﴿سوال﴾:

ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب جو مسجد کے امام بھی ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ شق قمر والا جو معجزہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوا تھا، وہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ثبوت ہے۔ براہِ کرم اس کے متعلق صحیح احادیث لکھ دیں، تا کہ ان کی تسلی ہو۔

﴿جواب﴾:

شق قمر کا معجزہ صحیح احادیث میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت حذیفہ، حضرت علی وغیرہم [رضوان اللہ تعالیٰ علیہم] سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ہے:

"**انشق القمر على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فرقتين، فرقة فوق الجبل وفرقة دونه فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: اشهدوا**". (صحيح بخارى ج: ٢ ص: ٧٢١ واللفظ له، صحيح مسلم ج: ٢ ص: ٣٧٣، ترمذى ج: ٢ ص: ١٦١)

ترجمہ:... **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوا، ایک ٹکڑا پہاڑ سے اوپر تھا اور ایک پہاڑ سے نیچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گواہ رہو"۔**

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے:

"**انشق القمر فى زمان النبى صلی اللہ علیہ وسلم**". (صحيح بخارى ج: ٢ ص: ٧٢١ واللفظ له، صحيح مسلم ج: ٢ ص: ٣٧٣، ترمذى ج: ٢ ص: ١٦١)

ترجمہ:... "**آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے**

زمانے میں چاند دوٹکڑے ہوا"۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے:

"ان اهل مكة سالوا رسول الله ﷺ ان يريهم آية، فأراهم انشقاق القمر مرتين". (صحيح بخاری ج: ۲ ص: ۷۲۲، صحيح مسلم ج: ۲ ص: ۳۷۳ واللفظ له، ترمذی ج: ۲ ص: ۱٦۱)

ترجمہ:... "اہلِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کوئی معجزہ دکھائیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ دکھایا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے:

"انفلق القمر على عهد رسول الله ﷺ، فقال رسول الله ﷺ: اشهدوا". (صحيح مسلم ص: ۳۷۳ ج: ۲ ترمذی ص: ۱٦۱ ج:۲ واللفظ له)

ترجمہ:... "رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند دوٹکڑے ہوا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ رہو"۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"انشق القمر على عهد رسول الله ﷺ حتىٰ صار فرقتين على هذا الجبل وعلىٰ هذا الجبل، فقالو: سحرنا محمد، فقال بعضهم لئن كان سحرنا فما يستطيع ان يسحر الناس كلهم". (ترمذی ج: ۲ ص: ۱٦٤، سورة القمر، طبع قديمی)

ترجمہ:... "رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند دوٹکڑے ہوا،

یہاں تک کہ ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر تھا، اور ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر۔ مشرکین نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا، اس پر ان میں سے بعض نے کہا کہ: اگر اس نے ہم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتا (اس لئے باہر کے لوگوں سے معلوم کیا جائے، چنانچہ انہوں نے باہر سے آنے والوں سے تحقیق کی تو انہوں نے بھی تصدیق کی)''۔

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ (ج:۳ص:۱۱۹) میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی نقل کی ہے (۱۷۱)، اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ج:۶ ص:۶۳۲) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے (۱۷۲)۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

''قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ہمارے نبی ﷺ کے اہم ترین معجزات میں سے ہے، اس کو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، علاوہ ازیں آیت کریمہ: ''اقتربت الساعة

---

(۱۷۱): فی البداية: وأما حذيفة بن اليمان [رضى الله عنه] فروى أبو نعيم فى الدلائل من طريق عن عطاء بن السائب عن أبى عبدالرحمٰن السلمى. قال: خطبنا حذيفة بن اليمان بالمدائن فحمدالله واثنى عليه ثم قال (اقتربت الساعة وانشق القمر) ألا وان الساعة قد اقتربت، ألا وان القمر قد انشق، ألا وان الدنيا قد آذنت بفراق، ألا وان اليوم المضمار وغدا السباق..الخ. (البداية والنهاية، فصل انشقاق القمر فى زمان النبى ﷺ، ج: ۳، ص: ۱۱۹، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

(۱۷۲): فی الفتح: قوله: (باب سؤال المشركين أن يريهم النبى ﷺ آية، فأراهم انشقاق القمر) فذكر فيه حديث ابن مسعود وأنس وابن عباس فى ذلك، وقد ورد انشقاق القمر أيضاً من حديث على وحذيفة وجبير ابن مطعم وابن عمر وغيرهم. (فتح البارى، كتاب بدء الخلق الأنبياء، باب سؤال المشركين ان يريهم النبى ﷺ آية فأراهم انشقاق القمر، ج: ٦، ص: ۷۳۰)

و انشق القمر" کا بظاہر و سیاق بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ زجاج کہتے ہیں کہ بعض اہل بدعت نے، جو مخالفین ملت کے مشابہ ہیں، اس کا انکار کیا ہے، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو اندھا کر دیا ہے، ورنہ عقل کو اس میں مجال انکار نہیں۔" (نووی: شرح مسلم ج:۲ص:۳۷۳)(۱۷۳)۔ فقط واللہ اعلم (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۷۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



معجزہ شق القمر

﴿سوال﴾:

کیا فرتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شق القمر کا معجزہ قرآن پاک سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے، یا دونوں سے ثابت ہے؟ نیز یہ بات بھی بتائیں کہ واقعہ شق القمر حضور ﷺ کی انگلی مبارک کے اشارہ سے ہوا یا یوں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بغیر انگلی کے اشارہ کے چاند کے دو ٹکڑے فرما دیئے تھے؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شق القمر کا واقعہ حضور ﷺ کی انگلی کے اشارہ سے نہیں ہوا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ شق القمر کا واقعہ ہوا ہی نہیں، سرے سے وقوع کا ہی انکار کرتے ہیں، اصل حقیقت کیا ہے؟

---

(۱۷۳): في شرح النووي: قال القاضي: انشقاق القمر من امهات معجزات نبينا صلى الله عليه وسلم وقد رواها عدة من الصحابة رضي الله عنهم مع ظاهر الآية الكريمة وسياقها، قال الزجاج: وقد أنكرها بعض المبتدعة المضاهين لمخالفي الملة وذلك لما اعمى الله قلبه ولاانكار للعقل فيها. (شرح النووي لمسلم، كتاب صفة المنافقين و احكامهم، باب انشقاق القمر، ج: ۲، ص: ۳۷۳، ط، صداقت كتب خانه كندهار افغانستان)

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

چاند کے دوٹکڑے ہونے کا معجزہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اس کا انکار کرنے والا شخص ایک قطعی واقعہ کا انکار کرنے والا ہے، البتہ جو شخص یہ کہے کہ واقعۂ شق القمر تو پیش آیا، لیکن اس میں پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھ کے اشارہ کا کوئی دخل نہیں تھا، تو ایسے شخص کی بات کی تردید نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ اشارہ کرنے کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

﴿اَقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾[القمر: ۱]

ان أهل مكة سألوا رسول الله ﷺ أن يريهم آية فأراهم انشقاق القمر. (صحيح البخارى ۱/۵۱۳، رقم: ۳۵۰۸)

عن ابن عباس رضى الله عنهما فى قوله تعالىٰ: ﴿اقتربت الساعة وانشق القمر﴾ قال ابن عباس: اجتمعت المشركون الى رسول الله ﷺ، منهم: الوليد بن المغيرة وأبوجهل بن هشام والعاص بن أبى وائل والعاص بن هشام والأسود بن عبد يغوث والأسود بن عبد المطلب بن أسد بن عبد العزى وزمعة بن الأسود والنضر بن الحارث ونظراؤهم كثير، فقالوا للنبى ﷺ: ان كنت صادقا فشق القمر لنا فرقتين: نصفا على أبى قبيس ونصفا على قعيقعان، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: ان فعلت تؤمنوا؟ قالوا نعم، وكانت ليلة بدر، فسأل رسول الله ﷺ عزّوجلّ أن يعطيه ماسألوا، الحديث. (دلائل النبوة لأبى نعيم الأصبهانى ۱/۲۷۹ رقم: ۲۰۹، بحواله: فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند ۱۸/ ۲۳۹)

وقد شرع أن النبی ﷺ أشار الی القمر بسبابته الشریفة فانشق ولم أره فی خبر صحیح. (روح المعانی ۱۱۵/۱۵)

اذا أنکر آیة من القرآن أوسخر بآیة من القرآن، وفی الخزانة: أوعاب فقد کفر. (الفتاویٰ التاتا رخانیة ۳۱۵/۷ رقم: ۱۰۵۷۶ زکریا)فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ (کتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۲۹۱، ۲۹۲، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الهند/فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۳۸، ط، مکتبه دار العلوم دیوبند/فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۱۰۷، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



آنحضرت ﷺ کی انگلی سے چشمہ کا پھوٹنا

﴿سوال﴾:

کسی موقعہ پر آنحضرت ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے تھے جن سے اس وقت کے ہمراہی جہاد کرنے والوں نے بھی پانی پیا تھا، اس کے متعلق جوذکر صحیح اور معتبر روایات میں ہے وہ تحریر فرمایئے۔

﴿الجواب﴾:

یہ معجزہ آنحضرت ﷺ کا صحیح احادیث سے ثابت ہے، بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں میں یہ واقعہ مروی ہے، اور تمام امت کا متفق علیہ ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”**قال: عطش الناس یوم الحدیبیة ورسول اللّٰہ ﷺ بین یدیه رکوة**

فتوضأ منها، ثم أقبل الناس نحوه، قالوا: ليس عندنا ماء نتوضأ به ونشرب الاما فی رکوتک فوضع النبیﷺ یده فی الرکوة، فجعل الماء یفور من بین أصابعه کأمثال العیون، قال: فشربنا وتؤضأنا، قیل لجابر: کم کنتم؟ قال: لو کنا مائة ألف لکفانا، کنا خمس عشرة مائة (متفق علیه)(۱۷۴)''.

اور یہ قصہ کئی طرح مختلف مواقع میں پیش آیا ہے(۱۷۵)، الغرض یہ معجزہ آپ کا صحیح ہے اس کو کسی نے ضعیف نہیں کہا اور انکار نہیں کیا۔ فقط واللہ اعلم (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۳۹، ۲۴۰، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



---

(۱۷۴):(مشکاة المصابیح، باب فی المعجزات، الفصل الأول، ص: ۵۳۲، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۱۷۵): عن عمران بن حصینؓ أنهم کانوا مع النبیﷺ فی مسیر فأدلجوا لیلتهم حتی اذا کان وجه الصبح عرسوا فغلبتهم أعینهم حتی ارتفعت الشمس، فکان أول من استیقظ من منامه أبوبکرؓ، وکان لایوقظ رسول اللهﷺ من منامه حتی یستیقظ. فاستیقظ عمرؓ فقعد أبوبکرؓ عند رأسه فجعل یکبر ویرفع صوته حتی استیقظ النبیﷺ فنزل وصلی بنا الغداة. فاعتزل رجل من القوم لم یصل معنا، فلما انصرف قال: یا فلان، ما یمنعک أن تصلی معنا؟ قال: أصابتنی جنابة، فأمره أن یتیمم بالصعید، ثم صلی وجعلنی رسول اللهﷺ فی رکوب بین یدیه، وقد عطشنا عطشاً شدیداً فبینما نحن نسیر اذا نحن بامراة سادلة رجلیها بین مزادتین، فقلنا لها: أین الماء؟ قالت: ایه لاماء، قلنا: کم بین أهلک وبین الماء؟ قالت: یوم ولیلة، فقلنا: انطلقی الی رسول اللهﷺ، قالت: وما رسول الله؟ فلم نملکها من أمرها حتی استقبلنا بها النبیﷺ فحدثته بمثل الذی حدثتنا غیر أنها حدثته أنها مؤتمة، فأمر بمزادتیها، فمسح بالعزلاوین. فشربنا عطاشاً أربعون رجلا حتی روینا، فملأنا کل قربة معنا واداوة غیر أنه لم نسق بعیراً وهی تکاد تبض من الملء، ثم قال: هاتوا ما

حضور اکرم ﷺ اور صلاۃ اوابین

﴿ســوال﴾:

آپ ﷺ اوّابین کی کتنی رکعت پڑھتے تھے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اوّابین کی کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت پڑھنا ثابت ہے(۱۷۶)۔(زاد المعاد:۱/۲۱۸)(فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۵۱،۱۵۲)



عندكم، فجمع لها من الكسر والتمر، حتى أتت أهلها. قالت: أتيت أسحر الناس أو هو نبي كما زعموا فهدى الله ذاك الصرم بتلك المرأة فأسلمت وأسلموا. (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ص: ۷۳۲، رقم: ۳۵۷۱، ط، دار السلام رياض)

عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتي النبي ﷺ باناء وهو بالزوراء فوضع يده في الاناء فجعل الماء ينبع من بين أصابعه فتوضأ القوم. قال قتادة: قلت لأنس كم كنتم؟ قال: ثلاثمائة أو زهاء ثلاثمائة. (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ص: ۷۳۲، رقم: ۳۵۷۲، ط، دار السلام رياض)

عن انس رضي الله عنه قال: خرج النبي ﷺ في بعض مخارجه ومعه ناس من أصحابه، فانطلقوا يسيرون من ماء يسير فأخذه النبي ﷺ فتوضأ ثم مد أصابعه الأربع على القدح. ثم قال: قوموا فتوضوا، فتوضأ القوم حتى بلغوا فيما يريدون من الوضوء، وكانوا سبعين أو نحوه. (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ص: ۷۳۲، ۷۳۳، رقم: ۳۵۷٤، ط، دار السلام رياض)

(۱۷۶):في الموسوعة الفقهية: عند الفقهاء الضحى: ما بين ارتفاع الشمس الى زوالها.

حضور اکرم ﷺ اور نوافل

﴿سوال﴾:

رسول اللہ ﷺ کون کون سی سنن ونوافل گھر میں پڑھتے تھے؟

الألفاظ ذات الصلة: صلاة الأوابين: قيل: هي صلاة الضحى. وعلى هذا فهما مترادفتان وقيل: ان صلاة الأوابين ما بين المغرب والعشاء، وبهذا تفترقان.

(الموسوعة الفقهية، ج: ۲۷، ص: ۲۲۱)

وفيه ايضاً: وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: أوصاني خليلي ﷺ بثلاث لست بتاركهن: ان لا أنام الا على وتر، وأن لاأدع ركعتي الضحى فانها صلاة الأوابين، وصيام ثلاثة أيام من كل شهر.

وقت صلاة الأوابين وحكمها: قال الجمهور: هي صلاة الضحى، والأفضل فعلها بعد ربع النهار اذا اشتد الحر واستدلوا بحديث النبي ﷺ: صلاة الأوابين حين ترمض الفصال فقول النبي ﷺ: صلاة الأوابين هو الذي أعطاها هذه تسمية، وكان ذلك واصحا في حديث أبي هريرة لمتقدم وفيه...وأن لا أدع ركعتي الضحى فانها صلاة الأوابين.

ولذلك يقول الفقهاء: من أتى بها (أي بصلاة الضحى) كان من الأوابين.

وينظر تفصيل أحكام الصلاة الضحى في مصطلح: صلاة الضحى.

وتطلق أيضاً عن التنفل بعد المغرب. فقالوا: يستحب أداء ست ركعات بعد المغرب ليكتب من الأوابين، واستدلوا على أفضلية هذه الصلاة بحديث النبي ﷺ: من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له عبادة اثنتي عشرة سنة.

قال الماوردي: كان النبي ﷺ يصليها ويقول: هذه صلاة الأوابين.

يؤخذ مما جاء عن صلاة الضحى والصلاة بين المغرب والعشاء أن صلاة الأوابين تطلق على صلاة الضحى، والصلاة بين المغرب والعشاء. فهي مشتركة

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

آپ ﷺ فرض نماز کے علاوہ دوسری تمام سنن ونوافل گھر ہی میں پڑھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ”تم اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھتے رہو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ“ (۱۷۷)۔

یعنی قبرستان میں جس طرح مردے کوئی عمل نہیں کر سکتے، اس طرح اپنے گھروں کو عبادت سے خالی نہ رکھو، بلکہ نماز کے ذریعہ انہیں آباد رکھو۔ البتہ موجودہ دور میں مسجد ہی میں سنن ونوافل پڑھنا بہتر ہے، اس لیے کہ اگر گھر میں پڑھنے کے لیے کہا جائے، تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ آدمی فرض نماز کے بعد مسجد سے نکل کر دنیاوی مشاغل میں لگ جائے، اور سنن ونوافل سے بالکل غافل ہوجائے، نتیجہ یہ ہو کہ نہ گھر میں پڑھ سکے اور نہ مسجد میں (۱۷۸)۔ فقط واللہ بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱ص:۱۵۳)



بينهما كما يقول الشافعية.

وانفرد الشافعية بتسمية التطوع بين المغرب والعشاء بصلاة الأوابين، وقالوا: تسن صلاة الأوابين، وتسمى صلاة الغفلة لغفلة الناس عنها، واشتغالهم بغيرها من عشاء، ونوم، وغيرهما، وهي عشرون ركعة بين المغرب والعشاء، وفي رواية أخرى أنها ست ركعات. (الموسوعة الفقهية، ج: ۲۷، ص: ۱۳۳، ۱۳٤، ۱۳٥)

(۱۷۷): عن ابن عمرؓ، عن النبي ﷺ قال: اجعلوا من صلاتكم في بيوتكم. ولاتتخذوها قبورا. وفي فتح الملهم تحت هذا الحديث: قوله: (ولاتتخذوها قبوراً) الخ: تأوله جماعة على أنه انما فيه الندب الى الصلاة في البيوت، اذا الموتى لايصلون، كأنه قال: لاتكونوا كالموتى الذين لايصلون في بيوتهم، وهي القبور.

(موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب صلاة النافلة في بيته وجوازها في المسجد، ج:٥، ص: ١٤٣، ط، داراحياء التراث العربي بيروت لبنان)

(۱۷۸): في الدر المختار: والأفضل في النفل غير التراويح المنزل الا لخوف

حضور اکرم ﷺ اور مسواک

﴿سوال﴾:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کب فرماتے تھے؟ صرف صبح میں یا ہر نماز کے وقت؟ بینوا وتوجروا۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

رسول اللہ ﷺ کے لیے خصوصی طور سے ہر نماز کے لیے وضو فرض تھا، اس کے بعد آپ ﷺ کے لیے ہر نماز سے پہلے مسواک لازم قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ قرآن پاک پڑھنے کے لیے، سونے سے پہلے، نیند سے بیدار ہونے کے بعد اور گھر میں داخل ہوتے وقت بھی آپ ﷺ سے مسواک کرنا ثابت ہے (۱۷۹)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱، ص:۱۵۳، ۱۵۴)



شغل عنها، والأصح أفضلية ما كان أخشع وأخلص.

وفي الشامية تحته: قوله: (والأفضل في النفل الخ) شمل ما بعد الفريضة وما قبلها، لحديث الصحيحين: "عليكم بالصلاة في بيوتكم، فان خير صلاة المرء في بيته الا المكتوبة". وأخرج أبو داؤد: "صلاة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجدي هذا الا المكتوبة". وتمامه في شرح المنية، وحيث كان هذا أفضل يراعى مالم يلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبيته، أو كان في بيته ما يشغل باله ويقلل خشوعه، فيصليها حينئذ في المسجد، لأن اعتبار الخشوع أرجح. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبيل مطلب سنة الوضوء، ج: ۲، ص: ٤٦٤، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۱۷۹):عن أبي هريرةؓ عن النبي ﷺ، قال: لولا أن اشق على المؤمنين (وفي

حضور ﷺ کا ناشتہ

﴿سوال﴾:

رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت "ناشتہ" کرتے تھے؟ اگر کرتے تھے، تو اس وقت کیا تناول فرماتے تھے؟

حديث زهير، على امتى) لأمرتهم بالسواک عند كل صلاة. وفى فتح الملهم تحت هذا الحديث: قوله: (عند كل صلاة) الخ: قال النووى: السواک مستحب فى جميع الأوقات، ولكن فى خمسة أوقات أشد استحباباً:

أحدها: عند الصلاة سواء كان متطهراً بماء أو بتراب، أو غير متطهر، كمن لم يجد ماء ولاتراباً.

والثانى: عند الوضوء.

الثالث: عند قراء ة القرآن.

الرابع: عند الاستيقاظ من النوم.

الخامس: عند تغير الفم، وتغيره يكون بأشياء، منها ترک الأكل والشرب، ومنها: أكل ما له رائحة كريهة، ومنها: طول السكوت، ومنها: كثرة الكلام.

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه: قال فى امداد الفتاح: وليس السواک من خصائص الوضوء فانه، يستحب فى حالات: منها تغير الفم، والقيام من النوم، والى الصلاة، ودخول البيت، والاجتماع بالناس، وقراء ة القرآن، لقول أبى حنيفة رحمه اللّٰه: ان السواک من سنن الدين. فتستوى فيه الأحوال كلها. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب الطهارة، باب السواك، ج: ۲، ص: ۴۹۲، ۴۹۳، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

عن المقدام بن شريح عن أبيه قال: سألت عائشةؓ، قلت: بأى شىء كان يبدأ النبى ﷺ اذا دخل بيته؟ قالت: بالسواک. (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب السواك، ص: ۱۲۳، رقم: ۵۸۹، ط، دار السلام رياض)

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کے تیرہ سال اور ہجرت کے بعد سات سال آپ ﷺ پر بہت تنگی اور تکالیف ومصائب کے گزرے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات تین تین مہینے کا طویل عرصہ گزر جاتا، مگر گھر میں چولہا نہ جلتا تھا، صرف ’’اسودین‘‘ یعنی کھجور اور پانی پر آپ ﷺ گذر بسر فرمالیتے، گھر میں اناج یا غلہ وغیرہ کوئی چیز نہ ہوتی، جسے پکایا جائے، آپ ﷺ کے فقر اختیاری کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی صحابیؓ کھجور یا

عن حذیفةؓ قال: کان رسول اللہ ﷺ اذا قام لیتهجد، یشوص فاه بالسواک.

(صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب السواك، ص: ١٢٤، رقم:٥٩٣، ط، دار السلام ریاض)

وفی الدر المختار: والسواک سنة مؤکدة کما فی الجوهرة عند المضمضة، وقیل قبلها، وهو للوضوء عندنا الا اذا نسیه فیندب للصلاة کما یندب لاصفرار سن وتغیر رائحة وقراءة قرآن، وأقله ثلاث فی الأعالی وثلاث فی الأسافل بمیاه ثلاثة.

وفی الشامیة تحته: قال فی امداد الفتاح: ولیس السواک من خصائص النوضوء، فانه یستحب فی حالات: منها تغیر الفم، والقیام من النوم، والی الصلاة، ودخول البیت، والاجتماع بالناس، وقراءة القرآن، لقول أبی حنیفة: ان السواک من سنن الدین فتستوی فیه الأحوال کلها اهـ. وفی القهستانی: ولاتختص بالوضوء کما قیل، بل سنة علی حدة علی ما فی ظاهر الروایة. وفی حاشیة الهدایة أنه مستحب فی جمیع الأوقات، ویؤکد استحبابه عند قصد الوضوء فیسن أو یستحب عند کل صلاة اهـ. وممن صرح باستحبابه عند الصلاة أیضا الحلبی فی شرح المنیة الصغیر، وفی هدایة ابن العماد أیضاً، وفی التاترخانیة عن التتمة: ویستحب السواک عندنا کل صلاة ووضوء وکل مایغیر الفم وعند الیقظة اهـ. فاغتنم هذا التحریر الفرید. (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطهارة، قبیل مطلب فی منافع السواك، ج: ١، ص: ٢٣٢، ٢٣٣، ٢٣٤، دار عالم الکتب ریاض)

دودھ وغیرہ لے آتے، تو اسے تناول فرمالیتے (۱۸۰)۔ اور یہی حال ازواج مطہرات کا بھی تھا، کہ آپ ﷺ ان تمام کو سالانہ اخراجات کے لیے جو کچھ بھی دیتے، اکثر ازواج مطہرات اس کو اغرباء اور حاجت مندوں میں خرچ فرمادیتیں، آپ ﷺ کی سخاوت کا بحرِ ذخار تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر تھا، اس لیے کسی بھی چیز کی ذخیرہ اندوزی آپ ﷺ کو پسند نہ تھی (۱۸۱)۔ چائے اور ناشتہ تو درکنار، ضروری کھانے پینے کے لیے بھی آپ ﷺ کوئی خاص انتظام نہیں فرماتے تھے، وقت پر جو کچھ بھی میسر ہوتا، اسے بہ خوشی تناول فرماتے، چائے کا رواج اس زمانے میں نہ تھا، میرے علم کے مطابق چائے کی ایجاد تقریباً دوصدی قبل کی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ چائے

---

(۱۸۰): عن عروةؒ، عن عائشة رضی اللّٰہ عنها: أنها قالت لعروة: ابن اختی: ان كنا لننظر الی الهلال، ثم الهلال ثلاثة أهلة فی شهرین وما أوقدت فی أبيات رسول اللّٰہ ﷺ نار، فقلت: یاخالة، ما كان يعيشكم؟ قالت: الأسودان: التمر والماء، الا أنه قد كان لرسول اللّٰہ ﷺ جيران من الأنصار كانت لهم منائح، وكانوا يمنحون رسول اللّٰہ ﷺ من ألبانهم فيسقينا. (صحیح البخاری، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب فضل الهبة، ص: ۵۱۰، رقم: ۲۵۶۷، ط، دار السلام رياض)

(۱۸۱): عن أنسؓ قال: كان النبی ﷺ لایدخر شيئا لغد. قال أبو عیسی: هذا حديث غريب. (جامع الترمذی، كتاب الزهد، باب ماجاء فی معيشة النبی ﷺ وأهله، ص: ۵۳۸، رقم: ۲۳۶۲، ط، دار السلام رياض)

عن أبی هريرةؓ، أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم دخل علی بلال، وعنده صبرة من تمر، فقال: ما هذا یا بلال؟ قال: شیء أدخرته لغد. فقال: أما تخشی أن تری له غداً بخارا فی نار جهنم يوم القيامة، أنفق بلال! ولاتخش من ذی العرش اقلالا. (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب الانفاق وكراهية الامساك، الفصل الثالث، ص: ۱۶۷، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

کی کمپنی کے ملازمین مجھے چائے کے پیکٹ بیچنے کے لیے دیتے اور چائے بنا کر مفت پلاتے تھے، ہندوستان میں اسے آئے سو/ ۱۰۰ سال ہوئے ہوں گے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چائے کا وجود ہی نہ تھا، صبح میں بھی آپ ﷺ کی جانب سے کوئی کھانا پہلے سے طے نہ ہوتا، جو کچھ بھی میسر ہوتا، آپ ﷺ تناول فرمالیتے۔

''مختصر شمائل ترمذی'' صفحہ نمبر: ۱۷۲ر پڑھیں، تمام تفصیلات مذکور ہیں۔فقط، واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۵۴تا۱۵۶)



حضور ﷺ کی تفریح

﴿سوال﴾:

آپ ﷺ تفریح کے لیے کہاں تشریف لے جاتے تھے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

انسان کو تھکن دور کرنے اور اکتاہٹ ختم کرنے کے لیے تفریح کی ضرورت ہوتی ہے، اور حضور پاک ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ کو ایک روایت کے مطابق تیس جنتی اور ایک روایت کے مطابق چالیس جنتی آدمی کی طاقت دی گئی تھی۔ اور اہل جنت میں سے ایک آدمی کی طاقت ایک سو عام انسانوں کے برابر ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے قویٰ اس اعتبار سے تین یا چار ہزار آدمیوں کے قویٰ کے برابر ہوئے (۱۸۲)، حاصل یہ ہے کہ جس شخصیت

---

(۱۸۲):عن أنس بن مالکؓ قال: کان النبی ﷺ یدور علی نسائه فی الساعة الواحدة من اللیل والنهار وهن احدی عشرة. قلت لأنس: أو کان یطیقه؟ قال کنا نتحدث أنه أعطی قوة ثلاثین. وقال سعید عن قتادة أن انساً حدلهم: تسع نسوة. وفی الفتح تحت هذا الحدیث: قوله: (أو کان) بفتح الواو هو مقول قتادة والهمزة للاستفهام وممیز ثلاثین محذوف أی ثلاثین رجلاً، ووقع فی روایة الاسماعیلی من

عظمیٰ میں اتنی طاقت ہو، اسے تھکن یا اکتاہٹ چھو بھی نہیں سکتی، پھر تفریح کی ضرورت ہی کیا ہے۔

دیگر یہ کہ آپ ﷺ کے تمام اوقات ذکرِ الٰہی اور ارشادِ انام میں صرف ہوتے تھے، مخلوق کی رہنمائی کے بعد جو بھی وقت ملتا، آپ ﷺ اسے ''توجہ الی الخالق'' میں صرف فرماتے، چناں چہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جعلت قرة عيني في الصلاة'' (۱۸۳)۔ یعنی نماز تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، جسے یادِ الٰہی میں اس قدر مزہ آرہا ہو، اسے تفریح کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص: ۱۵۶تا۱۵۸)



طريق أبي موسى عن معاذ بن هشام ''أربعين'' بدل ثلاثين، وهي شاذة من هذا الوجه، لكن في مراسيل طاوس مثل ذلك، وزاد ''في الجماع''، وفي صفة الجنة لأبي نعيم من طريق مجاهد مثله وزاد ''من رجال أهل الجنة''، ومن حديث عبدالله بن عمر ورفعه ''أعطيت قوة أربعين في البطش والجماع'' وعند أحمد والنسائي وصححه الحاكم من حديث زيد بن أرقم رفعه ''ان الرجل من أهل الجنة ليعطى قوة مائة في الأكل والشرب والجماع والشهوة'' فعلى هذا يكون حساب قوة نبينا أربعة آلاف. (فتح الباري، كتاب الغسل، باب اذا جامع ثم عاد۔ ومن دار على نسائه في غسل واحد، ج: ۱، ص: ۴۴۹)

(۱۸۳): عن عائشةؓ قالت: كان رسول اللهﷺ يذكر الله عزوجل على كل احيانه. وفي البذل تحت هذا الحديث: المراد من ذكر الله عزوجل الذكر القلبي، وهو المعبر بالحضور، فحينئذ يكون عموم الأحيان شاملاً لجميع أحيانه لايستثنى منه حين، لأنهﷺ كان دائم الذكر، لاينقطع ذكره القلبي في يقظة ولانوم ولا في وقت ما. (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب في الرجل يذكر الله تعالى على غير طهر، ج: ۱، ص: ۲۲۷، ۲۲۸، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار

﴿سوال﴾:

کیا ہجرت مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ملک کا سفر فرمایا تھا؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر جہاد کے علاوہ اور کوئی سفر نہیں فرمایا، جہاد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر (۱۸۴) (جسے اب خُبر کہا جاتا ہے) اور تبوک (۱۸۵) (جو ملک شام

لبنان)

عن المغيرة بن شعبةؓ قال قال رسول اللهﷺ: جعلت قرة عيني في الصلاة.
(المعجم الكبير للطبراني، ج: ٢٠، ص: ٤٢٠، رقم: ١٠١٢، ط، مكتبة ابن تيمية القاهرة)

وعن أنسؓ قال: قال رسول اللهﷺ: حبب الى الطيب والنساء، وجعلت قرة عيني في الصلاة، رواه احمد والنسائي وزاد ابن الجوزي بعد قوله: حبب الى من الدنيا. (مشكاة المصابيح، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبيﷺ، الفصل الثالث، ص: ٤٤٩، ط، قديمي كتب خانه كراچي)

(۱۸۴):عن بشير بن يسار: أن سويد بن النعمان أخبره أنه خرج مع النبيﷺ عام خيبر حتى اذا كنا بالصهباء وهي من أدنى خيبر صلى العصر ثم دعا بالأزواد فلم يؤت الا بالسويق، فأمر به فثرى فأكل وأكلنا ثم قام الى المغرب فمضمض ومضمضنا ثم صلى ولم يتوضأ.

عن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه قال: خرجنا مع النبيﷺ الى خيبر، فسرنا ليلاً...الخ. (أخرجهما البخاري في صحيحه، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، ص: ٨٦٥، رقم: ٤١٩٥، ٤١٩٦، ط، دار السلام رياض)

(۱۸۵):عن مصعب بن سعد، عن أبيه، أن رسول اللهﷺ خرج الى تبوك واستخلف عليا فقال: أتخلفني في الصبيان والنساء؟ قال: ألا ترضى أن تكون مني

کی جانب ہے) کا سفر کرنا ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱، ص:۱۵۸)



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ اور خچر پر سواری کرنا

﴿سوال﴾:

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے علاوہ گھوڑے یا خچر پر سواری فرمائی ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے علاوہ گھوڑے اور خچر پر بھی سواری فرمائی ہے، گھوڑوں کے رنگ اور خصوصیات کے اعتبار سے ان کے نام بھی روایات میں مذکور ہیں، ایک روایت میں دس اورر دوسری میں پندرہ گھوڑوں پر سواری کا بیان ہے(۱۸۶)۔

(زادالمعاد:۱/۳۴) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱، ص:۱۵۸، ۱۵۹)



بمنزلة هارون من موسى الا أنه ليس نبي بعدي. (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة تبوك، وهي غزوة العسرة، ص: ۹۰۹، رقم: ٤٤١٦، ط، دار السلام رياض)

(۱۸۶):عن زاد المعاد: **فمن الخيل: السكب. قيل وهو أول فرس ملكه، وكانه اسمه عند الأعرابي الذي اشتراه منه بعشر أواق الضرس، وكان أغر محجلا طلق اليمن كميتا. قيل كان أدهم... والمرتجز، وكان أشهب وهو الذي شهد فيه خزيمة بن ثابت.... واللحيف، واللزاز، والظرب، وسبحة، والورد. فهذه سبعة متفق عليها.... وقيل: كانت له أفراس أخر خمسة عشر، ولكن مختلف فيها، وكان دفتا سرجه من ليف.**

وكان له من البغال دلدل، وكانت شهباء أهداها له المقوس. وبغلة أخرى. يقال لها: "فضة". أهداها له فروة الجذامي، وبغلة شهباء أهداها له صاحب أيلة، وأخرى أهداها له صاحب دومة الجندل، وقد قيل: ان النجاشي أهدى له بغلة فكان

حضور ﷺ اور پنکھا

﴿سوال﴾:

کیا گرمی کی شدت کی وجہ سے آپ ﷺ نے پنکھے کا استعمال کیا ہے؟ اگر استعمال منقول ہے، تو وہ پنکھا کیسا تھا؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

پنکھے کے متعلق احادیث میں کہیں کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "**مابین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة**(۱۸۷)".

یعنی میرے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغات کا ایک ٹکڑا ہے، اب غور کیجئے کہ جب جنت میں گرمی نہیں ہے، تو اس جگہ بھی گرمی نہیں ہو سکتی، لہٰذا پنکھے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ معصوم (یعنی تمام گناہوں سے پاک) تھے، علماء نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو معصوم ہونے کی وجہ سے جنتی آدمی کی طرح دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ اور جنتی کو جنت میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی نہایت سادہ تھی، جوامت کے لیے سادگی کا سبق تھی، آپ ﷺ نے ایسی سادگی کے ساتھ زندگی بسر فرمائی کہ روایات میں منقول ہے

یرکبها.... و من الحمیر عفیر و کان أشهب، أهداه له المقوقس ملک القبط، وحمار أخر أهداه له فروة الجذامی، وذکر أن سعد بن عبادة أعطی النبی ﷺ حمارا فرکبه. (زاد المعاد فی هدی خیر العباد، فصل فی دوابه ﷺ، بحواله حاشیه فتاوی فلاحیه)

(کتاب الطبقات الکبیر، ذکر خیل رسول الله ﷺ، ودوابه، ج: ۱، ص: ۴۲۱)

(۱۸۷):(جامع الترمذی، أبواب المناقب، باب ماجاء فی فضل المدینة، ص: ۸۸۱، رقم: ۳۹۱۵، ط، دار السلام ریاض)

کہ سخت کھردرے بچھونے کے اثرات آپ ﷺ کے بدن مبارک پر نمایاں بھی ہو جاتے۔ لیکن آپ ﷺ نے کبھی نرم گدّا یا تکیہ وغیرہ استعمال نہیں فرمایا، لہٰذا پنکھے کے استعمال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (۱۸۸)۔فقط، واعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۵۹،۱۶۰)



حضور ﷺ کا گریبان مبارک کس جانب تھا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور ﷺ کا گریبان مبارک کس جانب تھا؟ اور آپ کے گریبان پر بٹن تھے یا نہیں؟ وضاحت مطلوب ہے۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

---

(۱۸۸): عن عمرؓ قال دخلت علی رسول اللہ ﷺ فاذا ھو مضطجع علی رمال حصیر لیس بینہ وبینہ فراش قد اثر الرمال بجنبہ متکئا علی وسادۃ من ادم حشوھا لیف قلت یارسول اللہ ادع اللہ فلیوسع علی امتک فان فارس والروم قد وسع علیھم وھم لایعبدون اللہ فقال اوفی ھذا انت یا ابن الخطاب اولئک قوم عجلت لھم طیباتھم فی الحیوۃ الدنیا وفی روایۃ اما ترضی ان تکون لھم الدنیا ولنا الاٰخرۃ. متفق علیہ. (مشکاۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب فضل الفقرء وما کان من عیش النبی ﷺ، الفصل الاول، ص: ٤٤٧، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

عن ابن مسعودؓ ان رسول اللہ ﷺ نام علی حصیر فقام وقد اثر فی جسدہ فقال ابن مسعود یارسول اللہ لو امرتنا ان نبسط لک ونعمل فقال مالی وللدنیا وما انا والدنیا الا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ. (مشکاۃ المصابیح، کتاب الرقاق، الفصل الثانی، ص: ٤٤٢، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضور ﷺ کا گریبان مبارک سینے پر تھا جیسا کہ آج کل رائج ہے اور اس پر بٹن بھی تھے۔

لـمـافـی المرقات (۲۴۷/۸): عن معاویة بن قرة عن ابیـه قـال اتیـت الـنبـی ﷺ فـی رهـط من مزینة فبایعوه و انه لـمـطـلـق الازار فـادخـلـت یدی فی جیب قمیصه فمسست الـخـاتـم. (فـی جیـب قـمیـصـه) قال السیوطی فیـه ان جیب قـمیصه کان علی الصدر کما هو المعتاد الآن فظن من لا علم عنده انه بدعة ولیس کماظن.

وفی عمدة القاری (۳۰۲/۲۱): باب جیب القمیص ای هذا باب فی ذکر جیب القمیص الکائن عندا لصدر و کانه اشار بهذا الی ما وقع فی حدیث الباب من قوله ویقول باصبعه هـکـذا فـی جیبـه فان الظاهر انه کان لابس قمیص و کان فی طوقه فتحة الی صدره وعن هذا قال ابن بطال کان الجیب فی ثیـاب السـلف عـنـدا لـصدر. (نـجـم الـفـتـاوی، ج: ۱، ص: ۲۵۵، ۲۵۶)



عصا ہاتھ میں رکھنا سنت ہے

﴿سوال﴾:

عصا ہاتھ میں رکھنا سنت ہے، کیا عصا ہاتھ میں رکھنا عمر کے ساتھ مقید ہے یا ہر کوئی اس کو رکھ سکتا ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اگر ادائے سنت کی نیت ہو تو موافقِ سنت عصا رکھنے سے ان شاء اللہ بلاقیدِ عمر بھی ثواب ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۴، ص:۴۸۴)



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کا رنگ

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ پیلے رنگ کے چپل پہنتے ہیں اور ان کو آپ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں آیا یہ بات صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

احادیث مبارکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا ذکر ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلین مبارک (چپلوں) کے دو تسمے تھے اور نعلین مبارک ایسے چمڑے کے بنے ہوئے تھے جو بالوں سے صاف تھے۔ البتہ کتب احادیث اور سیر وتاریخ کی کتابوں میں یہ بات تلاش کے باوجود نہیں مل سکی کہ نعلین مبارک کا رنگ کیا تھا؟ لہٰذا جب تک تحقیق سے یہ بات معلوم نہ ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا رنگ پیلا تھا اس وقت تک پیلے رنگ کے جوتے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے پہننا صحیح نہیں۔

لمافی الصحیح للبخاری (۸۷/۲) عن قتادة قال حدثنا انس ان نعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لها قبالان.

وفی الشمائل للترمذی (ص۶): عن ابن عباس قال کان لنعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبالان مثنی شراکهما.

وفی مصنف ابن ابی شیبة (۱۲/ ۵۳۴): عن یزید بن ابی زیاد قال رأیت نعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المدینة مخصرة ملسنة

لها عقب خارج.

وفی حاشیته للشیخ محمد عوامه: المخصرتان: الصیقتان من وسطهما ملسنة: كانت دقیقة علی شكل اللسان.

وفی الصحیح للبخاری (۱/۲۱): ربعی بن حراش یقول سمعت علیا یقول قال النبی ﷺ لاتكذبوا علی فانه من كذب علی فلیلج النار.

حدثنا المكی بن ابراهیم قال حدثنا یزید بن ابی عبید عن سلمة هو ابن الاكوع قال سمعت النبی ﷺ یقول من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعده من النار. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۵٦)



حضور اکرم ﷺ اور گرم پانی استعمال کرنا

﴿سوال﴾:
کیا آپ ﷺ نے کبھی گرم پانی سے غسل فرمایا ہے؟ اور وہ گرم پانی کتنا ہوتا تھا؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:
پانی کے گرم ہونے کی صراحت میری نظر سے نہیں گذری ہے، البتہ آپ ﷺ وضو میں دو رطل پانی استعمال فرماتے تھے(۱۸۹)۔ (ابوداود: ۱/۱۳، ترمذی: ۱/۹)
اور غسل میں آٹھ رطل پانی استعمال فرماتے تھے(۱۹۰)۔ (ابوداود: ۱/۱۳، بخاری:

(۱۸۹/۱۹۰): عن عائشة أن النبی ﷺ كان یغتسل بالصاع ویتوضأ بالمد.
وفی البذل تحت هذا الحدیث: والصاع مكیال یسع أربع امداد، والمد رطل وثلث

۱/ ۳۹، ترمذی: ۱/ ۹) فقط، واللہ علم بالصواب (فتاوی فلاحیه، ج: ۱، ص: ۱٦۰)



حضور ﷺ اور شکار

﴿سوال﴾:
کیا رسول اللہ ﷺ نے کبھی جانور کا شکار کیا تھا؟ اگر کیا تھا، تو کون سے ہتھیار سے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:
شکار کے متعلق روایات میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، البتہ آپ ﷺ نے اپنے دست

بالبغدادی، وهذا عند الشافعی، وأما عند أبی حنیفة رحمهما الله فالمد رطلان، والصاع ثمانیة أرطال لخبر النسائی بذلک، ولفظه هکذا: وعن موسی الجهنی قال: أتی مجاهد بقدح حزوته ثمانیة أرطال، فقال: حدثتنی عائشةؓ أن رسول اللهﷺ کان یغتسل بمثل هذا، ورجاله رجال الصحیح، وقد قال النووی: وذکر جماعة من أصحابنا وجهاً لبعض أصحابنا أن الصاع هاهنا ثمانیة أرطال، والمد رطلان. (بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب مایجزئ من الماء فی الوضوء، ج: ۱، ص: ٤٧٦، ط، دار البشائر الاسلامیة بیروت لبنان)

وفی الأوجز: فإن مقدار الماء عند الحنفیة عدّه صاحب "الدر المختار" من سنن الغسل، نقل الشامی عن "الحلیة"؛ نقل غیر واحد اجماع المسلمین علی أن ما یجزئ فی الوضوء والغسل غیر مقدر بمقدار، وما فی ظاهر الروایة من أن أدنی ما یکفی فی الغسل صاع، وفی الوضوء مد للحدیث المتفق علیه، لیس بلازم بل هو بیان أدنی القدر المسنون. قال فی البحر: حتی من أسبغ بدون ذلک أجزأه. انتهٰی. (أوجز المسالک الی موطأ مالک، کتاب الطهارة، باب العمل فی غسل الجنابة، ج: ۱، ص: ٥٠١، ٥٠٢، ط، دار القلم دمشق)

مبارک سے اونٹ کی قربانی فرمائی ہے (۱۹۱)۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۶۱)



حضور اکرم ﷺ گھر سے وضو فرما کر مسجد جاتے تھے

﴿سوال﴾:

رسول اللہ ﷺ وضو گھر میں کرنے کے بعد مسجد میں جاتے تھے، یا مسجد میں وضوء فرماتے تھے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

آپ ﷺ ہمیشہ گھر سے وضو کر کے مسجد تشریف لاتے، اس وقت عام مسجدوں میں یا مسجد نبوی کے باہر وضو کے لیے کوئی باقاعدہ نظم نہیں تھا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۶۱)



---

(۱۹۱): **فی حدیث طویل: ثم انصرف الی المنحر، فنحر ثلاثاً وستین بیده، ثم أعطی علیاً.. الخ.** (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ، ص: ٥١٦، رقم: ٢٩٥٠، ط، دار السلام ریاض)

نوٹ: آپ ﷺ سے مینڈھے کی قربانی کرنا بھی ثابت ہے، ملاحظہ ہو:

عن أنس قال: ضحی النبی ﷺ بکبشین أملحین، فرأیته واضعاً قدمه علی صفاحهما یسمی ویکبر فذبحهما بیده. (صحیح البخاری، کتاب الأضاحی، باب من ذبح الأضاحی بیده، ص: ١٢٠٠، رقم: ٥٥٥٨، ط، دار السلام ریاض)

حضور اکرم ﷺ نے وعظ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا تھا

﴿سوال﴾:

کیا رسول اللہ ﷺ نے وعظ و نصیحت کے لیے کوئی وقت مقرر فرمایا تھا؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

وعظ و نصیحت کے لیے آپ ﷺ کی جانب سے کوئی وقت مقرر نہیں تھا، امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں اس کے متعلق دو باب قائم فرمائے ہیں:

(۱) باب ما كان النبی ﷺ يتخولهم بالموعظة والعلم، كی لاينفروا.

(۲) باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة.

پہلے باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر صحابۂ کرامؓ سے متعدد روایات منقول ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کے نشاط کا خیال رکھتے ہوئے کچھ دن ناغہ کرتے اور کچھ دن نصیحت فرماتے تھے (۱۹۲)۔ دوسرے باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ ان سے ایک تلمیذ نے یہ درخواست کی کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے روزانہ نصائح سنیں، تو آپؓ نے فرمایا کہ میں تمہارے نشاط کا خیال رکھتے ہوئے کچھ دن ناغہ کرتا ہوں، جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اسی طرح ہمارے نشاط کا خیال رکھتے ہوئے وقتاً فوقتاً نصیحت فرمایا کرتے تھے (۱۹۳)۔ واللہ اعلم

---

(۱۹۲): عن ابن مسعودؓ قال: كان النبی ﷺ يتخولنا بالموعظة فی الأيام كراهة السامة علينا. (صحيح البخاری، كتاب العلم، باب ما كان النبی ﷺ يتخولهم بالموعظة والعلم كی لاينفروا، ص: ۲۰، رقم: ۶۸، ط، دار السلام رياض)

(۱۹۳): عن أبی وائل قال: كان عبدالله يذكر الناس فی كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبدالرحمٰن، لوددت أنك ذكرتنا كل يوم، قال: أما انه يمنعنی من

بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۶۱،۱۶۲)



حضور ﷺ کا بیٹھ کر نماز پڑھنا

﴿سوال﴾:

رسول اللہ ﷺ کون سی نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے؟

﴿الجواب حامداً و مصلیاً﴾:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہ حالت مرض فرض نماز بیٹھ کر پڑھی ہے، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کمزور ہو گئے تھے، تو بیٹھ کر نوافل پڑھتے تھے (۱۹۴)۔ (بخاری شریف)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم امت کے خاطر بھی بیٹھ کر نماز پڑھی ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس نماز کا پورا ثواب ملے گا (۱۹۵)۔ وتر کے بعد کی دو

ذلک أنی أکره أن أملکم، وانی أتخولکم بالموعظة کما کان النبی ﷺ یتخولنا بها مخافة السامة علینا. (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم ایاماً معلومة، ص: ۲۰، رقم: ۷۰، ط، دار السلام ریاض)

(۱۹۴): **عن عائشة رضی الله عنها قالت: لما بدن رسول الله ﷺ وثقل کان أکثر صلاته جالساً. متفق علیه.** (مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة، باب صلاة اللیل، الفصل الأول، ص: ۱۰۶، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۱۹۵): **عن عبدالله بن عمرو قال: حدثت ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: صلاة الرجل قاعدا نصف الصلاة قال: فاتیته فوجدته یصلی جالسا، فوضعت یدی علی رأسه. فقال: مالک یا عبدالله بن عمرو؟ قلت: حدثت یا رسول الله! أنک قلت: صلاة الرجل قاعداً علی نصف الصلاة وأنت تصلی قاعداً! قال:**

رکعات کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ان کو اگر کوئی اس نیت سے کر پڑھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح پڑھی ہے، تو اسے پورا ثواب ملے گا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ اسے آدھا ثواب ملے گا (۱۹۶)۔ واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،

اجل، ولٰكنى لسيت كأحد منكم. وفى فتح الملهم تحت هذا الحديث: قوله: (أجل، ولكنى لست) الخ: أى: قلت ذلک، ولكن الفرق أنى لست كأحدكم. قال عياض يعنى ليس كأحدكم فى السلامة من العذر، لأنه انما فعله للمشقة التى لحقته فى آخر عمره من كبر سنه، وحطم الناس، وما كان صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليدع الأفضل لغير عذر، ويحتمل أن يريد: لست كأحدكم فى الحكم، بل أجرى قاعداً كأجرى قائما، ويكون هذا من خصائصه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وقد خص بأشياء.

قال النووى: هذا مذهبنا فى هذا الحديث، والأول باطل، لأنه لاتبقى معه خصوصية له ﷺ، لأن من غيره من ذوى الأعذار أجره مع العذر كامل. اهـ.

قال ابن عابدين: اما النبى ﷺ فمن خصائصه أن نافلته قاعداً مع القدرة على القيام كنافلته قائما. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز النافلة قائما وقاعداً، ج: ٤، ص: ٤٩١، ٤٩٤، ط، دار أحياء التراث العربى بيروت لبنان)

فى مراقى الفلاح: ولكن له أى للمتنفل جالساً (نصف أجر القائم) لقوله ﷺ: من صلى قائما فهو أفضل، ومن صلى قاعداً فله نصف أجر القائم.

وفى حاشية الطحطاوى تحته: قوله: (ولكن له نصف أجر القائم) يستثنى منه صاحب الشرع صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كما ورد عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فان أجر صلاته قاعداً كأجر صلاته قائما فهو خصوصياته. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة النفل جالساً والصلاة على الدابة، ص: ٤٠٣، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۹۶): عن أبى سلمة عائشة رضى الله عنها قالت: صلى النبى ﷺ العشاء،

ص:۱۶۳،۱۶۴)



وصلى ثماني ركعات، وركعتين جالسا، وركعتين بين النداء ين، ولم يكن يدعها أبدا.

وفی انعام الباری تحت هذا الحديث: یہ "ركعتين جالساً" سے وتر کے بعد کی دو رکعتیں مراد ہیں اور یہ حضور اقدس ﷺ سے بیٹھ کر پڑھنا ہی ثابت ہیں۔ یہ حدیث صریح ہے اور اس کے ثبوت میں اور بھی حدیثیں ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ وتر کے بعد دو رکعتین پڑھنا ثابت نہیں غلط ہے۔

البتہ جہاں بھی حدیث میں آیا ہے بیٹھ کر ہی پڑھنا آیا ہے، اس لئے بیشتر فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر پڑھنی ہوں تو کھڑے ہو کر پڑھنا ہی افضل ہے لیکن اگر بیٹھ کر پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ہمیشہ بیٹھ کر پڑھنا یہ قصد و اختیار سے تھا، لہٰذا اس میں بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل ہے۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ جو عام قاعدہ ہے کہ قیام افضل ہے وہ اس میں بھی جاری ہوتا ہے۔ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے آٹھ رکعتین کھڑے ہو کر پڑھیں اور یہاں وتر کا ذکر نہیں کیا، اس لئے کہ یہاں نفلی نماز کا ذکر کر رہے ہیں اور وتر واجب ہے۔

پھر فرمایا کہ دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے یعنی وتر کے بعد اور دو رکعتین صلاۃ الفجر۔ لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مابعد الوتر جو رکعتیں ہیں وہ حقیقت میں رکعتی الفجر تھیں، اس سے ان کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ یہاں فجر کی رکعتوں کو الگ ذکر کیا ہے۔ (انعام الباری، کتاب التهجد، باب المداومة على ركعتي الفجر، ج: ٤، ص: ٣٢٣، ط، مكتبة الحراء كراچی)

وفي فيض الباري: قوله: (ثمان ركعات) والعجب من الراوي حيث ترك فيه ذكر الوتر مع كونه دعامة في أحاديث صلاة الليل. وهو مذكور عد أبي داؤد في هذه الرواية بعينها: "ركعتين جالساً". وهاتان الركعتان ليستا عد البخاري رحمه الله تعالى في غير هذا الموضع. ولكنه لم يترجم عليهما لأنه لم يذهب اليهما. وتردد فيهما مالك رحمه الله تعالى أيضاً كما مر، مع أن الأحاديث قد صحت فيهما. بقي أن الجلوس فيهما اتفاقي أو قصدي؟ فاختار النووي رحمه الله تعالى

حضور ﷺ کا قضائے حاجت کے وقت دیکھا جانا

﴿سوال﴾:

ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب کہتا ہے کہ حضور ﷺ کو قضائے حاجت کے وقت کسی نے نہیں دیکھا ہے۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ بینوا وتوجرو

﴿الجواب﴾:

هذا مخالف من حديث ابن عمر انه ارتقى على البيت فرئ النبي ﷺ يقضي حاجته. والحديث مشهور (۱۹۷). وهو الموفق. (فتاوی فریدیه، ج: ۱، ص: ٤٦٥)



کیا حضور اکرم ﷺ نائب مطلق، مالک ومختار ہیں؟

﴿سوال﴾:

''حضور اقدس ﷺ نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور ﷺ کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں، جس سے جو چاہیں لیں جسے جو

الأول. وعندى المختار هو الثانى لأنهما لم تثبتا عنه قائماً قط. فحمل فعله فى جميع عمره على الاتفاق مما يصادم البداهة، واذن هو قصدى، وقد مرت نكتته من قبل. (فيض البارى على صحيح البخارى، كتاب التهجد، باب المداومة على ركعتى الفجر، ج: ۲، ص: ٥٧٥، رقم: ١١٥٩، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۹۷): عن ابن عمرؓ، قال: رقيت يوما على بيت حفصة، فرأيت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على حاجته مستقبل الشام مستدبر الكعبة. قال أبو عيسىٰ: هذا حديث حسن صحيح. (جامع الترمذى، كتاب الطهارة، باب ماجاء من الرخصة فى ذلك، ص: ۳، رقم: ۹، ط، دار السلام رياض)

چاہیں دیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہاں ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں، جو انہیں مالک نہ جانے حلاوت سنت سے محروم ہے، تمام زمین ان کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر ہے، ملکوت السموات والارض حضور اکرم ﷺ کے زیر فرمان، جنات ونار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دیدی گئیں، رزق وخیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور اکرم ﷺ کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا وآخرت حضور ﷺ کی عطا کا ایک حصہ ہے، احکام شرعیہ حضور ﷺ کے قبضہ میں کردیئے گئے جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں اور جس پر جو چاہیں حلال کردیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں"۔ (بہار شریعت، حصہ اول، ص:۲۲)

۲..... "جتنے فضائل وکمالات خزانۂ قدرت میں ہیں سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے"۔ (ملفوظات خان صاحب، حصہ دوم، ص: ۳۹)

۳..... "حضور ﷺ کو خداوند عرب کہہ کر ندا کرسکتے ہیں"۔ (ملفوظات خان صاحب، حصہ اول، ص:۱۸۸)

۴.... "انبیاء علیہم السلام کو معجزات وادراک مغیبات ظاہری جوارح، سماع، بصر کی طرح باطنی بخشی ہیں، جب چاہیں خرق عادت فرمالیں، مغیبات کو معلوم فرمالیں، چاہیں نہ فرمائیں"۔ (الأمن والعلی، مصنفہ خان صاحب بریلوی، ص۲۰۹)

مذکورہ بالا چاروں نمبروں کی تحریر جو مع حوالہ کتب لکھی گئی ہے، معلوم کرنے پر بریلوی حضرات ان عبارات کی یہ تفصیل کرتے ہیں کہ اطاع اللہ اطاع الرسول کے تحت یہ نظریہ ہے کہ ہر حکم حضور ﷺ کے واسطے سے امت کو ملا ہے، آپ کے کل فرمان باذن اللہ

ہیں، آپ نے ذاتی کوئی حکم نافذ نہیں فرمایا، بلکہ خالصتاً ہر حکم ربی امت کو دیا، بایں ہمہ عشق محبت رسول میں یہ تحریر کیا ہے ورنہ ہر چیز کا رب ہی مالک ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارات سے جو ظاہر ہے اور جو تفصیل ان کی نقل کی گئی، زید امام اسی گروپ کی تائید میں ہے اور نظریہ دیوبند سے منسبت بھی نہیں رکھتا، ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر نماز پڑھ لی تو اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

﴿الجواب حامداً و مصلیاً﴾:

نقل کردہ عبارات کے خلاف بھی خان صاحب بریلوی کی کتابوں میں موجود ہے "الأمن والعلی" میں غیر اللہ کو عالم الغیب کہنا منع لکھا ہے، ایک مقام پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ "جو شخص حضور اکرم ﷺ یا خدائے پاک کے سوا کسی کے لئے بھی علم غیب ذاتی کا ایک ذرہ بھی تسلیم کرے وہ ایمان سے خارج ہے" اور یہ بھی لکھا ہے کہ "علم محیط (یعنی علم کلی) صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، غیر خدا کے لئے علم غیب ماننا درست نہیں"۔

بہر حال آپ کے تحریر کردہ عقائد جو شخص اپنائے ہوئے وہ اس کو امام بنانا جائز نہیں، آپ صحیح العقیدہ شخص کے پیچھے نماز پڑھیں، اگر کچھ عملی غلطیاں ہوں تو اس کی وجہ سے آپ اعادہ کرتے ہوں تو آپ نفس جماعت کی فضیلت حاصل کرلیں گے۔ خان صاحب بریلوی کا تو اہم عقیدہ یہ ہے کہ علمائے حق جن کے نام بھی تحریر کئے ہیں وہ کافر ہیں، جو ان کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے جس کی وجہ سے اس شخص کا نکاح بھی باقی نہیں رہا، اولاد ولد الزنا ہے۔ ایسے عقائد والے کی امامت کی کیا گنجائش ہے(۱۹۸)۔ فقط واللہ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص:۳۷۷)



(۱۹۸):فی شرح العقائد: وتجوز الصلاة خلف کل بر وفاجر، لقوله عليه السلام: صلوا كل بر و فاجر. ولأن علماء الأمة كانوا يصلون خلف الفسقة، وأهل الهواء، والبدع، من غير نكير. وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف

ابوجہل آپ ﷺ کا چچا نہیں تھا

﴿سوال﴾:

کیا ابوجہل آپ ﷺ کا حقیقی چچا تھا یا آپ ﷺ کے خاندان میں ہونے کی وجہ سے کسی دور کے رشتے سے چچا تھا؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

البدع فمحمول على الكراهة، اذ لا كلام فى كراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع.هذا اذا لم يؤد الفسق أو البدعة الى حد الكفر، أما اذا أدى اليه فلا كلام فى عدم جواز الصلاة خلفه. (شرح العقائد النسفية، الكلام فى العقائد المتفرقة، ص: ۳٦۹، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشى)

وفى نورالايضاح: وكره امامة العبد....والفاسق، والمبتدع.

وفى امداد الفتاح تحته: والمراد المبتدع الذى لاتكفره بدعته فان كفر بها لاتصح امامته كما قدمناه. (امداد الفتاح شرح نورالايضاح ونجاة الارواح، كتاب الصلاة، فصل فى الأحق بالامامة، وترتيب الصفوف، ص: ۳٤۲، ۳٤۳، ط، مكتبه رشيدية كوئٹه)

وفى ملتقى الأبحر: ويكره امامة العبد والأعرابى والأعمى والفاسق والمبتدع.

وفى مجمع الأنهر تحته: (والمبتدع) أى صاحب هوى لايكفر به صاحبه حتى اذا كفر أنه لم تجز أصلا. (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱٦۲، ۱٦۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۹، ط، دار عالم الكتب رياض/ الدر المنتقى فى شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱٦۲، ۱٦۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

ابولہب تو نبی کریم ﷺ کا حقیقی چچا تھا(۱۹۹)؛ لیکن ابوجہل چچا نہیں تھا، اس کا نسب نبی ﷺ کے پردادا کے اوپر سے ملتا ہے(۲۰۰)۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۶۷)



حضور علیہ السلام بھی لوازماتِ بشریہ سے مستثنیٰ نہ تھے

﴿سوال﴾:

ایک صاحب مسائل غسل بیان فرمارہے تھے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ

---

(۱۹۹): فی اسد الغابة: وكان للنبی ﷺ من الأعمام عشرة، ومن العمات خمس، فالأعمام.... وعبدالعزى بن عبدالمطلب، وهو أبو لهب، وكان جواداً، كناه أبوه بذلک لحسنه، وأمه لبنى بنت هاجر بن عبد مناف بن ضاطر بن حبشية بن سلول الخزاعية. (أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ذكر أعمامه وعماته ﷺ، ج: ۱، ص: ۱٤۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲۰۰): ابوجہل ملعون کا نسب ساتویں پشت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

فی اسد الغابة: محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصی بن كلاب بن مرة بن كعب بن لؤی بن فهر بن مالک بن النضر بن كنانة بن خزيمة بن مدركة بن الياس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان أبو القاسم، سيد ولد آدم عليهما السلام. (أسد الغابة فی معرفة الصحابة، محمد رسول الله ﷺ، ج: ۱، ص: ۱۲۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفی الاستيعاب: واسم أبی جهل عمرو بن هشام بن المغيرة بن عبدالله بن عمر بن مخزوم بن يقظة بن مرة بن كعب بن لؤی القرشی المخزومی. كان أبو جهل يكنى أبا الحكم، فكناه رسول الله ﷺ أبا جهل، فذهبت. (الأستيعاب فی معرفة الأصحاب، باب عكرمة، ج: ۳، ص: ۱۰۸۲، ط، دار الجيل بيروت لبنان)

علیہ وسلم بھی غسل جنابت فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی منی آتی تھی۔ تو ایک مولوی صاحب نے کہا کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی ہے لہٰذا تو کافر ہوگیا۔ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منی آتی تھی؟ اور فتوی کفر دینے والا مولوی صاحب حق بجانب ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

آنحضرت ﷺ بھی لوازمات بشریہ سے مستثنیٰ نہ تھے (۲۰۱)، مگر یہ انداز درست نہیں اور اگر کوئی غلطی سے یہ بات کہہ بیٹھے تو اس کی تکفیر بھی درست نہیں۔ (خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۳۲۲، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



آپ ﷺ کے اذان دینے کا ثبوت

﴿مسئلہ﴾:

عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اذان نہیں دی، مگر تقریرات رافعی میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک مرسل روایت نقل کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اذان دی ہے (۲۰۲)۔ (المسائل المہمہ فیما ابتلت بہ

---

(۲۰۱): **وعن أنسؓ قال: کان النبی ﷺ یطوف علی نسائه بغسل واحد. رواه مسلم.** (مشکاة المصابیح، کتاب الطهارة، باب مخالطة الجنب، الفصل الأول، ص: ۴۹، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

وعن أبی رافع، قال: ان رسول اللهﷺ طاف ذات یوم علی نسائه، یغتسل عند هذه، وعند هذه، قال: فقلت له: یارسول الله! ألا تجعله غسلا واحداً آخر؟ قال: هذا أزکی وأطیب وأطهر. (مشکاة المصابیح، کتاب الطهارة، باب مخالطة الجنب، الفصل الثالث، ص: ۵۰، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۲۰۲): **فی تقریرات الرافعی: وفی السراج روی عقبة بن عامرؓ قال: کنت مع**

العامۃ، ج:۳، ص:۵۹/ فتاوی قاسمیہ، ج:۵، ص:۳۴۹، ۳۵۰، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ کتاب النوازل، ج:۳، ص:۲۸۳، ۲۸۴، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مرادآباد الہند/ نجم الفتاوی، ج:۲، ص:۲۴۲)



آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کا رکانہ سے کُشتی لڑنے کا ثبوت

﴿سوال﴾:

یہاں ایک صاحب سے اس مسئلہ پر بحث ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکانہ پہلوان سے کشتی لڑے تھے یا نہیں؟ فریق مخالف نے کہا کہ یہ واقعہ درست نہیں۔ جو ثابت کردے اسے انعام دونگا ہم نے صحاح ستہ میں بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ ترجمان السنۃ میں یہ حدیث موجود ہے مگر وہ صاحب کہتے ہیں کہ حدیث کی کسی کتاب سے دکھاؤ۔ آپ برائے مہربانی اس حدیث کا صحیح حوالہ تحریر فرمائیں۔

﴿الجواب﴾:

ابوداؤد شریف، ج:۲، ص:۵۶۳، اصح المطابع میں یہ حدیث موجود ہے۔

ان رکانۃ صارع النبی صلی ﷺ فصرعہ النبی ﷺ (۲۰۳). فقط

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم فی سفر، فلما زالت الشمس أذن بنفسہ وأقام وصلی الظھر. وقال السیوطی: ظفرت بحدیث آخر مرسل أخرجہ سعید بن منصور فی سننہ قال: أذن رسول اللّٰہ ﷺ مرۃ فقال: ”حی علی الفلاح“. وھذہ روایۃ لاتقبل التأویل. اھـ. واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم. (تقریرات الرافعی علی ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، قبیل باب شروط الصلاۃ، ج: ۱، ص: ٦٥، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۲۰۳):(سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی العمائم، ص: ٥٧٥، رقم: ٤٠٧٨، ط، دار السلام ریاض)

واللہ تعالیٰ اعلم. (خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ٤٦٦، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کا اہل نجد کے لئے دعا نہ کرنے کا سبب

﴿سوال﴾:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرب کے لئے دعاء مانگی لیکن نجد کے لئے دعاء نہیں مانگی، حالانکہ صحابہ کرامؓ نے عرض بھی کیا تھا کہ نجد کے لئے دعاء مانگو۔ کیا یہ حدیث ہے یا نہیں؟ صحیح ہے یا موضوع؟

﴿الجواب﴾:

حدیث درست ہے اور حدیثِ مذکور میں نجد سے مراد ''عراق'' اور اس کے گرد کا علاقہ ہے۔ اس وقت وہاں کے لوگ کافر تھے۔ نیز بعد میں وہاں سے بہت سے فتنوں کا ظہور ہوا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جگہ کے لئے دعاء نہیں مانگی۔

والنجد هو ما ارتفع من الارض ومن كان بالمدينة كان نجده بارية العراق ونواحيها فى مشرق اهلها قيل اهل المشرق كانوا حينئذ اهل كفر وظهور الخوارج فى ارض نجد والعراق. اهـ. [حواشي بخاري، ج: ۲، ص: ۱۰٥۱]فقط والله تعالىٰ اعلم(خير الفتاوى، ج: ۱، ص: ٤٦٦، ط، مكتبه امداديه ملتان)



بنائے کعبہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بے ہوش ہونا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جبکہ آپ کی عمر شریف ۳۵ یا ۲۵ برس کی تھی تعمیر کعبہ کے وقت خواجہ ابو طالب کے کہنے سے جبکہ کندھے پر پتھر لے کر چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی کہ اپنا تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لو تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ایسا کیا تو بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے تھے کیا یہ واقعہ درست ہے؟ واضح فرمائیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

جی ہاں واقعہ درست اور صحیح ہے، سیرۃ مصطفیٰ ص: ۱۱۳ میں بعمر ۳۵ / سال کا واقعہ نقل فرمایا ہے اور صحیح بخاری اور مسلم میں یہ واقعہ موجود ہے اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خواجہ ابو طالب کے بجائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نقل فرمایا ہے۔

عن جابر بن عبداللّٰہ قال: لما بنیت الکعبۃ ذھب النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وعباس ینقلان فقال العباس للنبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: اجعل ازارک علی رقبتک فخر الی الارض وطمحت عیناہ الی السماء فقال أرنی ازاری فشدہ علیہ. (بخاری شریف، کتاب الحج، باب فضل مکہ وبنیانہ، النسخۃ الھندیۃ، ۱/ ۲۱۵، رقم: ۱۵۵۸، ف: ۱۵۸۲، مسلم شریف کتاب الحیض، باب الاعتناء بحفظ العورۃ، النسخۃ الھندیۃ ۱/ ۱۵۴، بیت الافکار رقم: ۳۴۰)

وفی طبقات ابن سعد من حدیث الزھری عن محمد بن جبیر بن مطعم دخل حدیث بعضھم فی حدیث بعض

قالوا: بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينقل معهم الحجارة يعنى للبيت وهو يومئذ ابن خمس وثلاثين سنة الخ. (عمدة القارى، كتاب الحج، باب فضل مكه و بنيانه، مكتبه زكريا ٧/ ١٣٠، تحت رقم الحديث: ١٥٨٢)

فبينا رسول اللّٰه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ينقل معهم وهو يومئذ ابن خمس وثلاثين سنة وكانوا يضعون أزرهم على عواتقهم، ويحملون الحجارة ففعل ذلك رسول اللّٰه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ. (الطبقات الكبرى دار الكتب العلمية بيروت ١/ ١١٦، ذكر حضور رسول الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم هدم قريش الكعبة وبناء ها ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يومئذ ابن خمس وثلاثين سنة تاريخ طبرى ٢/ ٢٨٧) فقط واللّٰه سبحانه وتعالىٰ اعلم۔(فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ٣٥٠، ٣٥١، ط، مكتبه اشرفيه ديو بند الهند)



نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کئے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوری زندگی میں کتنے حج کئے ہیں کیونکہ ایک صاحب نے دعویٰ کے ساتھ کہا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حج کیا ہے۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت سے قبل ہر سال حج فرمایا کرتے تھے اور موسم حج ہی اہل مدینہ کو دعوت دینے کا سبب بنا تھا، البتہ ہجرت کے بعد صرف ایک حج فرمایا تھا شاید جن صاحب نے ایک حج بتلایا ہے ان کی مراد ہجرت کے بعد کا حج ہوا گر یہی بات ہے تو ان کی بات بھی صحیح ہے۔

قال ابن الأثير: كان عليه الصلوٰة والسلام يحج كل سنة قبل أن يهاجر ويوافقه قول ابن الجوزى حج حججا لايعلم عددها الخ. (مرقات، كتاب المناسك، الفصل الاول، مطبع ملتان ٥/ ٢٦٣)

حجته بعد الهجرة الى المدينة واحدة، وأما قبل الهجرة وبعد النبوة فواحدة أيضا وأما قبل النبوة فالحج ثابتة بدون تعيين العدد الخ. (العرف الشذى على هامش الترمذى، كتاب المناسك باب ماجاء كم حج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ١/ ١٧١)

وقال ابن حزم: حج او اعتمر قبل النبوة وبعدها وقبل الهجرة وبعدها حججا وعمرا لايعلمها الا الله كذا فى الخميس قلت: لكنهم لاخلاف بينهم فى أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يحج بعد الهجرة الا مرة واحدة. (الكوكب الدرى، مكتبة يحيىٰ سهانپور ١/ ٢٧٢، كتاب المناسك، باب كم حج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) فقط والله سبحانه و تعالىٰ اعلم۔ (فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ٣٥٣، ٣٥٤، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند الهند)



حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر مکھی بیٹھتی تھی یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھی بیٹھتی تھی یا نہیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھی بیٹھنے سے متعلق ہمیں کوئی صریح مستند روایت نہیں مل سکی، البتہ علامہ سیوطیؒ نے قاضی عیاضؒ کی ''شفاء'' کے حوالہ سے الخصائص الکبریٰ میں یہ نقل کیا ہے، کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔

ذکر القاضی عیاض فی الشفاء فی مولدہ ان خصائصہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم أنہ کان لاینزل علیہ الذباب وذکرہ ابن سبع فی الخصائص بلفظ أن لم یقع علی ثیابہ ذباب قط زاد أن من خصائصہ أن القمل لم یکن یؤذیہ.

(الخصائص الکبریٰ، باب مالاینزل الذباب علی ثیابہ ۱ / ٦٨)

فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(فتاوی قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۳٥٤، ۳٥٥، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الهند)



سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان مبارک کون سی جنگ میں شہید ہوئے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آقائے نامدار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک جنگ بدر میں شہید ہوئے یا جنگ احد میں شہید ہوئے تھے؟ تحریر فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک جنگ احد میں شہید ہوئے ہیں۔

عن انسؓ أن رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسرت رباعیتہ یوم أحد، وشج فی رأسہ الحدیث. (مسلم شریف، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة احد، النسخة الهندیة ۲/ ۱۰۸، بیت الأفکار رقم: ۱۷۹۱، سنن ترمذی ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة آل عمران، النسخة الهندیة ۲/ ۱۲۹، دار السلام رقم: ۳۰۰۲، صحیح ابن حبان، باب کتب النبی، ذکر ومن وجه المصطفیٰ عند اظهاره.... دار الفکر ۶/ ۱۴۸، رقم: ۶۵۸۳) فقط واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۳۵۸، ۳۵۹، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند الهند)



کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمائی یا چھینک آتی تھی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمائی آتی تھی یا نہیں؟ اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھینک آتی تھی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حدیث میں کیا صراحت وارد ہوئی ہے، واضح فرمایئے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمائی نہیں آتی تھی، حضرت یزید ابن اصم کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی جمائی نہیں آتی تھی، مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت یزید ابن اصم کی مرسل روایت مذکور ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، اور شیطان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کبھی غالب نہیں ہوسکا اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انگڑائی بھی نہیں آتی تھی، چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری'' میں حدیث: ۶۲۲۶ کی تشریح کے آخر میں ابن سبع کی شفاء کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انگڑائی بھی نہیں آتی تھی، اس لئے کہ انگڑائی بھی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، روایات ملاحظہ فرمایئے:

عن یزید بن الأصم قال: ما تثاءب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فی صلاۃ قط. (المصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب الصلاۃ، باب فی التثاءب فی الصلاۃ، مؤسسۃ علوم القرآن ۵/ ۳۱۷، رقم: ۸۰۶۵)

ومن الخصائص النبویۃ ما أخرجہ ابن أبی شیبۃ والبخاری فی التاریخ من مرسل یزید بن الاصم قال: ماتثاءب

النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قط. واخرج الخطابی من طریق مسلمة بن عبدالملک بن مروان قال: ما تثاء ب نبی قط، ومسلمة أدرک بعض الصحابة وهو صدوق، ویؤید ذلک ما ثبت أن التثاء من الشیطان ووقع فی الشفاء لابن سبع: أنه لایتمطی، لأنه من الشیطان. (فتح الباری، کتاب الأدب، باب اذا تثاء ب فلیضع یده علی فیه، دار الفکر ۱۰/ ۶۱۳، رقم: ۵۹۸۵، ف: ۶۲۲۶، اشرفیه دیوبند ۱۰/ ۷۴۷)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھینک آیا کرتی تھی، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھینک آتی تھی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے منھ پر ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے، اور چھینک آنا اللہ کی طرف سے ایک رحمت ہوتی ہے، اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی چھینک آتی تھی، روایات ملاحظہ فرمایئے:

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم کان اذا عطس غطی وجهه بیده أو ثوبه وغض بها صوته. (ترمذی شریف، کتاب الأدب، باب ماجاء فی خفض الصوت وتخمیر الوجه عند العطاس، النسخة الهندیة، ۲/ ۱۰۳، دار السلام رقم: ۲۷۴۵)

عن أبی هریرةؓ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم اذا عطس وضع یده أو ثوبه علی فیه وخفض أو غض بها صوته. (ابوداؤد شریف، کتاب الأدب، باب فی العطاس، النسخة الهندیة، ۲/ ۲۸۶، دار السلام رقم: ۵۰۲۹)

عن أبی هریرةؓ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم اذا عطس غض صوته وخمر وجهه. (السنن

الکبریٰ للبیھقی، کتاب الصلوٰۃ، باب کراھیة رفع الصوت الشدید بالعطاس، دار الحدیث القاھرۃ، ۲/ ۵۸۸، رقم: ۳۵۷۹، دار الکتب العلمیة ۳/ ۲۰۵، رقم: ۳۶۷۱)

عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم اذا عطس أمسک یدہ أو ثوبه علی فیه ثم خفض بھا صوته. (السنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب الصلوٰۃ، باب کراھیة رفع الصوت الشدید بالعطاس، دار الحدیث القاھرۃ، ۲/ ۵۸۹، رقم: ۳۵۸۰، دار الکتب العلمیة ۳/ ۲۰۵، رقم: ۳۶۷۲، شعب الایمان للبیھقی، باب فی تشمیت العاطس فصل فی خفض الصوت بالعطاس ۷/ ۳۱، ۳۲، رقم: ۹۳۵۴) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۳۵۵تا ۳۵۷، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند الھند)



حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستہ میں ام جمیل عورا بنت حرب کا کانٹا ڈالنا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے اور گھر کا کوڑا کون ڈالا کرتا تھا کسی عورت کے بارے میں سنا تھا کیا یہ سچ ہے، اس عورت کا نام کیا تھا؟ مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے اور کوڑا ابولہب کی بیوی ام جمیل عوراء بنت حرب ڈالا کرتی تھی۔

أخرج ابن جرير عن ابن اسحاق عن رجل من همدان يقال له يزيد أن امرأة أبى لهب كانت تلقى فى طريق النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم الشوكة والعضاة لتعقرهم. (تفسير مظهرى، زكريا جديد، ١٠/ ٥٣، قديم ١٠/ ٣٦٨، روح المعانى زكريا، ١٦/ ٤٧٢)

أن امراته أم جميل بنت جرب أخت أبى سفيان قال الضحاك: كانت تنشر السعدان على طريق رسول اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم فيطؤه كما يطأ أحدكم الحرير. (عمده القارى زكريا ١٣/ ٥٢٢، دار احياء التراث العربى ٢٠/ ٨، تحت رقم الحديث: ٤٩٧٣، حاشية بخارى شريف ٢/ ٧٤٣، تحت تب يدا ، ٢/ ٧٣٩، تحت سورة الضحىٰ)

عبدالرحمٰن بن أبى زياد عن أبيه قال: سمعت ربيعة بن عباد الديلى، وهو يقول: أما ما سمعكم تقولون: ان قريشا كانت تنال من رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم فانى أكثر ما رأيت أن منزله كان بين منزل أبى لهب وعقبة بن أبى معيط،فكان ينقلب رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم الى بيته فيجد الأرحام، والدماء، والأبحاث قد تصدت على بابه، فينحي ذلک بسية قوسه ويقول: بئس الجوار هذا يا معشر قريش. (المعجم الاوسط للطبرانى، دار الفكر ٦/ ٣٧٥، رقم: ٩١٢٠) فقط واللّٰه سبحانه وتعالىٰ اعلم۔(فتاوى قاسميه، ج: ٢،

ص: ٣٦٠ تا ٣٦٢، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند الهند)



اسم ذات اور اسم محمد ﷺ میں ہونٹوں کے بند ہونے اور نہ ہونے کا لطیفہ

﴿سوال﴾:

ہمارے مسجد کے امام نے ایک دفعہ تقریر کے دوران کہا ”اللہ کے نام لینے سے لب بند نہیں ہوتے اور محمد ﷺ کے نام سے لب بند ہو جاتے ہیں اس نام میں کتنا مٹھاس ہے“ یہ جملہ کہنا کس طرح ہے؟

﴿الجواب﴾:

اس سے مقصد اسم محمد ﷺ کی تعظیم ہے۔ نہ اسم اللہ کی تحقیر، لہٰذا اس میں حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی فریدیہ، ج:۱،ص:۴۶۹،۴۷۰)



حضور ﷺ کی قبر اطہر کا سب جگہوں سے افضل ہونا

﴿سوال﴾:

وسمی ھذا السوال والجواب بحث فضل سید القبور علی کل مکان مزور، کتاب ثلج الصدور کے حصہ الحیور کے ختم کے قریب مضمون عید میلاد کے سلسلہ میں بعض علماء سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔ الخ

(الف) اس مسئلہ کی کیا اصل ہے، اور وہ قطعی ہے یا غیر قطعی؟

(ب) کیا مسئلہ اعتقادیہ دلیل قطعی سے ثابت ہو سکتا ہے؟

(ج) کیا ایسے احکام میں غیر مجتہد کا حکم کافی ہے؟

(د) ایسے مسائل میں کیا توقف احوط نہیں جب تک ضرورتِ کلام داعی نہ ہو اور یہاں کونسا ضرورت داعی ہوئی؟

(ہ) کیا اس مسئلہ میں کوئی عقلی اشکال نہیں، جو بعض کی تحریر میں دیکھا گیا اور اس کا کیا جواب ہے؟

﴿الجواب﴾:

(الف) فی الدرا لمختار: اٰخر کتاب الحج، ومکة أفضل منها (أی من المدینة) علی الراجح الا ما ضم أعضاء وعلیه الصلوٰة والسلام، فانه أفضل مطلقًا حتیٰ من الکعبة والعرش والکرسی. اھ

وفی ردالمحتار: بعد نقل بعض الخلاف مانصه وقد نقل القاضی عیاض وغیره الاجماع علیٰ تفضیله (أی الضریح الشریف) حتیٰ علی الکعبة وأن الخلاف فیها ماعداه ونقل عن ابن عقیل الحنبلیان تلک البقعة أفضل من العرش وقد وافقه السادة البکریون علیٰ ذلک وقد صرح التاج الفاکهی بتفضیل الأرض علی السموٰات لحلوله ﷺ بها، وحکاه بعضهم علی الأکثرین لخلق الأنبیاء منها ودفنهم فیها.

وقال النووی الجمهور علی تفضیل السماء علی الأرض، فینبغی أن یستشتی منها مواضع ضم أعضاء الأنبیاء للجمع بین الأقوال العلماء(۲۰۴).

---

(۲۰۴):(الدرالمحتار مع ردالمحتار، کتاب الحج، باب الهدی، مطلب فی

اور بھی بعض مصنفین نے باختلاف الفاظ ایسا ہی لکھا ہے۔اس سے چند امور مستفاد ہوئے:

(الف) اول یہ کہ وہ مسئلہ قطعی نہیں۔

(ب) ثانی یہ کہ تفاضلِ قطعی کے لئے تو دلیل شرط ہے مگر تفاضل ظنی کے لئے دلیل ظنی جس میں اجتہاد بھی داخل ہے کافی ہے، البتہ اجتہاد کے لئے ماخوذ ہونا شرط ہے، خواہ ظنی ہو، چنانچہ عبارت بالا میں اس حکم کو بحلول ﷺ سے معلول کیا گیا ہے جس کا ماخذ یہ آیت ہوسکتی ہے۔

لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ (۲۰۵) فی روح المعانی والاعتراض لتشریفه ﷺ بجعل حلوله علیه الصلوٰة والسلا مناطا لاعظام البلد بالاقسام به وجعل بعض الاجلة الجملة علیٰ هذا الوجه حالا من هذا البلد (۲۰۶).اہ

اس آیت میں تفسیر مذکور پر تصریح ہے، آپ کا حلول سبب ہے، عظمت محل کا مگر چونکہ یہ تفسیر قطعی نہیں، لہٰذا یہ دلیل باوجود قطعی الثبوت ہونے کے ظنی الدلالت ہوگی، اس لئے یہ حکم جو اس کا مدلول ہے ظنی ہوگا، پس ثابت ہوا کہ دلیل ظنی سے تفاضل ظنی کا صحیح ہے، اسی قبیل سے ہے استدلال حضرت ابن عباسؓ کا تفضیل نبوی۔ **علی الملائکة** پر درج ذیل روایت ہے:

قال ان اللّٰه تعالیٰ: فضل محمدا ﷺ علی الأنبیاء وعلیٰ أهل السماء. فقالوا: یا أبن عباس بم فضله اللّٰه علی

تفضيل مكة على المدينة، ج: ٤، ص: ٥٢، ٥٣، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۲۰۵):(سورة البلد: ١،٢)

(۲۰۶):(روح المعاني، سورة البلد، الآية: ٢، ج: ٣٠، ص: ١٣٤، ط، دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

أهل السماء. قال ان الله تعالیٰ: قال لأهل السماء ومن يقل منهم انی الٰه من دونه فذلک نجزيه جهنم كذلک نجزی الظّٰلمين. وقال الله تعالیٰ: لمحمدﷺ انا فتحنا لک فتحا مبينا ليغفرلک الله ما تقدم من ذنبک وما تأخر الحديث. كذالک فی المشكوٰة عن الدارمی (۲۰۷). وظنية الاستدلال ظاهر اذا نظر الی اٰية ولئن اتيت الذين أوتو الكتٰب بكل اٰية ماتبعوا قبلتک وما أنت بتابع قبلتهم وما بعضهم بتابع قبلة بعض ولئن اتبعت أهوآء هم من بعد ماجاء ک من العلم انک اذا لمن الظلمين (۲۰۸). والیٰ حديث أم سلمه رفعته من أهل بحجة أوعمرة من المسجد الأقصیٰ الٰی المسجد الحرام غفرله ماتقدم من ذنبه وما تأخر أووجبت له الجنة شک الراوی لأبی داؤد (كذا فی جمع الفوائد) (۲۰۹) لكن لايستلزم كون بعض الدائل ظنيا كون المدلول ظنيا لثبوته بدلائل الاخریٰ قطعية فافهم حق الفهم ولاتقع فی الوهم.

(ج) ثالث یہ کہ ایسے احکام غیر مقصود کے لئے مطلق مجتہد کا اجتہاد کافی ہے، مجتہد مطلق کا اجتہاد شرط نہیں، کیونکہ یہ حضرات اہل اختلاف مجتہد مطلق نہیں ہیں، مگر پھر بھی کسی

---

(۲۰۷):(مشكاة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين، الفصل الثالث، ص: ٥١٥، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

(۲۰۸):(سورة البقرة: ١٤٥)

(۲۰۹):(جمع الفوائد، كتاب المناسك، فضل الحج ووجوبه وفضل العمرة وسنيتها، ج: ١، ص: ٥٢٧، رقم: ٣١٢٠، دار ابن حزم بيروت لبنان/ سنن أبی داؤد، كتاب المناسك، باب فی المواقيت، ص: ٢٥٦، رقم: ١٧٤١، ط، دار السلام رياض)

نے ان پر یہ نکیر نہیں کیا، کہ ان کو اجتہاد کا حق نہیں، بلکہ بلانکیر اس اجتہاد کو برابر نقل کرتے ہوئے آئے اور اس مسئلہ کی طرح اور بہت سے مسائل اختلافیہ ایسے ہی ہیں جہاں محض اجتہاد سے کام لیا گیا ہے، پھر اجتہاد بھی کہیں مجتہد مطلق کا ہے کہیں غیر مجتہد مطلق کا، نیز کہیں مستند ہے نقل ظنی کی طرف کہیں مستند ہے عقلی ظنی کی طرف جیسے مسئلہ تفاضل بشر و ملائکہ کا اور جیسے مسئلہ ترکیب جسم من اجزاء لاتجزی اور جیسے مسئلہ دخول صبیان فی الجنۃ کا اور بہت سے مسائل چنانچہ ان کے دلائل سے ظاہر ہے اور بعض میں تصریح بھی ہے، چنانچہ شرح عقائد میں تفاضل بشر و ملائکہ کے متعلق لکھا ہے۔

”ولا خفاء في ان هذا المسئلة ظنية يكتفى فيها بالأدلة الظنية“(۲۱۰).

اسی طرح مسئلہ وصول ثواب الی المیّت کا ظنّی اور خود اہل حق مختلف فیہ ہے، چنانچہ اہل حق نے معتزلہ کے ساتھ مطلق عبادت میں اختلاف کرکے عبادات بدنیہ میں خود اختلاف کیا ہے، امام صاحب قائل ہیں، شافعیؒ مالکؒ نافی نہیں (۲۱۱)۔

---

(۲۱۰):(شرح العقائد النسفية، بحث أفضلية رسل البشر من رسل الملائكة، ص: ۴۰۵، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشي)

(۲۱۱):**في مراقي الفلاح: فللانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة كان أو صوماً أو حجاً، أو صدقة، أو قراء ة للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من انواع البر ويصل الى الميت.**

وقال الشيخ احمد الطحطاوي رحمه الله تعالىٰ تحته: (فللانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة) سواء كان المجعول له حياً، أو ميتاً من غير أن ينقص من أجره شيء. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الايضاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، ط، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان)

وفي التبيين: وقال مالك والشافعي يجوز ذلك في الصدقة والعبادة المالية

(د) البتہ ایسے مسائل میں احوط توقف ہی کو کہا گیا ہے۔

فی الدر المختار: قبیل باب المساجد، وعنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام القرآن أحب الی اللّٰہ تعالیٰ من السموات والأرض ومن فیھن فی ردالمحتار ظاھرہ یعم النبی ﷺ والمسئلۃ ذات خلاف والأحوط الوقف (۲۱۲).

لیکن اگر کوئی ضرورت شرعیہ جس کی تشخیص بھی اجتہادی ہے، داعی ہو تو بقدر ضرورت کلام بھی جائز ہے، جیسا اسی قسم کے مسائل میں مختلف ضرورتوں سے علماء نے کلام کیا ہے، ایسی ہی ضرورت مانحن فیہ میں بھی داعی ہوئی اور وہ ضرورت ایک بدعت کا ابطال ہے، وہ بدعت عید میلاد منانا ہے، اس دعوے پر ایک خاص دلیل سے استدلال کیا گیا ہے، اس دلیل کے مقدمات میں سے یہ مسئلہ تفصیل بقعہ قبر شریف علی جمیع الامکنۃ ایک مقدمہ ہے اور مقدمہ بھی وہ جس کی تسلیم میں ایسے مذاق والوں کی جو عید مناتے ہیں کوئی شک ہی نہیں، چنانچہ وہ تقریر عبارت ذیل پر ختم ہوئی ہے کہ ''بقعہ شریفہ وقبر شریف تمام اماکن سے افضل ہے۔

اب اس مقدمہ کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ قبر شریف تو بلا اختلاف بعینہ باقی ہے اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہوسکتا اور'' **یوم الولادۃ ویوم المعراج ویوم البعثۃ**'' وغیرہ یقیناً باقی نہیں کیونکہ زمانہ غیر قار ہے، وہ دن جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اب یقیناً نہیں لوٹتا بلکہ اس کا مثل عود کرتا ہے، ایک مقدمہ ہوا، اس کے بعد یہ سمجھئے کہ جب حضور ﷺ نے قبر کو عید منانے سے منع فرمادیا اور اس کا عید منانا حرام ہوگیا، تو ان

وفی الحج ولایجوز فی غیرہ من الطاعات کالصلاۃ والصوم وقراءۃ القرآن وغیرہ.

(تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، ج:۲،ص: ۸۴،۸۳،ط، مکتبۃ الکبری، مصر)

(۲۱۲):(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، قبیل باب المیاۃ، ج: ۱، ص: ۳۲۲، ط، دار عالم الکتب ریاض)

چیزوں کو عید بنانا کہ بعینہ باقی نہیں کیونکہ جائز ہوسکتا ہے۔انتھت العبارۃ۔

بس اس مسئلہ کا جو کہ فی نفسہ غیر ضروری ہے ذکر کرنا اس ضرورت سے ہوا کہ جماعت مقصودہ بالتخاطب پر حجت ہو پس اس مسئلہ کا ذکر تحقیقاً نہیں، بلکہ الزاماً ہے تاکہ ان پر حجت ہو۔

(ہ) باقی اس محذور عقلی کا تو ہم کہ موضع القاء فضلات شریفہ میں بوقت خاص اعضاء متحقق ہے اگر یہ مس موجب تفضیل ہو تو افضیلت مذکورہ کا حکم اس موضع کے لئے یہی کیا جاوے گا۔انتہی بحاصلہ (یہ تو ہم اس کے قبل کے سوال میں بفصل ایک سوال و جواب مذکورہ ہے) یہ تو ہم فاسد ہے، اس لئے کہ مشکوٰۃ میں ابن ماجہ سے بروایت ابو ہریرہؓ مرفوعاً روایت ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم المؤمن أکرم علی اللّٰہ من بعض ملائکتہ(۲۱۳).

اور تکشف حدیث صدوسی وسوم میں ترمذی سے حضرت عمرؓ سے موقوفاً مروی ہے۔

أنہ نظر یوما الی البیت أو الی الکعبۃ فقال: ماأعظمک وأعظم حرمتک والمؤمن أعظم حرمۃ عند اللّٰہ منک(۲۱۴).

تو بقول متوہم یہاں بھی یہ سوال کیا جائیگا کہ گو زمانۂ اخراج بول وبراز میں کہ وقت تلوث بالنجاست کا ہے، مومن میں اگر صفت ایمان علت تفضیل ہو تو کیا افضلیت علی الکعبہ والملائکۃ کا مومن کے لئے اس حالت میں بھی کیا جاوے گا جس سے ایک ملوّث بالنجاسات کا ملائکہ مطہرین وبیت مطہر سے افضل ہونا لازم آتا ہے، یا ایک زمانہ میں خود کعبہ حسناء کے اندر اصنام واوثان موجود تھے تو کیا اس قید کے ساتھ بھی وہ مسجد اقصیٰ یا دوسری مساجد پر

---

(۲۱۳):(مشکاۃ المصابیح، کتاب الفتن، باب بدء الخلق، الفصل الثالث، ص: ۵۱۰، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

فضیلت رکھتا تھا، اس متوہم کے نزدیک جو جواب اس سوال کا ہوگا وہی جواب خود اس کے سوال کا ہوگا، وہی جواب یہی ہوسکتا ہے کہ وہ حکم فی نفسہ اس عارض سے قطع نظر ہے، کیونکہ وہ عارض اس محل کا نہ جزو ذات ہے نہ لازم ذات ہے، پس یہی اپنے سوال کا جواب سمجھ لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد الفتاوی، ج:۱۲، ص:۱۶ تا ۲۱، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



روضۂ اقدس کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے مس کیا ہوا ہے، اس سے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

﴿سوال﴾:

میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ بات صحیح ہے کہ کیا دیوبندی عقائد کے مطابق روضہ رسول (ﷺ) کا مقام، خانہ کعبہ سے بھی اونچا ہے؟ اور عرش سے بھی اونچا ہے؟ اور کرسی سے بھی؟ اگر ہے تو وضاحت کا طالب ہوں کہ دیوبند اس کو کس تناظر میں دیکھتا ہے کیا یہ عقیدہ اللہ کے حاکمیت سے اونچا نہیں؟ براہ کرم اس پر روشنی ڈالیں تاکہ موقف واضح ہو۔

---

(۲۱۴): عن ابن عمرؓ قال: صعد رسول اللہ ﷺ المنبر فنادی بصوت رفیع قال: یا معشر من أسلم بلسانه ولم یفض الایمان الی قلبه، لاتؤذوا المسلمین ولاتعیروهم ولاتتبعوا عوراتهم، فانه من تتبع عورة أخیه المسلم تتبع اللہ عورته، ومن یتبع اللہ عورته یفضحه ولو فی جوف رحله. قال: ونظر ابن عمرؓ یوما الی البیت أو الی الکعبة فقال: ما أعظمک وأعظم حرمتک، والمؤمن أعظم حرمة عند اللہ منک.

قال أبو عیسی: هذا حدیث حسن غریب لانعرفه الا من حدیث الحسین بن واقد. (جامع الترمذی، أبواب البر والصلة، باب ماجاء فی تعظیم المؤمن، ص: ٤٦٨، رقم: ٢٠٣٢، ط، دار السلام ریاض)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حامداًومصلیاًومسلماً: ''روضہ اطہر'' کا وہ حصہ جوآپ علیہ الصلاۃ والسلام کے جسد اطہر سے مس کیا ہوا ہے وہ خانۂ کعبہ نیز عرش وکرسی سے افضل ہے، یہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے، جس پر ایمان وکفر کا مدار ہو، ہاں عقیدہ غیر قطعیہ کے طور پر (مذکورہ بالا عقیدہ) علمائے اہلِ سنت بہ شمول علمائے دیوبند کے نزدیک مسلم ہے (۲۱۵)۔ قاضی عیاض نے اس پر امت کا اجماع نقل کیا ہے، دلائل، حکمت، مصلحت وغیرہ تفصیلات کے لیے ''رد المحتار''، (۲۱۶)

---

(۲۱۵):في المهند: ان البقعة الشريفة والرحبة المنيفة التي ضم أعضاء ه صلى الله عليه وسلم أفضل مطلقاً حتى من الكعبة ومن العرش والكرسي كما صرح به فقهاء نا رضي الله عنهم. (المهند على المفند، ص: ۲۸، ط، الميزان ناشرون تاجران كتب لاهور)

(۲۱۶):في الدرالمختار: لاحرم للمدينة عندنا، ومكة أفضل منها على الراجح، الا ما ضم أعضاء ه عليه السلام فانه أفضل مطلقاً حتى من الكعبة والعرش والكرسي.

وفي الشامية تحته: قال في اللباب: والخلاف فيما عدا موضع القبر المقدس، فما ضم أعضاء ه الشريفة فهو أفضل بقاع الأرض بالاجماع اهـ. قال شارحه: وكذا أي الخلاف في غير البيت: فان الكعبة أفضل من المدينة ما عدا الضريح الأقدس، وكذا الضريح أفضل من المسجد الحرام.

وقد نقل القاضي عياض وغيره الاجماع على تفضيله حتى الكعبة، وأن الخلاف فيما عداه. ونقل عن ابن عقيل الحنبلي أن تلك البقعة أفضل من العرش، وقد وافقه السادة البكريون على ذلك. وقد صرح التاج الفاكهي بتفضيل الأرض على السموات لحلوله ﷺ بها، وحكاه بعضهم على الأكثرين لخلق الأنبياء منها ودفنهم فيها. وقال النووي: الجمهور على تفضيل السماء على الأرض فينبغي أن

"الخصائص الکبری" (۲۱۷) ملاحظہ فرمائیں، نیز" شرح الزّر قانی علی المواهب اللدنیه میں بسط سے اسے بیان کیا گیا ہے۔(چند اہم عصری مسائل، ج:۱، ص:۴۵، ۴۶، ط، مکتبہ دار العلوم دیو بند)



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اسلام

﴿سوال﴾:

ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مسلمان تھے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

حضرت صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اختلاف ہے(۲۱۸) حضرت امام صاحب [رحمہ اللہ تعالیٰ] کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالت کفر

یستثنی منها مواضع ضم أعضاء الأنبیاء للجمع بین أقوال العلماء. (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحج، باب الهدی، مطلب فی تفضیل قبره المکرم ﷺ، ج: ٤، ص: ٥٣، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۲۱۷):**فی الخصائص الکبری: قال العلماء محل الخلاف فی التفضیل بین مکة والمدینة فی غیر قبره صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم أما هو فأفضل البقاع بالاجماع بل وأفضل من الکعبة بل ذکر ابن عقیل الحنبلی أنه أفضل من العرش.** (الخصائص الکبری، باب اختصاصه ﷺ بتفضیل بلدیه علی سائر البلاد وبأن الدجال والطاعون لایدخلهما وبفضل مسجده علی سائر المساجد وبأن البقعة التی دفن فیها أفضل من الکعبة والعرش، ج: ۳، ص: ۱۸۱، ط، دار الکتب الحدیثة)

(۲۱۸):**قال صاحب المرعاة: اعلم أن هذه المسالة کثر النزاع والخلاف بین العلماء فیها، فمنهم من نص علی عدم نجاة الوالدین، کما رأیت فی کلام النووی، والقاری وقد بسط الکلام فی ذلک القاری فی شرح الفقه الأکبر، وفي رسالة**

میں ہوا ہے (۲۱۹)۔فقط (فتاوی رشیدیہ ص:۲۴۵، ط، دارالاشاعت کراچی)



مستقلة له. ومنهم من شهد لهما بالنجاة، كالسيوطى، وقد ألف فى هذه المسألة سبع رسائل، بسط الكلام فيها، وذكر الأدلة من الجانبين، ومن شاء رجع اليها، والأسلم، والأحوط عندى هو التوقف، والسكوت . انتهٰى كلام صاحب المرعاة .

قال الجامع عفا اللّٰه تعالىٰ عنه: عندى الأولى، والأسلم الوقوف مع النصوص الصحيحة، كحديث الباب، وحديث مسلم المذكور: ان أبى وأباك فى النار، مع عدم التوسع والخوض بزيادة ما ليس فى النصوص، وأما تصحيح حديث احياء أبوى النبى ﷺ، كما قال ابن حجر الهيثمى فمما لايلتفت اليه، فان جل الحفاظ من المحدثين على أنه موضوع، كما أشرت اليه فيما تقدم.

ثم ان هذه المسألة ما رأيت للمتقدمين فيها كلاما، بل انما أثارها، وتنازع فيها، وخاض غمرتها المتأخرون، من أمثال السيوطى، ومن سار على دربه فما وسع الأولين من السكوت، وعدم الخوض وترك التنازع، والتخاصم هو الصواب لمن كان حريصا على دينه، فلو كان فى هذا الخوض خير لكان المتقدمون أسبق اليه، وأحرص من المتأخرين عليه، فسلوك سبيلهم فيه السلامة فى الدنيا والآخرة، فالواجب الوقوف على ماصح عن رسول اللّٰه ﷺ، وعدم التوسع،ونصب الخلاف فيما وراءه. واللّٰه تعالى اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب. (ذخيرة العقبىٰ فى شرح المجتبىٰ، كتاب الجنائز، باب زيارة قبر المشرك، ج: ۲۰، ص: ۳۷،۳٦ ، رقم الحديث ۲۰۳٤، ط، دار آل بروم، المملكة العربية السعودية)

(۲۱۹):فى حاشية الطحطاوى: وما فى الفقه الاكبر من أن والديه ﷺ ماتا على الكفر فمدسوس على الامام ويدل عليه أن النسخ المعتمدة منه ليس فيها شئ من ذلك قال ابن حجر المكى فى فتاواه وللوجود فيها ذلك لابى حنيفة محمد بن يوسف البخارى لا لابى حنيفة النعمان بن ثابت الكوفى وعلى تسليم أن الامام قال ذلك فمعناه أنهما ماتا فى زمن الكفر وهٰذا لايقتضى اتصافهما به كيف واللّٰه تعالىٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان لانا

﴿سوال﴾:

يقول في كلامه العزيز وتقلبك في الساجدين. الخ. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ج: ٢، ص: ٨٠، ط، المكتبة العربية كوئٹه)

وقال العلامة محمد زاهد بن الحسن الكوثرى نور الله مرقدهٗ: وأما فى الفقه الأكبر رواية حماد بن أبى حنيفة عن أبيه فله شروح كثيرة.... ففى بعض تلك النسخ: وأبوا النبى صلى الله عليه وسلم ماتا على الفطرة ـ و (الفطرة) سهلة التحريف الى (الكفر) فى الخط الكوفى، وفى أكثرها: (ما ماتا على الكفر)، كأن الامام الأعظم يريد به الرد على من يروى حديث (أبى و أبوك فى النار) ويرى كونهما من أهل النار. لأن انزال المرء فى النار لايكون بدليل يقينى وهٰذا الموضوع ليس بموضوع عملى حتى يكتفى فيه بالدليل الظني.

ويقول الحافظ محمد المرتضى الزبيدى شارح الأحياء والقاموس فى رسالته (الانتصار لوالدى النبى المختار) ـ وكنت رأيتها بخطه عند شيخنا أحمد بن مصطفى العمرى الحلبى مفتى العسكر العالم المعمر ـ مامعناه: ان الناسخ لما رأى تكرر (ما) فى (ما ماتا) ظن أن أحدهما زائدة فحذفها نسخته الخاطئة، ومن الدليل على ذلك سياق الخبر لأن أبا طالب والأبوين لو كانوا جميعاعلى حالة واحدة جمع الثلاثة فى الحكم بجملة واحدة لا بجملتين مع عدم التخالف بينهم فى الحكم وهٰذا رأى وجيه من الحافظ الزبيدى الا أنه لم يكن رأى النسخة التى فيها (ما ماتا) و انما حكى ذاك عمن رآها، وانى بحمدللّٰه رأيت لفظ (ما ماتا) فى نسختين بدار الكتب المصرية قديمتين كما رأى بعض أصدقائى لفظى (ما ماتا) و (على الفطرة) فى نسختين قديمتين بمكتبة شيخ الاسلام المذكورة ـ وعلى القارى بنى شرحه على النسخة الخاطئة وأساء الأدب سامحه الله. (العالم والمتعلم، ص: ٦، ٧، ط، المكتبة الأزهرية)

حضور اکرم ﷺ کے والدین کے ایماندار ہونے کی روایت کتب سیر میں یا احادیث میں آئی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ہے تو کیسی ہے اور ان کے ایماندار ہونے پر اعتقاد ویقین رکھنا کیسا ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضور اکرم ﷺ کے والدین کے ایماندار ہونے میں اکابر کے مختلف اقوال ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ "ماتا علی الکفر"(۲۲۰).

ایک روایت ہے:"استاذنت ربی أن أستغفر لأمی، فلم یأذن لی" (۲۲۱)۔ مسلم کی ایک اور روایت میں ہے:" ان رجلاً قال : یارسول اللّٰہ ﷺ ! أین أبی؟ قال: " فی النار" فلما قفا دعاه فقال: " أبی وأباک فی النار" (۲۲۲). مسلم،

وفی حاشیة منح الروض الأزهر: وقال الشیخ محمد بن ابراهیم البیجوری المتوفی ۱۲۷٦ھ: ما نقل عن أبی حنیفة فی "الفقه الاکبر" من ان والدی المصطفی ماتا علی الکفر فمدسوس علیه، وحاشاه أن یقول ذلک. وغلط ملا علی القاری غفر اللّٰه له فی کلمة شنیعة قالها. [تحفة المرید شرح جوهرة التوحیدص: ٦٩]۔ (منح الروض الأزهر شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۹۷، ط، مکتبة المدینة کراتشی)

(۲۲۰):فی المرقات: ثم الجمهور علی أن والدیه ﷺ ماتا کافرین وهذا الحدیث أصح ما ورد فی حقهما. (مرقات المفاتیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، الفصل الأول، ج: ٤، ص: ۲۱٦، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۲۲۱):عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ استأذنت ربی أن أستغفر لأمی فلم یأذن لی، واستاذنته أن أزور قبرها فأذن لی. (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ﷺ ربه عزوجل فی زیارة قبر أمه، ص: ۳۹۲، رقم: ۲۲۵۸، ط، دار السلام ریاض)

(۲۲۲):عن أنسؓ أن رجلا قال: یارسول اللّٰه[ﷺ]! أین أبی؟ قال: فی النار فلما قفٰی دعاه فقال: ان أبی وأباک فی النار. (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب

شامی:۲/۶۳۳(۲۲۳)۔

آیت:﴿وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيْمِ﴾ بصیغہ نہی حضور اکرم کے سوال: ”لیت شعری ما فعل أبوای“ کے جواب میں نازل ہوئی۔

تفسیر مظہری، ص:۶۷ میں لکھا ہے کہ یہ قوی نہیں (۲۲۴) بعض روایت سے معلوم

بیان أن من مات علی الکفر فھو فی النار ولاتنالہ شفاعة ولاتنفعه قرابة المقربین، ص: ۱۰۷، ۱۰۸، رقم: ۵۰۰، ط، دار السلام ریاض)

(۲۲۳):فی الشامیة: ولایقال: ان فیه اساءة أدب لاقتضائه کفر الأبوین الشریفین، مع أن اللّٰه تعالیٰ أحیاھما له وآمنا به کما ورد فی حدیث ضعیف. لأنا نقول: ان حدیث أعم بدلیل روایة الطبرانی وأبی نعیم وابن عساکر: خرجت من نکاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم الی ان ولدنی أبی وامی، لم یصبنی من سفاح الجاھلیة شیء، واحیاء ابوین بعد موتھما لاینافی کون النکاح کان فی زمن الکفر، ولاینافی أیضاً ما قاله الامام فی الفقه الأکبر من أن والدیهﷺ ماتا علی الکفر، ولا ما فی صحیح مسلم: استاذنت ربی أن أستغفر لأمی فلم یاذن لی، وما فیه أیضاً أن رجلا قال: یارسول اللّٰه أین أبی؟ قال: فی النار، فلما قفا دعاہ فقال: ان أبی وأباک فی النار، لامکان أن یکون الأحیاء بعد ذلک، کأنه کان فی حجة الوداع، وکون الایمان عند المعاینة غیر نافع فکیف بعد الموت؟ فذاک فی غیر الخصوصیة أکرم اللّٰه بها نبیهﷺ. (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، مطلب فی الکلام علی أبوی النبیﷺ وأھل الفترة، ج: ٤، ص: ۳٤۸، ط، دارعالم الکتب ریاض)

(۲۲۴):فی تفسیر المظھری: وما ذکر البغوی أنه قال عطاء عن ابن عباسؓ أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال ذات یوم: ”لیت شعری ما فعل أبوای“. فنزلت ھذه الآیة، وقال عبدالرزاق أخبرنی الثوری عن موسی بن عبیدة عن محمد بن کعب القرظی عنه، وأخرج ابن جریر من طریق ابن جریج داود بن عاصم عنه فذکرا نحوه

ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے والدین کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ پر ایمان لائے (۲۲۵)۔ ''بیہقی دلائل النبوۃ'' میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابن نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی ہے:

''وقال رسول اللہ ﷺ: ''وما افترق الناس فرقتين الا جعلنى الله فى خير هما، فأخرجت من بين أبوين فلم يصبنى شىء من عهد الجاهلية، وخرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لون آدم عليه الصلاة والسلام حتى انتهيت الى أبى وأمى، فأنا خير كم نفساً خير كم أباً''۔ تفسیر مظہری: ۱/ ٦٧ (۲۲٦)۔

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ......، ملا علی القاری، قاضی عیاض، قاضی ثناء اللہ وغیرہ ہم نے مستقل تصانیف اس بارے میں کی ہیں اور روایات جمع کی ہیں۔

حق مذہب یہ ہے کہ اس مسئلہ کی نیز اس قسم کے دوسرے مسائل میں کنج وکاؤ کرنا

فليس بمرضى عندى وليس بقوى. (تفسير المظهرى، سورة البقرة، الآية: ۱۱۹، ج: ۱، ص: ۱۳۵، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

(۲۲۵):فى الحاوى للفتاوى: وأورد السهيلى فى الروض الأنف بسند قال: ان فيه مجهولين عن عائشة رضى الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم سأل ربه أن يحيى أبويه، فأحياهما له، فآمنا به، ثم أماتهما، وقال السهيلى بعد ايراده: الله قادر على كل شىء، وليس تعجز رحمته وقدرته عن شىء، ونبيه صلى الله عليه وآله وسلم أهل أن يختص بما شاء من فضله وينعم عليه بما شاء من كرامته. (الحاوى للفتاوى، مسالك الحنفاء فى والدى المصطفى، ۲/ ۲۷۸، دار الفكر بيروت لبنان بحواله حاشيه فتاوى محموديه)

(۲۲٦):(تفسير المظهرى، سورة البقرة، الآية: ۱۱۹، ج: ۱، ص: ۱۳۵، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

مفید نہیں، بلکہ کسی حد تک مضر ہے لہٰذا توقف وسکوت بہتر ہے (۲۲۷) البتہ عمل سے شب وروز پیش آنے والے مسائل صوم وصلوۃ وغیرہ کی تحقیق مفید بلکہ ضروری ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۴۰۴تا۴۰۶)



(۲۲۷):قال صاحب المرعاة: اعلم أن هذه المسالة كثر النزاع والخلاف بين العلماء فيها، فمنهم من نص على عدم نجاة الوالدين، كما رأيت فى كلام النووى، والقارى وقد بسط الكلام فى ذلك القارى فى شرح الفقه الأكبر، وفي رسالة مستقلة له. ومنهم من شهد لهما بالنجاة، كالسيوطى، وقد ألف فى هذه المسألة سبع رسائل، بسط الكلام فيها، وذكر الأدلة من الجانبين، ومن شاء رجع اليها، والأسلم، والأحوط عندى هو التوقف، والسكوت . انتهٰى كلام صاحب المرعاة .

قال الجامع عفا اللّٰه تعالىٰ عنه: عندى الأولى، والأسلم الوقوف مع النصوص الصحيحة، كحديث الباب، وحديث مسلم المذكور: ان أبى وأباك فى النار، مع عدم التوسع والخوض بزيادة ما ليس فى النصوص، وأما تصحيح حديث احياء أبوى النبى ﷺ، كما قال ابن حجر الهيثمى فمما لايلتفت اليه، فان جل الحفاظ من المحدثين على أنه موضوع، كما أشرت اليه فيما تقدم.

ثم ان هذه المسألة ما رأيت للمتقدمين فيها كلاما، بل انما أثارها، وتنازع فيها، وخاض غمرتها المتأخرون، من أمثال السيوطى، ومن سار على دربه فما وسع الأولين من السكوت، وعدم الخوض وترك التنازع، والتخاصم هو الصواب لمن كان حريصا على دينه، فلو كان فى هذا الخوض خير لكان المتقدمون أسبق اليه، وأحرص من المتأخرين عليه، فسلوك سبيلهم فيه السلامة فى الدنيا والآخرة، فالواجب الوقوف على ماصح عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، وعدم التوسع،ونصب الخلاف فيما وراءه.واللّٰه تعالىٰ اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب. (ذخيرة العقبىٰ فى شرح المجتبىٰ، كتاب الجنائز، باب زيارة قبر المشرك، ج: ۲۰، ص: ۳۶،۳۷ ، رقم الحديث ۲۰۳۴ ، ط، دار آل بروم، المملكة العربية السعودية)

کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مؤمن تھے؟

﴿سـوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے والدین خدا کو ماننے والے، صاحب ایمان مسلمان تھے یا نہیں؟ یا غیر مسلم تھے، بتوں کو پوجتے تھے یا نہیں؟

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:

اس سلسلہ میں ائمہ اور فقہاء کے درمیان اختلاف چلا آرہا ہے، حضرت حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں آپ کے والدین کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر بحالت ایمان وفات پائے۔

کما فی الشامی: ألا تری! أن نبینا علیہ الصلاۃ والسلام قد أکرمہ اللّٰہ تعالیٰ بحیاۃ أبویہ لہ حتی آمنا بہ، کما فی حدیث صحیح، صححہ القرطبی. (شامی، کراچی ٤/ ٢٣١، زکریا ٦/٣٦٩)

اور حضرت امام اعظمؒ اور ملا قاریؒ کی رائے یہ ہے کہ بحالت کفر وفات پائے (۲۲۸)۔

---

(۲۲۸): **فی حاشیۃ الطحطاوی: وما فی الفقہ الاکبر من أن والدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام ویدل علیہ أن النسخ المعتمدۃ منہ لیس فیھا شئ من ذلک قال ابن حجر المکی فی فتاواہ وللوجود فیھا ذلک لابی حنیفۃ محمد بن یوسف البخاری لا لابی حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی وعلی تسلیم أن الامام قال ذلک فمعناہ أنھما ماتا فی زمن الکفر وھٰذا لایقتضی اتصافھما بہ کیف واللّٰہ تعالیٰ یقول فی کلامہ العزیز وتقلبک فی الساجدین. الخ.** (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر

كـما في فقه الأكبر للامام الأعظم أبي حنيفة وشرحه للـعـلامة مـلا عـلـي قـارى: ووالدا رسول اللهﷺ ماتا على

المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ج: ۲، ص: ۸۰، ط، المكتبة العربية كوئٹه)

وقـال العلامة محمد زاهد بن الحسن الكوثرى نور الله مرقدهٗ: وأما في الفقه الأكبـر رواية حـمـاد بـن أبـى حـنـيـفة عن أبيه فله شروح كثيرة.... ففي بعض تلك الـنسـخ: وأبـوا النبيﷺ ماتا على الفطرة ـ و (الفطرة) سهلة التحريف الى (الكفر) فـي الـخـط الـكـوفـي، وفي أكثرها: (ما ماتا على الكفر)، كأن الامام الأعظم يريد به الـرد على من يروى حديث (أبي و أبوك في النار) ويرى كونهما من أهل النار. لأن انـزال الـمـرء فـي الـنـار لايكون بدليل يقيني وهٰذا الموضوع ليس بموضوع عملي حتى يكتفى فيه بالدليل الظني.

ويـقـول الـحـافـظ مـحـمـد الـمرتضى الزبيدى شارح الأحياء والقاموس في رسـالتـه (الانتصار لوالدى النبي المختار) ـ وكنت رأيتها بخطه عند شيخنا أحمد بن مـصـطـفى العمرى الحلبي مفتي العسكر العالم المعمر ـ مامعناه: ان الناسخ لما رأى تـكـرر (مـا) في (ما ماتا) ظن أن أحدهما زائدة فحذفها نسخته الخاطئة، ومن الدليل عـلـى ذلـك سيـاق الـخبـر لأن أبـا طالب والأبوين لو كانوا جميعاعلى حالة واحدة جمع الثلاثة في الحكم بجملة واحدة لا بجملتين مع عدم التخالف بينهم في الحكم وهٰذا رأى وجيه من الحافظ الزبيدى الا أنه لم يكن رأى النسخة التي فيها (ما ماتا) و انـمـا حـكـى ذاك عـمـن رآها، واني بحمدلله رأيت لفظ (ما ماتا) في نسختين بدار الـكـتـب الـمصرية قديمتين كما رأى بعض أصدقائي لفظي (ما ماتا) و (على الفطرة) في نسختين قديمتين بمكتبة شيخ الاسلام المذكورة ـ وعلى القارى بنى شرحه على الـنسخة الخاطئة وأساء الأدب سامحه الله. (الـعالم والمتعلم، ص: ٦، ٧، ط، المكتبة الأزهرية)

وفـي حـاشية منح الروض الأزهر: وقال الشيخ محمد بن ابراهيم البيجوريؒ المتوفى ۱۲۷۶ھـ: ما نقل عن أبي حنيفة في "الفقه الاكبر" من ان والدى المصطفى

هذارد من قال: أنهما ماتا على الايمان، أو ماتا على الكفر، ثم أحياهم الله تعالىٰ، فماتا فى مقام الايقان. (شرح فقه أكبر، مكتبه اشرفى ديو بند، ص: ١٣٠)

ثم الجمهو على أن والديه ﷺ ماتا كافرين، وهذا الحديث أصح ماروى فى حقهما. (بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب زيادة القبور، مكتبه يحيى سهار نپور ٤/٢١٤، البشائر الاسلامية ١٠/٥٢٤، مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب زيادة القبور، الكلام على ايمان والديه عليه الصلاة والسلام، مكتبه امداديه ملتان ٤/١١٣)

عن أنس أن رجلا قال: يارسول الله! أين أبى؟ قال: فى النار، فلما قفى دعاه، فقال: ان أبى وأباك فى النار. (مسلم شريف، كتاب الايمان، باب بيان أن من مات على الكفر، فهو فى النار، النسخة الهندية ١/١١٤، بيت الأفكار، رقم: ٢٠٣)

لہٰذا اس سلسلہ میں کف لسان ہی بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاوی قاسمیہ، ج:۲،ص: ۱۴۷، ۱۴۸، ط، مکتبہ اشرفیہ دیو بند/ فتاوی دار العلوم وقف دیو بند، ج:۱، ص: ۱۹۷، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی/ فتاوی دار العلوم دیو بند، ج: ۱۸، ص: ۲۰۶، ۲۰۷، ط، مکتبہ دار العلوم دیو بند/ امداد الاحکام، ج:۱، ص: ۳۴۰، ۳۴۱، ط، مکتبہ دار العلوم کراچی/ عزیز الفتاوی، ص: ۸۶، ط، دار الاشاعت کراچی/ نجم الفتاوی، ج:۱، ص: ۲۷۲/ آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱، ص: ۲۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی/ خیر الفتاوی، ج:۱، ص: ۳۲۲، ط،

ماتا على الكفر فمدسوس عليه، وحاشاه أن يقول ذلك. وغلط ملا على القارى غفر الله له فى كلمة شنيعة قالها. [تحفة المريد شرح جوهرة التوحيدص: ٦٩]۔ (منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر، ص: ١٩٧، ط، مكتبة المدينة كراتشى)

مکتبہ امدادیہ ملتان/ فتاوی حقانیہ، ج:۱،ص:۲۳۹، ۲۴۰، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک/ فتاوی رحیمیہ، ج:۳،ص:۵۲، ط، دارالاشاعت کراچی/ فتاوی فریدیہ، ج:۱،ص:۴۵۳)



رسول اللہ ﷺ کے باپ دادا کے ایمان وعدم ایمان میں توقف کرنا چاہیے

﴿سوال﴾:

ہمارے خاندان کے کچھ شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے رسول ﷺ کے باپ دادا میں سے کوئی کافر نہیں تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے کافر ہونے سے بھی وہ انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آذر ان کا چچا تھا۔ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

﴿الجواب﴾:

قرآن سے صاف معلوم ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہے اور کافر گزرا ہے۔ اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آزر چچا ہے، لیکن تاریخی بلاسند روایات کی وجہ سے قرآن کی تصریح کو ترک کرنا نہ تقاضائے علم ہے، اور نہ تقاضائے عقل(۲۲۹)، اور پیغمبر

---

(۲۲۹): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: واذ قال ابراهيم لأبيه آزر أتتخذ اصناما آلهة انی أراک وقومک فی ضلال مبین. (سورة الانعام: ۷۴)

فی تفسیر ابن کثیر: قال الضحاک: عن ابن عباسؓ: ان أبا ابراهيم لم يكن اسمه آزر، وانما كان اسمه تارح. رواه ابن ابی حاتم.

وهكذا قال غير واحد من علماء النسب: ان اسمه تارح. وقال مجاهد والسدی: آزر: اسم صنم.

قلت: كأنه غلب عليه آزر لخدمته ذلک الصنم، فاللّٰہ اعلم.

وقال ابن جرير: وقال آخرون: هو سب وعيب بكلامهم، ومعناه: معوج، ولم

کے والدین کے متعلق کفراور اسلام کے دونوں قسم کی روایات مروی ہیں۔ القسم الاول ظاہر مروی و الاسلام بعد الاحیاء مروی فی الطبرانی. لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ ان

یسنده و لا حکاه عن أحد.

وقد قال ابن أبی حاتم: ذکر عن معتمر بن سلیمان، سمعت أبی یقرأ: ﴿واذ قال ابراهیم لأبیه آزر﴾ قال: بلغنی أنها أعوج، وأنها أشد کلمة قالها ابراهیم، علیه السلام.

ثم قال ابن جریر: والصواب أن اسم أبیه آزر، ثم أورد علی نفسه قول النسابین أن اسمه تارح، ثم أجاب بأنه قد یکون له اسمان کما لکثیر من الناس، أو یکون أحدهما لقبا، وهذا الذی قاله جید قوی والله أعلم.

وفی حاشیة تفسیر ابن کثیر: وقد اعترض علی قول ابن جریر الطبری ومحاولته الجمع، المحدث أحمد شاکر ـ رحمه الله ـ فی بحث له فی آخر کتاب "المعرب" للجوالیقی قال فی خاتمته: والحجة القاطعة فی نفی التأویلات التی زعموها فی کلمة: آزر، وفی ابطال ما سموه قراء ات، تخرج باللفظ عن أنه علم لوالد ابراهیم: الخدیث الصحیح الصریح فی البخاری: عن النبی ﷺ قال: یلقی ابراهیم أباه آزر یوم القیامة، وعلی وجه آزر قترة وغبرة، فیقول له ابراهیم: الم أقل لک: لاتعصنی؟ فیقول أبوه: فالیوم لاأعصیک....الی آخر الحدیث، وفی البخاری (۴/ ۱۳۹ من الطبعة السلطانیة) وفتح الباری (۶/ ۲۷۶ من طبعة بولاق) وشرح العینی (۱۵/ ۲۴۳، ۲۴۴ من الطبعة المنیریة)، فهذا النص یدل علی أنه اسم العلم، وهو لایحتمل التأویل ولاالتحریف. (تفسیر ابن کثیر، سورة الانعام، الآیة: ۷۴، ج: ۳، ص: ۲۸۸، ۲۸۹، ط، دار طیبة)

وفی القرطبی: قال محمد بن اسحاق الکلبی والضحاک: ان آزر ابو ابراهیم علیه السلام، وهو تارح، مثل اسرائیل ویعقوب.

قلت: فیکون له اسمان کما تقدم. (الجامع لأحکام القرآن، سورة الانعام، الآیة: ۷۴، ج: ۸، ص: ۴۳۳، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

کے متعلق توقف کیا جائے کما صرح بہ علامہ شامی (۲۳۰)۔وھو الموفق. (فتاوی فریدیہ، ج:۱،ص:۴۵۴، ۴۵۵)



(۲۳۰):عن أنسؓ أن رجلا قال: یارسول اللّٰہ[ﷺ]! أین أبی؟ قال: فی النار فلما قفٰی دعاہ فقال: ان أبی وأباک فی النار. (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان أن من مات علی الکفر فھو فی النار ولاتناله شفاعة ولاتنفعه قرابة المقربین، ص: ۱۰۷، ۱۰۸، رقم: ۵۰۰، ط، دار السلام ریاض)

وفی تفسیر الظھری: وقال رسول اللّٰہﷺ: ”وما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللّٰہ فی خیر ھما، فأخرجت من بین أبوین فلم یصبنی شیء من عھد الجاھلیة، وخرجت من نکاح ولم أخرج من سفاح من لون آدم علیه الصلاۃ والسلام حتی انتھیت الی أبی وأمی، فأنا خیر کم نفساً خیرکم أبا. رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ من حدیث أنس و أبو نعیم فی دلائل النبوۃ من حدیث ابن عباسؓ نحوہ، وقد صنف الشیخ الأجل جلال الدین السیوطی رضی اللّٰہ عنه فی اثبات اسلام آباء النبیﷺ. (تفسیر المظھری، سورة البقرة، الآیة: ۱۱۹، ج: ۱، ص: ۱۳۶، ط، داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان)

وفی الشامیة: ولایقال: ان فیه اساءۃ أدب لاقتضائه کفر الأبوین الشریفین، مع أن اللّٰہ تعالیٰ أحیاھما له وآمنا به کما ورد فی حدیث ضعیف. لأنا نقول: ان حدیث أعم بدلیل روایة الطبرانی وأبی نعیم وابن عساکر: خرجت من نکاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم الی ان ولدنی أبی وامی، لم یصبنی من سفاح الجاھلیة شیء، واحیاء ابوین بعد موتھما لاینافی کون النکاح کان فی زمن الکفر، ولاینافی أیضاً ما قاله الامام فی الفقه الأکبر من أن والدیهﷺ ماتا علی الکفر، ولا ما فی صحیح مسلم: استاذنت ربی أن أستغفر لأمی فلم یاذن لی، وما فیه أیضاً أن رجلا قال: یارسول اللّٰہ أین أبی؟ قال: فی النار، فلما قفا دعاہ فقال: ان أبی وأباک فی النار، لامکان أن یکون الأحیاء بعد ذلک، کأنه کان فی حجة الوداع، وکون

کیا حضور ﷺ کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے؟

﴿سوال﴾:

پارہ ۱۱ اخیر سورۃ توبہ "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ"۔ اس آیت شریفہ کا ترجمہ اور یہ کہ کس کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ آیا حضور اکرم ﷺ کے والدین کے حق میں ہے یا کفار مشرکین کے حق میں ہے اور یہ آیت ناسخ ہے یا منسوخ؟

اور ہمارے سرکار آقائے نامدار فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے آباؤ اجداد پشت در پشت حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تک مسلمان تھے یا نہیں، آیا درمیان میں بت پرستی ہوئی ہے یا نہیں؟ صاف صاف قرآن وحدیث سے اس کا جواب دیں۔

﴿الجواب﴾:

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں تینوں روایتیں موجود ہیں۔ اول یہ کہ آیت ابوطالب کے بارے میں اتری۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا جب تک مجھ کو خدا کی طرف سے منع نہ کیا جائے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور ﷺ کو منع کر دیا گیا (۲۳۱)۔

الايمان عند المعاينة غير نافع فكيف بعد الموت؟ فذاك في غير الخصوصية أكرم الله بها نبيه ﷺ.... وبالجملة كما قال بعض المحققين: انه لاينبغي ذكر هذه المسألة الا مع مزيد الأدب، وليست من المسائل التي يضر جهلها أو يسأل عنها في القبر أو في الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها الا بخير أولى وأسلم.

(ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب في الكلام على أبوى النبي ﷺ وأهل الفترة، ج: ٤، ص: ٣٤٨، ٣٤٩، ٣٥٠، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۲۳۱): في الدرالمنثور: أخرج ابن أبي شيبة، وأحمد، والبخاري، ومسلم،

دوم: یہ کہ یہ آیت جب اتری کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت حضرت حق جل مجدہٗ سے طلب کی تو اس آیت کے ذریعہ سے حضور علیہ ﷺ کو منع کیا گیا (۲۳۲)۔

والنسائی، وابن جریر، وابن المنذر، وابن أبی حاتم، وأبو الشیخ، وابن مردویه، والبیهقی فی الدلائل، عن سعید بن المسیب، عن أبیه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة دخل علیه النبی ﷺ وعنده أبو جهل وعبدالله بن أبی أمیة، فقال النبی ﷺ: أی عم، قل: لا اله الا الله. أحاج لک بها عندالله. فقال أبو جهل وعبدالله بن أبی أمیة: یا أبا طالب، أترغب عن ملة عبدالمطلب؟ فجعل رسول الله ﷺ یعرضها علیه، وأبو جهل وعبدالله یعودان بتلک المقالة، فقال أبو طالب آخر ما کلمهم: هو علی ملة عبدالمطلب، وأبی أن یقول: لا اله الا الله. فقال النبی ﷺ: لأستغفرن لک ما لم أنه عنک. فنزلت: ﴿ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین﴾ الآیة. وأنزل الله فی أبی طالب، فقال لرسوله: ﴿انک لاتهدی من احببت ولٰکن اللّٰه یهدی من یشاء﴾ [القصص: ۵٦]. (الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة التوبة، الایة: ۱۱۳، ج: ۷، ص: ۵۵۰)

(۲۳۲): فی تفسیر ابن کثیر: وقال ابن أبی حاتم فی تفسیره: حدثنا أبی، حدثنا خالد بن خداش، حدثنا عبدالله بن وهب، عن ابن جریج عن أیوب بن هانئ، عن مسروق، عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه قال: خرج رسول الله ﷺ یوماً الی المقابر، فاتبعناه، فجاء حتی جلس الی قبر منها، فناجاه طویلا ثم بکی فبکینا لبکائه ثم قام فقام الیه عمر بن الخطاب، فدعاه ثم دعانا، فقال: ما أبکاکم؟ فقلنا: بکینا لبکائک قال: ان القبر الذی جلست عنده قبر آمنة، وانی استأذنت ربی فی زیارتها فأذن لی، ثم أورده من وجه آخر، ثم ذکر من حدیث ابن مسعود قریبا منه، وفیه: وانی استأذنت ربی فی الدعاء لها فلم یأذن لی، وأنزل علی: ﴿ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی﴾، فأخذنی ما یأخذ الولد للوالدة، وکنت نهیتکم عن زیادة القبور فزروها، فانها تذکر الآخرة. (تفسیر ابن کثیر، سورة

سوم: یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے استغفار کیا میں بھی اپنے والد کے لئے استغفار کروں گا تو یہ آیت اتری اور حضور ﷺ کے اپنے والد کے لئے استغفار سے منع کیا گیا (۲۳۳)۔

یہ ثابت نہیں کہ حضور ﷺ کے تمام اجداد کرام مسلمان تھے، ان میں کوئی مشرک نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا مشرک ہونا تو یقینی ہے۔ پس یہ قاعدہ نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام کے اجداد میں مشرک نہیں ہوتا۔ (کفایۃ المفتی، ج: ۱، ص: ۱۰۵، ط، دار الاشاعت کراچی)



حضور ﷺ کے والدین کو ایصالِ ثواب کرنا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کے لئے ایصال ثواب کریں تو کوئی حرج تو نہیں؟ کیا ایصال ثواب کرسکتے ہیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

نبی اکرم ﷺ کے والدین کے لئے ایصال ثواب سلف صالحین سے ثابت نہیں

التوبة، الآية: ۱۱۳، ج: ٤، ص: ۲۲۲، ط، دار طيبة)

(۲۳۳): في تفسير ابن كثير: قال قتادة في هذه الآية: ذكر لنا أن رجالاً من أصحاب النبي ﷺ قالوا: يا نبي الله، ان من آبائنا من كان يحسن الجوار، ويصل الأرحام، ويفك العاني، ويوفي بالذمم، أفلا نستغفرلهم؟ قال: فقال النبي ﷺ: بلى، والله اني لأستغفر لأبي كما استغفر ابراهيم لأبيه. فأنزل الله: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين﴾ حتى بلغ: ﴿الجحيم﴾.. الخ. (تفسير ابن كثير، سورة التوبة، الآية: ۱۱۳، ج: ٤، ص: ۲۲٤، ط، دار طيبة)

ہے، اوران کے کفروایمان میں علماء کا اختلاف ہے۔

عن أنس رضی اللّٰہ عنہ أن رجلا قال: یارسول اللّٰہ! أین أبی قال: فی النار، قال: فلما قفا دعاہ، فقال: ان أبی وأباک فی النار. (صحیح مسلم ١/١١٤) **والبحث فی الشامی.** (شامی زکریا ٤/٣٤٨، ٦/٣٦٩) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم(کتاب النوازل، ج: ١، ص: ٦٢٨، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الھند/ فتاوی رحیمیہ، ج: ٣، ص: ٥٢، ط، دار الاشاعت کراچی)



حضور ﷺ کے والدین کومؤمن نہ ماننا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو بہت سے لوگ مؤمن نہیں مانتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:

رسول اکرم ﷺ کے والدین کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، بعض حضرات ان کے ایمان کے قائل ہیں اور بعض عدم ایمان کے، دلائل دونوں طرف ہیں، کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں ہے، اس لئے محققین علماء کے نزدیک اس سلسلہ میں توقف کرنا بہتر ہے، اور جہاں تک ہوسکے اس بارے میں بحث سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ولا یقال: ان فیہ اسائۃ أدب لاقتضائہ کفر الأبوین الشریفین مع أن اللّٰہ تعالیٰ أحیا ھما لہ وآمنا بہ، کما ورد فی

حديث ضعيف..... وما فيه أيضا أن رجلاً قال: يا رسول اللّٰه! أين أبى؟ قال: النار، فلما قفا دعاه فقال: ان أباك فى النار. وأما الاستدلال على نجاتهما بأنهما ماتا فى زمن الفترة، فهو مبنى على أصول الأشاعرة أن من مات ولم تبلغه الدعوى يموت ناجياً. أما الماتريدية، فان مات قبل مضى مدة يمكنه فيها التأمل ـ الى قوله ـ وعلى هذا فالظن فى كرم اللّٰه تعالىٰ أن يكون أبواه ﷺ من أحد هذين القسمين، بل قيل: أن آبائه ﷺ كلهم موحدون. وباجملة كما قال بعض المحققين: أنه لا ينبغى ذكر هذه المسئلة الامع مزيد الأدب، وليست من المسائل التى يضر جهلها أو يسأل عنها فى القبر أو فى الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها الا بخير أولى وأسلم. (شامى زكريا ٤/٣٤٨)

وروى بأسانيد ضعيفة أن النبى ﷺ دعا ربه فأحياه وآمنة أم رسول اللّٰه ﷺ فآمنا به. واختار الامام الرازى أنهما ماتا على ملة ابراهيم عليه الصلاة والسلام، والجمع أن الاحياء كرامة لهما ليضاعف ثوابهما. وقد ألف الحافظ المحقق جلال الدين السيوطى رسائل فى اثبات ايمانهما ايمان جميع آباء النبى ﷺ الى آدم، وتبعه محققوا المتأخرين، وعارضه على بن سلطان القارى برسالته فى اثبات كفرهما، فرأى استاذه ابن حجر مكى فى منامه أن القارى سقط من سقف فانكسرت رجلاه، فقيل: هٰذا جزاء اهانة والدى رسول اللّٰه ﷺ، فوقع كما رأى، ومن أراد

کشف مشکلات هٰذا المسئلة فلینظر فی رسائل السیوطی.

(النبراس شرح العقائد النسفیة ۳۱۶، بحواله: فتاویٰ محمودیه ڈابھیل ۴۰۹/۱)فقط و اللّٰه تعالیٰ اعلم۔ (کتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۳۸۰،۳۸۱، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الهند)



آنحضرت ﷺ کے والدین کی وفات کب ہوئی

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع عظام از روئے فرمان اللہ ورسول اللہ (ﷺ) کے اس مسئلہ میں کہ ابوین کریمین وجد امجد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دور رسالت سے پہلے وفات پائے گئے یا بعد میں؟

﴿الجواب﴾:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابوین میں سے والد ماجد تو آپ کی ولادت سے پہلے وفات پاگئے تھے(۲۳۴)اور والدہ ماجدہ کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ آپ کی

(۲۳۴):**فی البداية: وعبداللّٰه ابن عبدالمطلب يومئذ مريض، فقال أتخلف عند أخوالى بنى عدى بن النجار، فأقام عندهم مريضاً شهراً ومضى أصحابه فقدموا مكة فسألهم عبدالمطلب عن ابنه عبداللّٰه فقالوا خلفناه عند أخواله بنى عدى بن النجار وهو مريض، فبعث اليه عبدالمطلب أكبر ولده الحارث. فوجده قد توفى ودفن فى دار النابغة فرجع الى ابيه فاخبره، فوجد عليه عبدالمطلب واخوته وأخواته وجداً شديداً، ورسول اللّٰه ﷺ يومئذ حمل. ولعبداللّٰه بن عبدالمطلب يوم توفى خمس وعشرون سنة.** (البداية والنهاية، ج: ۲، ص: ۲۶۳، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

عمر مبارک چھ ۶ سال کی تھی (۲۳۵) اور دور رسالت تو ۴۰ سال سے شروع ہوتا ہے(۲۳۶)۔اس سے ظاہر ہے کہ ابوین نے دور رسالت نہیں پایا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ السید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ ولوالدیہ۔ (فتاوی رحیمیہ، ج:۳،ص:۵۲، ط، دارالاشاعت کراچی)



آپ ﷺ کی اولاد کی تعداد

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل کتنی اولاد تھی؟ ان کی تعداد مع اسماء تحریر فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولاد کی تعداد آٹھ ہے جن میں چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کے نام ابراہیم، قاسم، طیب اور طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جبکہ بیٹیوں کے نام

وفی أسد الغابة: وكان أبوه عبدالله قد توفی وأمه حامل به، وقيل: توفی وللنبی ﷺ ثمانية وعشرون شهراً وقيل كان له سبعة أشهر، والأول أثبت. (اسد الغابة فی معرفة الصحابة، ج: ۱، ص: ۱۲۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲۳۵):فی البداية: قال ابن اسحاق: حدثنی عبدالله بن أبی بكر بن محمد بن عمرو بن حزم أن أم رسول الله ﷺ آمنة توفيت وهو ابن ست سنين بالابواء بين مكة والمدينة. (البداية والنهاية، ج: ۲، ص: ۲۷۹، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

(۲۳۶):فی اسد الغابة: قالوا: بعث رسول الله ﷺ، وله أربعون سنة، وذلک فی ملک أبرويز بن هرمز بن كسری أنوشروان ملک الفرس....وقال ابن اسحاق: بعثه الله وله أربعون سنة، فأقام بمكة ثلاث عشرة سنة، وبالمدينة عشرا.

(أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ج: ۱، ص: ۱۲۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں۔ اور بعض حضرات کے نزدیک طیب اور طاہر ایک ہی بیٹے کے دو نام ہیں تو اس اعتبار سے بیٹوں کی تعداد تین اور کل تعداد سات ہو جائے گی۔

لما فی البداية والنهاية (۵/۲۵۵): وقال ابن جريج كان عليه السلام ابن سبع وثلاثين سنة فولدت له القاسم وبه كان يكنى والطيب والطاهر وزينب ورقية وام كلثوم، وفاطمة قلت وهى ام اولاده كلهم سوى ابراهيم فمن مارية.

وفى المنتظم (۲/۸۶): قال ابن اسحاق فولدت (اى خديجة) له ولده كلهم الا ابراهيم زينب ورقية وام كلثوم وفاطمة والقاسم وبه ان يكنى والطاهر والطيب وهلك هؤلاء الذكور فى الجاهلية ......وقال غيره الطيب والطاهر لقبان لعبدالله.

وفى السيرة النبوية لابى الفداء(۱/۲۶۴): عن بن عباس قال ولدت خديجة لرسول اللهﷺ غلامين واربع نسوة القاسم وعبد الله وفاطمة وام كلثوم وزينب ورقية وقال الزبير بن بكار عبد الله هو الطيب وهو الطاهر. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۵۴)



حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں

﴿سوال﴾:

روافض کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ کی ایک ہی صاحبزادی تھیں یعنی حضرت فاطمہ الزہراءؓ اور باقی حقیقی صاحبزادیاں نہیں تھیں بلکہ صرف حضور ﷺ کے زیر پرورش تھیں۔ برائے کرم آپ ﷺ کی حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے علاوہ بقیہ تین صاحبزادیوں کے بارے میں تحقیق فرما کر جواب عنایت فرماویں۔

﴿الجواب﴾:

علماء سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سب سے بڑی حضرت زینبؓ تھیں۔ ان کا نکاح حضرت ابو العاصؓ سے ہوا۔ اور ان سے چھوٹی سیدہ رقیہؓ اور پھر سیدہ ام کلثومؓ۔ ان دونوں کا نکاح یک بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفانؓ سے ہوا۔ ان سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ جن کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا۔ روافض کا کہنا کہ حضور ﷺ کی ایک صاحبزادی تھیں بالکل بے بنیاد اور خلاف حقیقت بات ہے۔

لما فی بذل القوۃ: (ص ۴ فصل فی حوادث السنۃ الاولیٰ من النبوۃ القسم الاول)

وفیھا اسلمت بنات النبی ﷺ الاربع کلھن زینب وھی اکبر بناتہ وفاطمۃ ورقیۃ وام کلثوم.

ولما فی الاستیعاب: (۳۹۸/۴، طبع بیروت)

رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ امھا خدیجۃ بنت خویلد......الخ

ولما فی الاستیعاب: (۵۰۶/۴، طبع بیروت)

ام كلثوم بنت رسول الله ﷺ امها خديجة بنت خويلد ولدتها قبل فاطمة وقيل رقية رضى الله عنهن...... الخ.

ولما فى الاستيعاب: (۴/ ۴۰۹، طبع بيروت)

زينب بنت رسول الله ﷺ كانت اكبر بناته رضى الله عنهن. الخ. (فتاوى عباد الرحمٰن، ج: ۱، ص: ۱۱۹، ۱۲۰، ط، ایجو کیشنل پریس کراچی)



آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی کونسی تھی

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام دریں مسئلہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سب سے چھوٹی بیٹی کون سی تھیں؟

﴿الجواب﴾:

مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے۔ راجح یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے چھوٹی تھیں۔

قال ابن هشام اكبر بنيه القاسم ثم الطيب ثم الطاهر واكبر بناته رقيه ثم زينب ثم أم كلثوم ثم فاطمة. اهـ (ابن هشام، ج: ۱، ص: ۱۰۱)

۲: وهى أصغر بناته فى قول. (مرقات، ج: ۱۱، ص: ۳۷٤)

۳: وهى اختها ام كلثوم اصغر بنات رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واختلف فى الصغرىٰ منهما وقد

قیل ان رقیة اصغر منهما ولیس ذلک عندی بصحیح کذا فی الاستیعاب اهـ. (سیرت محمدیه، ص: ٥٥٥)فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم(خیر الفتاوی، ج: ١، ص: ٤٦٥، ط، مکتبه امدادیه ملتان)



طائف سے مکۃ المکرّمۃ حضور ﷺ کس کی پناہ میں تشریف لائے؟

﴿سوال﴾:

کیا جب سرکار دو عالم ﷺ طائف تشریف لے گئے تو آپ کی مکہ مکرّمہ سے شہریت ختم کردی گئی تھی اور پھر آپ کسی شخص کی امان حاصل کرکے مکہ مکرّمہ میں داخل ہوئے تھے؟ اگر ایسا ہے تو اس شخص کا نام بھی تحریر فرمائیں کہ وہ کون شخص تھا؟

﴿جواب﴾:

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے ''سیرۃ المصطفیٰ'' (ج:۱ص:۳۸۱) میں، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ نے ''سیرت کبریٰ'' (ج:۲ص:۱۰۷) میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے (سیرت مصطفیٰ میں زادالمعاد کا حوالہ بھی دیا گیا ہے) اور حافظ ابن کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' (ج:۳ص:۱۳۷) میں اموی مغازی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ مطعم بن عدی کی پناہ میں تشریف لائے تھے۔ اور پناہ میں آنے کا یہ مطلب نہیں تھا جو آپ نے سمجھا ہے کہ اس سے پہلے مکہ کی شہریت ختم کردی گئی تھی، بلکہ یہ مطلب تھا کہ مطعم بن عدی نے ضمانت دی تھی کہ آئندہ اہل مکہ آپ ﷺ کو نہیں ستائیں گے(۲۳۷)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱ص:۱۸۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۲۳۷):فی البدایة:وقد ذکر الاموی فی مغازیه أن رسول اللّٰه ﷺ بعث

حضور اکرم ﷺ کے عقدِ نکاح

﴿سوال﴾:

یکم فروری ۱۹۸۹ء کو ''تفہیم دین'' پروگرام میں ٹی وی پر جناب ریاض الحسن گیلانی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ: حضور ﷺ نے ۲۱ نکاح کیے، جن میں ۱۳ ازواج کو قائم رکھا، جبکہ ۸ کو طلاق دی۔ جہاں تک میرے ناقص علم میں حضور ﷺ نے طلاق کو ایک بُرا فعل ظاہر کیا ہے، مجبوراً دینے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ ہمارے علم میں کوئی طلاق حضور ﷺ نے اپنی کسی زوجہ کو نہیں دی۔ برائے مہربانی! اس کی حقیقت حال بیان کی جائے۔

﴿جواب﴾:

۲۱ عقد میرے علم میں نہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے دو عورتوں کو نکاح کے بعد آبادی سے پہلے ان کی خواہش پر طلاق دی تھی۔ میری کتاب ''عہد نبوت کے ماہ وسال'' میں اس کی

أريقط الى الاخنس بن شريق فطلب منه أن يجيره بمكة. فقال: ان حليف قريش لايجير على صميمها. ثم بعثه الى سهيل بن عمرو ليجيره فقال: ان بني عامر بن لؤى لاتجير على بني كعب بن لؤى. فبعثه الى المطعم بن عدى ليجيره فقال نعم قل له فليأت. فذهب اليه رسول الله ﷺ فبات عنده تلك الليلة، فلما أصبح خرج معه هو وبنوه ستة ـ أو سبعة ـ متقلدى السيوف جميعاً فدخلوا المسجد وقال لرسول الله ﷺ: طف واحتبوا بحمائل سيوفهم فى المطاف، فاقبل أبو سفيان الى معطم. فقال: أمجير أو تابع؟ قال لا بل مجير. قال اذا لاتخفر. فجلس معه حتى قضى رسول الله ﷺ طوافه، فلما انصرف انصرفوا معه. وذهب أبو سفيان الى مجلسه. قال فمكث أياما ثم أذن له فى الهجرة، فلما هاجر رسول الله ﷺ الى المدينة توفى مطعم بن عدى بعده يسير. .الخ. (البداية والنهاية، ج: ۳، ص: ۱۳۷، ۱۳۸، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

تفصیل ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۱۷۹،ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضورﷺ کا نکاح کس نے پڑھایا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور اقدس جناب محمد رسول اللہﷺ کا نکاح کس نے پڑھایا تھا؟ اورآپ کی ازواج مطہرات کا نکاح ایک ہی شخص نے پڑھایا ہے یا الگ الگ؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

کتابوں میں صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پڑھانے کے متعلق صراحت ملتی ہے کہ ان کا نکاح حضورﷺ کے چچا ابوطالب نے پڑھایا تھا۔ اور دیگر ازواج مطہرات کے نکاح پڑھانے کی صراحت نہیں ملتی، البتہ نکاح کرانے کی صراحت ملتی ہے:

(۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت ابوطالب نے پڑھایا ہے۔ (زرقانی، دارالکتب العلمیہ بیروت۴/۳۶۵)

(۲) حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ان کے والد نے کرایا ہے(۲۳۸)۔(اسد الغابہ، دالفکر۶/۱۹۰)

---

(۲۳۸):فی اعلام النساء: سودة بنت زمعة بن قیس بن عبد شمس أم المؤمنین من فواضل نساء عصرها کانت قبل أن یتزوجها رسول اللهﷺ تحت ابن عم لها یقال له: السکران بن عمرو. ولما أسلمت وبایعت النبیﷺ أسلم زوجها معها وهاجرا جمیعاً الی الأرض الحبشة. فلما توفی عنها جاء ت خولة بن حکیم الی رسول اللهﷺ فقالت: یارسول الله ألا تزوج؟ فقال: ومن؟ قالت: سودة بنت زمعة قد آمنت بک واتبعتک. فقال النبیﷺ اذکریها علی. فانطلقت خولة الی سودة

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کرایا ہے(۳۳۹)۔(سیرت ابن ہشام۴/۴۹۷)

(۴) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ان کے بھائی ابواحمد بن جحش نے کیا ہے۔(سیرت ابن ہشام۴/۴۹۸)

اس میں راجح یہ ہے کہ ان کا نکاح آسمان میں ہوا، جس کی صراحت قرآن کریم میں موجود ہے۔اللہ تعالیٰ نے:"زوجنکھا" سے ارشاد فرمایا ہے(۳۴۰)۔

وأبوها شيخ قد جلس على الموسم فحيته بتحية الجاهلية. فقال لها: أنعمت صباحاً من أنت؟ فقالت: خولة بن حكيم. فرحب بها. ثم قالت له: ان محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب يذكر سودة ابنة زمعة. فقال: هو كريم. فما تقول صاحبتک؟ فقالت: هی تحب ذلک. فقال لها: قولی له فليأت. فأتى رسول الله ﷺ فتزوجها. (أعلام النساء فی عالمی العرب والاسلام، ج: ٢، ص: ٢٦٧، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۲۳۹):فی السيرة النبوية: عائشة: وتزوج رسول الله ﷺ عائشة بنت أبی بكر الصديقؓ بمكة، وهی بنت سبع سنين، وبنى بها بالمدينة، وهی بنت تسع سنين أو عشر، ولم يتزوج رسول الله ﷺ بكراً غيرها، زوجه اياها أبوها أبوبكر، وأصدقها رسول الله ﷺ أربعمائة درهم. (السيرة النبوية، ذكر أزواجه ﷺ، ج: ٤، ص: ٢٩١، ٢٩٢، ط، دار الكتاب العربی بيروت لبنان)

(۲۴۰):فی السيرة النبوية: زينب بنت جحش بن رئاب الأسدية. زوجه أياها أخوها أبو أحمد بن جحش،وأصدقها رسول الله ﷺ أربعمائة درهم. (السيرة النبوية، ذكر أزواجه ﷺ، ج: ٤، ص: ٢٩٢، ط، دار الكتاب العربی بيروت لبنان)

قال الله تبارک وتعالیٰ: فلما قضٰى زيد منها وطراً زوجنكها لكی لايكون على المؤمنين حرج فی ازواج ادعيآئم اذا قضوا منهن وطرا وكان امر الله مفعولاً. (سورة الأحزاب: ٣٧)

عن عيسى بن طهان قال: سمعت أنس بن مالک رضی الله عنه يقول: نزلت

(۵) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ان کے بیٹے سلمی بن ابوسلمی نے کیا ہے(۲۴۱)۔(ابن ہشام۴/ ۴۹۸)

(۶) حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے(۲۴۲)۔(ابن ہشام۴/ ۴۹۸)

(۷) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح شاہ حبشہ نے کیا ہے(۲۴۳)۔ (زادالمعاد۱/ ۱۱۰)

آية الحجاب في زينب جحش، واطعم عليها يومئذ خبزاً، ولحماً، وكانت تفخر على نساء النبیﷺ، وكانت تقول: ان الله أنكحني في السماء. (صحيح البخاری، كتاب التوحيد، باب ﴿وكان عرشه على الماء﴾ [هود: ۷] ﴿وهو رب العرش العظيم﴾ [التوبة: ۱۲۹]، ص: ۱۵۵٤، رقم: ۷٤۲۱، ط، دار السلام رياض)

(۲۴۱): **في السيرة النبوية: أم سلمةؓ: وتزوج رسول اللهﷺ أم سلمة بنت أبی أمية بن المغيرة المخزومية واسمها هند، زوجه اياها سلمة بن ابی سلمة ابنها.** (السيرة النبوية، ذكر أزواجهﷺ، ج: ٤، ص: ۲۹۲، ط، دار الكتاب العربی بيروت لبنان)

(۲۴۲): **في السيرة النبوية: حفصةؓ: وتزوج رسول اللهﷺ حفصة بن عمر بن الخطابؓ، زوجه اياها أبوها عمر بن الخطابؓ.** (السيرة النبوية، ذكر أزواجهﷺ، ج: ٤، ص: ۲۹۳، ط، دار الكتاب العربی بيروت لبنان)

(۲۴۳): **في السيرة النبوية: أم حبيبة: وتزوج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أم حبيبة، واسمها رملة بنت أبی سفيان بن حرب، زوجه اياها خالد بن سعيد بن العاص، وهما بأرض الحبشة، وأصدقها النجاشی عن رسول اللهﷺ أربعمائة دينار، وهو الذی كان خطبها على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وكانت قبله عند عبيدالله بن جحش الأسدی.** (السيرة النبوية، ذكر أزواجهﷺ، ج: ٤، ص: ۲۹۳، ط، دار الكتاب العربی بيروت لبنان)

(۸) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا مال غنیمت کے طور پر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں گئی تھیں، تو انہوں نے ان سے بدل کتابت کا معاملہ کیا اور آپ ﷺ سے بدل کتابت کے سلسلہ میں مدد طلب کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تم سے اس سے بہتر معاملہ نہ رکھوں؟ پھر ارشاد فرمایا: کہ میں تمہاری بدل کتابت ادا کروں اور تم سے نکاح کرلوں، اس پر انہوں نے رضامندی ظاہر کی، تو یہ معاملہ ہی عقد نکاح کے قائم مقام ہوگیا (۲۴۴)۔(البدایہ والنہایہ، دار الفکر ۴/ ۱۵۹)

(۹) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مال غنیمت میں سے آپ نے مال صفی کے طور پر منتخب فرمالیا تھا اور انسان کی آزادی کو مہر قرار دے کر ان کو اپنے نکاح میں لے لیا اور یہی ان کا نکاح ہوا، کسی تیسرے نے انکا نکاح نہیں کرایا، یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو محسوس بھی نہ ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کو نکاح میں لیا ہے یا باندی بنایا ہے، بعد میں

---

(۲۴۴):في البداية: عن عائشةؓ قالت: لما قسم رسول اللهﷺ سبايا بني المصطلق وقعت جويرية بنت الحارث في السهم لثابت بن قيس ابن شماس أولابن عم له فكاتبته على نفسها، وكانت امرأة حلوة ملاحة لايراها أحد الا أخذت بنفسه فأتت رسول الله ﷺ لتستعينه في كتايتها قالت: فوالله ما هو الا أن رأيتها على باب حجرتي فكرهتها وعرفت أنه سيرى منها ما رأيت. فدخلت عليه فقالت يا رسول اللّٰه أنا جويرية بنت الحارث بن أبي ضرار سيد قومه وقد أصابني من البلاء مالم يخف عليك فوقعت في السهم لثابت ابن قيس بن شماس أولابن عم له فكاتبته على نفسي فجئتك أستعينك على كتابتي. قال: فهل لك في خير من ذلك؟ قالت وما هو يارسول اللّٰه قال أقضي عنك كتابك وأتزوجك. قالت: نعم يارسول الله قد فعلت. قالت: وخرج الخبر الى الناس أن رسول اللهﷺ قد تزوج جويرية بنت الحارث فقال الناس أصهار رسول اللهﷺ فارسلوا ما بأيديهم قالت: فلقد أعتق بتزويجه اياها مائة أهل بيت من بني المصطلق، فما أعلم امرأة أعظم بركة على قومها منها. (البداية والنهاية، ج: ٤، ص: ١٥٩، ط، مكتبة المعارف بيروت بنان)

جب پردہ کا حکم فرمایا تب صحابہ کو نکاح کا علم ہوا(۲۴۵)۔(بخاری شریف، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات القرالخ ،النسخۃ الہندیۃ ۲/ ۶۰۶ ،رقم: ۴۰۶۰، ف: ۴۲۱۳)

(۱۰) حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح قبیصہ ابن عمرو نے کیا ہے(۲۴۶)۔(سیرت ابن ہشام ۴/ ۵۰۰)

---

(۲۴۵):عن محمد بن جعفر بن أبی کثیر: أخبرنی حمید أنه سمع أنساً رضی اللّٰه عنه یقول: بین خیبر والمدینة ثلاث لیال یبنٰی علیه بصفیةؓ، فدعوت المسلمین الی ولیمته وما کان فیها من خبز ولا لحم وما کان فیها الا أن أمر بلالا بالأنطاع فبسطت فألقی علیها التمر والأقط والسمن. فقال المسلمون: احدی أمهات المؤمنین أو ما ملکت یمینه؟ قالوا: ان حجبها فهی احدی أمهات المؤمنین، وان لم یحجبها فهی مما ملکت یمینه ارتحل وطأ لها خلفه ومد الحجاب. (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر، ص: ۸۶۹، رقم: ۴۲۱۳، ط، دار السلام ریاض)

وفی الجامع لاحکام القرآن:خص اللّٰه تعالیٰ رسوله فی أحکام الشریعة بمعان لم یشارکه فیها أحد. فی باب الفرض والتحریم والتحلیل. مزیة علی الأمة وهیبة له، ومرتبة خص بها، ففرضت علیه أشیاء ما فرضت علی غیره، وحرمت علیه أفعال لم تحرم علیهم، وحللت له أشیاء لم تحلل لهم، منها متفق علیه، ومنها مختلف فیه..... وأما ما أحل لهﷺ فجملته ستة عشر:....الحادی عشر: أنه أعتق صفیة وجعل عتقها صداقها. (الجامع لاحکام القرآن، سورة الأحزاب، الآیة: ۵۰، ج: ۱۷، ص: ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

(۲۴۶):فی السیرة النبویة: زینب بن خزیمة: وتزوج رسول اللّٰهﷺ زینب خزیمة بن الحارث بن عبداللّٰه بن عمرو بن عبد مناف بن هلال بن عامر بن صعصعة، وکانت تسمی أم المساکین، لرحمتها ایاهم، ورقتها علیهم، زوجه ایاها قبیصة بن عمرو الهلالی.الخ. (السیرة النبویة، ذکر أزواجه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، ج: ۴، ص: ۲۹۵، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

(۱۱) حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کرایا ہے (۲۴۷)۔ (ابن ہشام، ۴/۵۰۰) (فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۹۴ تا ۹۶، ط، مکتبه اشرفیه دیو بند)



حضرت مریم وآسیہ علیہا السلام کی حضور ﷺ سے جنت میں شادی

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرعون کی بیوی آسیہ اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ محترمہ بی بی مریم علیہا السلام کیا یہ خاتون سرکار مدینہ کی بیوی جنت میں ہوں گی؟ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے، آیا یہ بات کہاں تک ازروئے شرع درست ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

﴿الجواب وبالله التوفيق﴾:

حدیث ضعیف اور بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں حضور ﷺ کی زوجیت میں آپ کی ازواج مطہرات کے علاوہ مریم بنت عمران وکلثوم اخت موسیٰ اور آسیہ فرعون کی بیوی بھی آئیں گی۔

عن أبي أمامة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول لعائشة: أشعرت أن الله عزوجل زوجني في الجنة مريم بنت عمران، وكلثوم أخت موسىٰ، وامرأة فرعون. (المعجم الكبير

---

(۲۴۷): **في السيرة النبوية: ميمونة بنت الحارث: وتزوج رسول الله ﷺ ميمونة بنت الحارث بن حزن بن بجير بن هزم بن رويبة بن عبدالله بن هلال بن عامر بن صعصعة، زوجه اياها العباس بن عبدالمطلب.** (السيرة النبوية، ذكر أزواجه ﷺ، ج: ۴، ص: ۲۹۵، ط، دار الكتاب العربي بيروت لبنان)

للطبرانی، دار احیاء التراث العربی ۸/ ۲۵۸، رقم: ۸۰۰۶، مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیة بیروت ۹/ ۲۱۸)

اس روایت میں ایک راوی خالد بن یوسف ضعیف ہیں۔

وجاء فی بعض الآثار: أن مریم وآسیة زوجا رسول اللہ ﷺ فی الجنة. (روح المعانی، سورة التحریم: ۱۲ جز: ۲۸، مکتبہ زکریا ۱۵/ ۱۶۵، تفسیر ابن کثیر/ ۳۹۰، سورة التحریم)

وأخرج الطبرانی عن سعدبن جنادة، قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ زوجنی فی الجنة بنت عمران، وامرأة فرعون، وأخت موسیٰ. (الدر المنثور، سورة التحریم: ۱۲، دار الکتب العلمیة، بیروت ۶/۳۷۸، المعجم الکبیر للطبرانی، دار الحیاء التراث العربی ۶/۵۲، رقم: ۵۴۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم(فتاوی قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۰۳،۱۰۴، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



حضرت مریم علیہا السلام جنت میں حضور ﷺ کی زوجہ ہونگی

﴿سوال﴾:

حضرت مفتی صاحب! بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امرأۃ فرعون (حضرت آسیہؓ) کو جنت میں حضور ﷺ کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہوگا کیا یہ درست ہے؟ نیز کیا یہ فضیلت حضرت مریمؑ کو بھی حاصل ہوگی جواب بحوالہ عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾:

جس طرح فرعون کی بیوی کو جنت میں حضور ﷺ کی زوجہ بننے کا شرف حاصل ہوگا اسی طرح یہ شرف حضرت مریم کو بھی ملے گا۔

لما فی المعجم الکبیر للطبرانی (۶/۶۴: طبع احیاء التراث الاسلامی)

عن سعد بن جنادة قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ زوجنی فی الجنة مریم بنت عمران وامرأة فرعون وأخت موسی.

ولما فی کنزالعمال للهندی (۱۱/۱۹۱: طبع رحمانیه)

ان اللہ زوجنی فی الجنة مریم بنت عمران وامرأة فرعون وأخت موسی.

ولما فی جمع الجوامع (۱/۱۶۹: اللهیة المصریه العامه للکتاب).

ان اللہ عزوجل زوجنی فی الجنة مریم بنت عمران وامرأة فرعون وأخت موسی طب. (فتاوی عباد الرحمن، ج: ۱، ص: ۱۱۹، ط، ایجوکیشنل پریس کراچی)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولادکرام کی تفصیل

﴿سوال﴾:

۱: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حرمِ پاک کتنے تھے؟ اورنام کیا کیا تھے؟

۲: آپؐ کے لڑکے اورلڑکیاں کتنی تھیں اورنام کیا کیا تھے؟

۳: کن کن حرم پاک سے تھے؟ کیا چھوٹی عمر میں فوت ہوگئے یا کہ شادیاں بھی ہوئیں تھیں؟

﴿الجواب﴾:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں گیارہ عورتیں آئی تھیں۔ جن میں سے دو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ آپ کے رو برو انتقال کر گئیں۔ اور ان کے نام یہ ہیں:

۱: حضرت خدیجہ الکبریٰؓ۔ ۲: حضرت زینب بن خزیمہؓ۔

۳: حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ ۴: حضرت حفصہؓ۔

۵: حضرت امِ سلمہؓ۔ ۶: حضرت زینب بنت جحشؓ۔

۷: حضرت ام حبیبہؓ۔ ۸: حضرت جویریۃؓ۔

۹: حضرت میمونہؓ۔ ۱۰: حضرت صفیہؓ۔

۱۱: حضرت سودہؓ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن (۲۴۸)۔

۲: آپؐ کی مؤنث اولاد چار لڑکیاں تھیں۔ حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت کلثوم، حضرت فاطمۃ الزہرا رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمین۔ اور تین یا چار یا پانچ

(۲۴۸): فی السیرة النبویة: وکان جمیع من تزوج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ثلاث عشرة: خدیجة بنت خویلد.... سودة.... زینب بن جحش..... ام سلمة... حفصة... أم حبیبة... جویریة بنت الحارث... صفیة بنت حیی... میمونة بنت الحارث... زینب بنت خزیمة... فهؤلاء اللاتی بنی بهن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم احدی عشرة، فمات قبله منهن ثنتان: خدیجة بنت خویلد، وزینب بنت خزیمة. و توفی عن تسع قد ذکرنا فی أول هذا الحدیث. (السیرة النبویة لابن هشام، ج: ٤، ص: ٢٩١ تا ٢٩٥، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

لڑکے تھے۔ حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت طیب، حضرت طاہر اور حضرت ابراہیم (۲۴۹)۔ [رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین]

۳: چار اول حضرت خدیجہؓ سے تھے اور حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہؓ سے تھے جو آپ کی لونڈی تھیں۔ اور جو حضرات کہتے ہیں کہ آپ کے چار لڑکے تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کا دوسرا نام طیب تھا۔ الگ لڑکا نہیں تھا۔ اور جو لوگ تین کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ہی کا تیسرا نام طاہر تھا۔ یہ تمام صاحبزادگان بچپن میں فوت ہوگئے تھے۔ تمام صاحبزادیاں جوان ہوئیں اور ان کی شادیاں بھی ہوئیں۔ حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت ابو العاص بن الربیع سے ہوا۔ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا عقد یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے ہوا۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ فقط والسلام۔ (خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ٤٦٢، ٤٦٣، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



(۲۴۹): **فی اسد الغابة: وولد له من الولد بناته كلهن، وأولاده الذكور كلهم من خديجة الا ابراهيم، فأما البنات فزينب ورقية وأم كلثوم وفاطمة. رضى الله تعالىٰ عنهن. وأما الذكور فالقاسم، وبه كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكنى، والطاهر والطيب وقيل: القاسم والطاهر، وعبدالله وهو الطيب، لأنه ولد فى الاسلام، وقيل: القاسم وعبدالله وهو الطاهر والطيب، فمات القاسم بمكة وهو أول من مات من ولده.** (اسد الغابة، ذكر تزوج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ج: ١، ص: ١٢٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفى طبقات الكبير: وولد مارية لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، غلاماً فسماه ابراهيم. (كتاب الطبقات الكبير، ذكر ابراهيم ابن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تسلمياً، ج: ١، ص: ١١٢)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیسے ہوا جبکہ آپ مکہ میں ہی تھیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح عمرۃ القضاء کے سفر میں ہوا تو ان کا نکاح کس نے پڑھایا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیغام نکاح لے کر کس کو بھیجا تھا یہ نکاح حدود حرم سے دس کلومیٹر اور مسجد حرام سے ۱۶ رکلومیٹر کے فاصلہ پر ہوا۔ حضرت میمونہؓ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھیں، بلکہ وہ مکہ ہی میں تھیں، اس وقت انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور مکہ ہی ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا، انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، تو جب وہ مکہ ہی میں تھیں، تو مقام سرف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ان کا نکاح کیسے ہوا؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھایا، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیغام نکاح لیکر حضرت میمونہؓ کے پاس مکہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب کو بھیجا تھا، اور حضرت میمونہؓ نے اپنے نکاح کا معاملہ اپنی بہن ام الفضلؓ کے سپرد کر دیا تھا، پھر ام الفضلؓ نے اپنے شوہر حضرت عباسؓ کو یہ معاملہ نکاح سپرد کر دیا تھا، اس کے بعد حضرت عباسؓ نے مقام سرف تشریف لے کر حضرت میمونہؓ کا نکاح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا تھا، جبکہ حضرت میمونہؓ مکہ ہی میں مقیم تھیں۔

وتزوجها رسول اللّٰہ فی ذی القعدة سنة سبع لما اعتمر عمرة القضاء فيقال: أرسل جعفر بن أبی طالب يخطبها فأذنت للعباس فزوجها منه ويقال ان العباس وصفها

له فقال قد تأيمت من أبى دهم فتزوجها. (الاصابة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٦٣٩)

تزوجها رسول الله [صلى الله تعالىٰ عليه وسلم] بعد زوجها سنة سبع في عمرة القضاء في ذى القعدة فأرسل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جعفر بن أبى طالب اليها فخطبها فجعلت أمرها الى العباس بن عبدالمطلب فزوجها من رسول الله وقيل: بل العباس قال: لرسول الله ان ميمونة بنت الحارث قد تأيمت من أبى دهم بن عبدالعزى هل أن تزوجها؟ فتزوجها رسول الله. (اسد الغابه، دار الفكر ٦/ ٢٧٣)

عن ابن عباس رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ تزوج ميمونة بنت الحارث في سفره ذلك وهو حرام و كان الذى زوجها اياها العباس بن عبدالمطلب، قال ابن هشام: كانت جعلت أمرها الى أختها أم الفضل فجعلت ام الفضل أمرها الى زوجها العباس فزوجها رسول الله وأصدقها عنه أربع مئة درهم. (البداية والنهاية، دار الفكر ٤/ ٧٦، ومثله فى الاستيعاب رقم الترجمة ٣٥٣٣ باب النساء وكناهن ٤/ ٤٦٨) فقط والله تعالىٰ اعلم۔ (فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ٣٦٢، ٣٦٣، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند الهند)



خاتم الانبیاء ﷺ کی شادیوں پر شبہات کی وضاحت

﴿سوال﴾:

ہمارے ایک دوست جو بڑے فنکار ہیں، وہ اکثر دین کی باتوں پر تبصرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اکثر و بیشتر وہ نبی اکرم ﷺ کی شادی کے مسئلے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: میں اس بات پر حیران ہوں کہ اتنی شدید مصروفیات جہاد اور تبلیغ دین کے باوجود ان کے پاس اتنا وقت کیسے تھا کہ وہ اتنی شادیاں کرتے اور عورتوں کے حقوق ادا کرسکتے تھے۔ ان کے تبصرہ کا میں کیا جواب دوں؟ وضاحت فرمائیں، مجھے شدید افسوس ہوتا ہے!

﴿جواب﴾:

یورپ کے مستشرقین نے اپنے تعصب، نادانی اور جہل مرکب کی وجہ سے اسلام کے جن مسائل کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، ان میں ایک آنحضرت ﷺ کے تعدد ازواج کا مسئلہ بھی ہے، جس پر انہوں نے خاصی زہر چکانی کی ہے۔ ہمارا جدید طبقہ مستشرقین سے مرعوب اور احساس کمتری کا شکار ہے، وہ ایسے تمام مسائل میں جن پر مستشرقین کو اعتراض ہے ندامت ومعذرت کا انداز اختیار کرتا ہے، اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مغرب کے سامنے سرخرو ہونے کے لئے ان حقائق کا ہی انکار کردیا جائے، چنانچہ وہ عقلی شبہات کے ذریعہ ان حقائق کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ کے دوست کی گفتگو بھی اسی ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے، وہ بظاہر بڑے معصومانہ انداز میں یہ پوچھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اتنی بیویوں کے حقوق کیسے ادا کرتے تھے؟ لیکن سوال کا منشا اصل واقعہ پر اعتراض ہے۔

بہر حال آپ کے دوست گرامی چند اصولی باتیں ذہن میں رکھیں تو مجھے توقع ہے کہ ان کے خدشات زائل ہوجائیں گے۔

ا:...سب سے پہلے یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ دین کے مسائل کو خوش طبعی اور ہنسی مذاق کا موضوع بنانا نہایت ہی خطرناک مرض ہے۔ آدمی کو شدت کے ساتھ ان سے پرہیز

کرنا چاہئے، خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی (جو اہل ایمان کا مرجع عقیدت ہی نہیں، مدار ایمان بھی ہے)، آپ کے بارے میں لب کشائی تو کسی مسلمان کے لئے کسی طرح بھی روا نہیں۔ قرآن کریم میں ان منافقوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو اپنی نجی محفلوں میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو، قرآن کی آیات شریفہ کو طنز و مذاق کا نشانہ بناتے تھے، جب ان سے باز پرس کی جاتی تو کہہ دیتے: ''اجی! ہم تو بس یونہی دل لگی اور خوش طبعی کی باتیں کر رہے تھے۔'' ان کے اس ''عذر گناہ، بدتر از گناہ'' کے جواب میں ارشاد ہے: ''کیا تم اللہ تعالیٰ سے، اس کی آیات سے اور اس کے ساتھ دل لگی کرتے تھے؟ بہانہ نہ بناؤ، تم نے دعویٰ ایمان کے بعد کفر کیا ہے! (۲۵۰)'' (التوبہ: ۶۵، ۶۶)۔

اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ آیات الٰہیہ کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کو دل لگی اور خوش طبعی کا موضوع بنانا کتنا خطرناک ہے، جسے قرآن کریم کفر قرار دیتا ہے! اس لئے ہر مسلمان سے، جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، میری ملتجیانہ درخواست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول و فعل کو اپنے ظریفانہ تبصروں کو موضوع بنانے سے مکمل پرہیز کریں، ایسا نہ ہو کہ غفلت میں کوئی غیر محتاط لفظ زبان سے نکل جائے اور متاع ایمان برباد ہو کر رہ جائے، **نعوذ باللہ من ذلک!**

۲:... ایک بنیادی غلطی یہ ہے کہ بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند و بالا ہستی کو اپنی سطح پر غور و فکر کرتے ہیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات اپنی ذہنی سطح سے اونچی دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن اسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے اور جن کمالات و خصوصیات سے آپ کو نوازہ ہے وہ ہمارے فہم و ادراک کی حد سے ماورا ہے، وہاں تک کسی جن و ملک کی رسائی ہے، نہ کسی

---

(۲۵۰): **قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ولئن سالتھم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب قل اباللہ وایٰتہٖ ورسولہٖ کنتم تستھزء ون. لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم.** (سورۃ التوبۃ: ٦٥، ٦٦)

نبی مرسل کی، جہاں جبریل امین کے پر جلتے ہوں، وہاں ماوشما کی عقلی تگ ودو کی کیا مجال ہے! آپ کے دوست بھی اسی بنیادی غلطی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات سے ناپتے تو انہیں کوئی حیرت نہ ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اتنی بیویوں کے حقوق کیسے ادا فرماتے تھے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا اپنے اندر اعجاز کا پہلو رکھتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر سے قلیل عرصے میں بتوفیق خداوندی انسانی زندگیوں میں جو انقلاب برپا کیا اور امت کو روحانی ومادّی کمالات کی جس اوجِ ثریا پر پہنچادیا، کیا ساری امت مل کر بھی اس کارنامہ کو انجام دے سکتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی بات ایسی ہے جو اپنے اندر حیرت انگیز اعجاز نہیں رکھتی، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں: ''آپ کا کون سا معاملہ عجیب نہیں تھا'' (۲۵۱)!

۳:...آپ کے دوست کو یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ محض عقلی احتمالات یا حیرت وتعجب کے اظہار سے کسی حقیقت یا واقعے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً: ایک شخص سر کی

---

(۲۵۱): أخرج عبد بن حميد، وابن أبي الدنيا في التفكر، وابن المنذر، وابن حبان في صحيحه وابن مردويه، والأصبهاني في الرغيب، وابن عساكر، عن عطاء قال: قلت لعائشة رضي الله عنها: أخبريني بأعجب ما رأيت من رسول الله صلى الله عليه وسلم. قالت: وأي شأنه لم يكن عجباً! انه أتاني ليلة فدخل معي في لحافي، ثم قال: ذريني أتعبد لربي. فقام فتوضأ، ثم قال يصلي، فبكى حتى سالت دموعه على صدره، ثم ركع فبكى، ثم سجد فبكى، ثم رفع رأسه فبكى، فلم يزل كذلك حتى جاء بلال فآذنه بالصلاة، فقلت: يارسول الله، مايبكيك وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر؟ قال أفلا اكون عبداً شكوراً، ولم لاأفعل وقد أنزل على هذه الليلة: ﴿ان في خلق السماوات والارض واختلاف الّيل والنهار لآيات لأولي الالباب﴾ الى قوله: ﴿سبحانك فقنا عذاب النار﴾. ثم قال: ويل لمن قرأها ولم يتفكر فيها. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة آل عمران، الآية: ۱۹۱، ط، ج: ٤، ص: ۱۸۱)

آنکھوں سے سورج نکلا ہوا دیکھ رہا ہے، اس کے برعکس ایک ”حافظ جی“ محض عقلی احتمالات کے ذریعہ اس کھلی حقیقت کا انکار اور اس پر حیرت وتعجب کر رہا ہے۔ اہل عقل اس ”حافظ جی“ کی عقل وفہم کی داد نہیں دیں گے بلکہ اسے اندھا ہونے کے ساتھ ساتھ ضدی اور ہٹ دھرم بھی قرار دیں گے۔ ٹھیک اسی طرح سمجھئے کہ آنحضرت ﷺ کا ازواج مطہرات کے حقوق نہایت عدل وانصاف کے ساتھ ادا کرنا ایک حقیقت واقعیہ ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آنحضرت ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت آپ کے یہاں نو بیویاں تھیں، ان میں آٹھ کے یہاں باری باری شب باشی فرماتے تھے (حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دے رکھی تھی، اس لئے ان کے یہاں شب باشی نہیں فرماتے تھے) (صحیح بخاری ومسلم، مشکوٰۃ ص:۲۷۹) (۲۵۲)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نہایت عدل وانصاف کے ساتھ ازواج کے حقوق ادا فرماتے تھے اور پھر یہ دعا کرتے تھے: ”یا اللہ! جو بات میرے اختیار میں ہے اس میں تو پورا عدل وانصاف سے برتاؤ کرتا ہوں، اور جو چیز آپ کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں نہیں (یعنی کسی بی بی کی طرف دل کا زیادہ میلان) اس میں مجھے ملامت نہ کیجئے!“ (ترمذی، ابوداؤد، انسائی، ابن ماجہ، داری، مشکوٰۃ ص:۲۷۹) (۲۵۳)۔

---

(۲۵۲): عن ابن عباسؓ ان رسول الله ﷺ قبض عن تسع نسوة وكان يقسم منهن لثمان. متفق عليه.

وعن عائشةؓ ان سودةؓ كما كبرت قالت: يارسول الله! قد جعلت يومي منك لعائشةؓ، فكان رسول الله يقسم لعائشة يومين، يومها ويوم سودة. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب القسم، الفصل الاول، ص: ۲۷۹، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

(۲۵۳): عن عائشةؓ ان النبي ﷺ كان يقسم بين نسائه فيعدل ويقول: اللّٰهم هذا قسمي فيما أملك فلاتلمني فيما تملك ولاأملك. رواه الترمذي وأبو داؤد

اس قسم کی بہت سی احادیث صحابہ کرام اور خود امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں، گویہ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف ازواج مطہرات کے حقوق ادا فرماتے تھے، بلکہ اس میں آپ نے عدل وانصاف کا اعلیٰ ترین معیار قائم کرکے دکھایا، خود ارشاد فرماتے تھے:

''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے بہتر ہوں!'' (ترمذی، داری، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص: ۲۸۱)(۲۵۴)۔

اب اس ثابت شدہ حقیقت پر حیرت وتعجب کا اظہار کرنا اور اس سے انکار کی کوشش کرنا اس پرو ہی ''حافظ جی'' کی مثال صادق آتی ہے جو آنکھیں بند کرکے محض عقلی احتمالات کے ذریعہ طلوع آفتاب کی نفی کی کوشش کررہا ہے۔

۴:... اور اگر آپ کے دوست کو اس بات کا شبہ ہے کہ امت کے لئے چار تک شادیوں کی اجازت ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چار سے زائد شادیاں کیسے جائز تھیں؟ تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے خصوصی احکام دیئے تھے، جن کو اہل علم کی اصطلاح میں ''خصائص نبوی'' کہا جاتا ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے ''الخصائص الکبریٰ'' میں، حافظ ابو نعیمؒ نے ''دلائل النبوۃ'' میں اور علامہ قسطلانیؒ

والنسائی وابن ماجة والدارمی. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب القسم، الفصل الثاني، ص: ۲۷۹، ط، قديمي كتب خانه كراچي)

(۲۵۴):**وعنها (أي عائشةؓ) قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي. رواه الترمذي والدارمي ورواه ابن ماجة عن ابن عباسؓ.**

(مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء، الفصل الثاني، ص: ۲۸۱، ط، قديمي كتب خانه كراچي)

نے ''مواہب لدنیہ'' میں ان ''خصائص'' کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا ہے(۲۵۵)۔نکاح کے معاملے میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد خصوصیات تھیں جن کو سورۂ احزاب کے چھٹے

(۲۵۵):فی الجامع لاحکام القرآن:خص اللّٰہ تعالیٰ رسوله فی أحکام الشریعة بمعان لم یشارکه فیها أحد. فی باب القرض والتحریم والتحلیل. مزیة علی الأمة وهیبة له، ومرتبة خص بها، ففرضت علیه أشیاء ما فرضت علی غیره، وحرمت علیه أفعال لم تحرم علیهم، وحللت له أشیاء لم تحلل لهم، منها متفق علیه، ومنها مختلف فیه.

فاما ما فرض علیه فتسعة: الأول التهجد باللیل، یقال: ان قیام اللیل کان واجبا علیه الی أن مات، لقوله تعالی: ﴿یایها المزمل. قم الّیل﴾ الآیة [المزمل: ۱،۲]. والمنصوص أنه کان واجباً علیه ثم نسخ بقوله تعالی: ﴿ومن الّیل فتهجد به نافلة لک﴾ [الاسراء: ۷۹] وسیأتی: الثانی: الضحی. الثالث: الأضحی. الرابع: الوتر، وهو یدخل فی قسم التهجد. الخامس: السواک. السادس: قضاء دین من مات معسرا. السابع: مشاورة ذوی الأحلام فی غیر الشرائع.الثامن: تخییر النساء.التاسع: اذا عمل عملاً أثبته. زاد غیره: وکان یجب علیه اذا رأی منکراً أنکره وأظهره، لأن اقراره لغیره علی ذلک یدل علی جوازه، ذکر صاحب البیان.

وأما ما حرم علیه فجملته عشرة: الأول: تحریم الزکاة علیه وعلی آله. الثانی صدقة التطوع علیه، وفی آله تفصیل باختلاف. الثالث: خائنة الأعین، وهو أن یظهر خلاف ما یضمر، أو ینخدع عما یجب. وقد ذم بعض الکفار عند اذنه، ثم ألان له القول عند دخوله. الرابع: حرم علیه اذا لیس لأمته أن یخلعها عنه، أو یحکم اللّٰہ بینه وبین محاربه. الخامس: الأکل متکئاً. السادس: أکل الأطعمة الکریهة الزائحة. السابع: التبدل بأزواجه، وسیأتی. الثامن نکاح امراة تکره صحبته. التاسع نکاح الحرة الکابیة. العاشر: نکاح الأمة.

وحرم اللّٰہ علیه أشیاء لم یحرمها علی غیره تنزیهاً له وتطهیراً. فحرم علیه الکتابة وقول الشعر وتعلیمه، تأکیداً لحجته وبیاناً لمعجزته، قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وما

رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے لئے چار سے زائد شادیوں کی اجازت تھی۔

ایک یہ کہ آپ ﷺ کے لئے اپنے پدری و مادری خاندان کی خواتین میں سے صرف اس سے نکاح کرنا جائز تھا جنھوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کی ہو، آپ ﷺ کے خاندان کی جن عورتوں نے ہجرت نہیں کی تھی ان سے آپ ﷺ کا نکاح

كنت تتلوا من قبله من كتاب ولايخطه بيمينك﴾ [العنكبوت: ۴۸]. وذكر النقاش أن النبي ﷺ ما مات حتى كتب، والأول هو المشهور. وحرم عليه أن يمد عينيه الى ما متع به الناس، قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتمدن عينيك الى ما متعنا به أزواجاً منهم﴾ الآية [طه: ۱۳۱].

وأما ما أحل له ﷺ فجملته ستة عشر: الأول صفى المغنم. الثاني: الاستبداد بخمس الخمس أو الخمس. الثالث: الوصال. الزابع: الزيادة على أربع نسوة. الخامس: النكاح بلفظ الهبة. السادس: النكاح بغير ولى. السابع: النكاح بغير صداق. الشامن: نكاحه فى حالة الاحرام. التاسع: سقوط القسم بين الأزواج عنه، وسيأتى. العاشر: اذا وقع بصره على امرأة وحب على زوجها طلاقها، وحل له نكاجها، قال ابن العربى: هكذا قال امام الحرمين، وقد مضى ما للعلماء فى قصة زيد من هذ المعنى. الحادى عشر: أنه أعتق صفية وجعل عتقها صداقها. الثانى عشر: دخوله مكة بغير احرام. وفى حقنا فيه اختلاف. الثالث عشر: القتال بمكة. الرابع عشر: أنه لايورث. وانما ذكر هذا فى قسم التحليل لأن الرجل اذا قارب الموت بالمرض زال عنه أكثر ملكه، ولم يبق له الا الثلث خالصاً وبقى ملك رسول الله ﷺ بعد موته، على ما تقرر بيانه فى آية المواريث، وفى سورة مريم بيانه أيضاً. الخامس عشر: بقاء زوجيته من بعد الموت. السادس عشر: اذا طلق امرأة تبقى حرمته عليها فلاتنكح. (الجامع لاحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ۵۰، ج: ۱۷، ص: ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

جائز نہیں تھا۔ ایک خصوصیت یہ تھی کہ اگر کوئی خاتون مہر کے بغیر آپ کے عقد میں آنے کی پیشکش کرے اور آپ اس کو قبول فرمالیں تو بغیر مہر کے آپ کا عقد صحیح تھا(۲۵۶)، جبکہ امت کے لئے نکاح میں مہر کا ہونا ضروری ہے۔ اگر زوجین نے یہ شرط کر لی ہو کہ مہر نہیں ہوگا، تب بھی "مہر مثل" لازم آئے گا۔

---

(۲۵۶):قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: یأیها النبی انا أحللنا لک أزواجک التی اٰتیت اجورهن وماملکت یمینک مما آفاء اللّٰه علیک وبنٰت عمک وبنٰت عمٰتک وبنٰت خالک وبنٰت خٰلٰتک التی هاجرن معک وامراة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبی ان اراد النبی ان یستنکحها خالصة لک من دون المؤمنین قد علمنا ما فرضنا علیهم فی ازواجهم وما ملکت ایمانهم لکیلا یکون علیک حرج وکان اللّٰه غفورا رحیما. (سورة الاحزاب: ۵۰)

وفی تفسیر ابن کثیر: قال الشافعی: وقد دلت سنة رسول اللّٰهﷺ المبینة عن اللّٰه أنه لایجوز لأحد غیر رسول اللّٰهﷺ أن یجمع بین أکثر من أربع نسوة.

وهذا الذی قاله الشافعی رحمه اللّٰه، مجمع علیه بین العلماء، الا ما حکی عن طائفة من الشیعة أنه یجوز الجمع بین أکثر من أربع الی تسع. وقال بعضهم: بلاحصر. وقد یتمسک بعضهم بفعل النبیﷺ فی جمعه بین أکثر من أربع الی تسع کما ثبت فی الصحیحین، وأما احدی عشرة کما جاء فی بعض ألفاظ البخاری. وقد علقه البخاری، وقد روینا عن أنسؓ رسول اللّٰهﷺ تزوج بخمس عشرة امراة، ودخل منهن بثلاث عشر، واجتمع عنده احدی عشرة ومات عن تسع. وهذا عند العلماء من خصائص رسول اللّٰهﷺ دون غیره من الأمة. (تفسیر ابن کثیر، سورة النساء، الآیة: ۳، ج: ۲، ص: ۲۰۹، ط، دار طیبة)

وفی الجامع لاحکام القرآن: اعلم أن هذه العدد: مثنی وثلاث، ورباع، لایدل علی اباحة تسع، کما قاله من بعد فهمه للکتاب والسنة...وأما ما أبیح من ذلک للنبیﷺ، فذلک من خصوصیاته، علی ما یأتی بیانه فی الاحزاب. (الجامع لاحکام القرآن، سورة النساء: ۳، ج: ۶، ص: ۳۳، ۳۴، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ بیویوں کے درمیان برابری کرنا آپ کے ذمہ ضروری نہیں تھا (اس کے باوجود آپ ازواج مطہراتؓ کے درمیان برابری اور عدل وانصاف کی پوری رعایت فرماتے تھے، جیسا کہ اوپر عرض کرچکا ہوں)(۲۵۷)۔

وفی الدرالمنثور: وأخرج ابن المنذر عن الشعبی فی الآیة قال: رخص له فی بنات عمه، وبنات عماته، وبنات خاله، وبنات خالاته، اللاتی هاجرن معه، أن یتزوج منهن، ولایتزوج من غیرهن، ورخص له فی امرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبی ﷺ. (الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة الأحزاب، الآیة: ۵۰، ج: ۱۲، ص: ۸٤)

وفی الجامع لاحکام القرآن: لایحل لک منهن الا من هاجر الی المدینة، لقوله تعالی: ﴿والذین اٰمنوا ولم یهاجروا مالکم من ولٰیتهم من شیء حتیٰ یهاجروا﴾ [الانفال: ۷۲] ومن لم یهاجر لم یکمل، ومن یکمل لم یصلح للنبی ﷺ الذی کمل وشرف وعظم ﷺ. (الجامع لأحکام القرآن، سورة الأحزاب، الآیة: ۵۰، ج: ۱۷، ص: ۱۸۱، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

وفی الدرالمنثور: وأخرج عبدالرزاق، وعبد بن حمید وعن ابن شهاب قال: لایحل لرجل أن یهب ابنته بغیر صداق، قد جعل اللّٰه ذلک للنبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم خاصة دون المؤمنین. (الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة الأحزاب، الآیة: ۵۰، ج: ۱۲، ص: ۸۸)

وفی التفسیر المأمون: قال قتادة: لیس لامرأة أن تهب نفسها بغیر أمر ولی ولا مهر، الا للنبی، کانت له خالصة من دون الناس. (التفسیر المأمون، سورة الأحزاب، الآیة: ۵۰، ج: ٦، ص: ۱۹۵)

(۲۵۷):قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ترجی من تشآء منهن وتؤیٓ الیک من تشآء ومن ابتغیت ممن عزلت فلاجناح علیک ذٰلک ادنیٰ ان تقر اعینهن ولایحزن ویرضین بمآ اٰتیتهن کلهن واللّٰه یعلم ما فی قلوبکم وکان اللّٰه علیما حلیما. (سورة الاحزاب: ۵۱)

وفی الجامع لأحکام القرآن: واختلف العلماء فی تأویل هذه الآیة، وأصح ما

جبکہ امت کے وہ افراد جن کے عقد میں دو یا زیادہ بیویاں ہوں، ان کے ذمہ بیویوں کے درمیان برابری رکھنا فرض ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

''جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل اور برابری نہ کرے وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو مفلوج ہوگا۔'' (ترمذی، ابوداؤد، انسائی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ ص:۲۷۹) (۲۵۸)۔

الغرض! نکاح کے معاملے میں بھی آپ ﷺ کی بہت سے خصوصیات تھیں، اور بیک وقت چار سے زائد بیویوں کا جمع کرنا بھی آپ کی انہی خصوصیات میں شامل ہے، جس

قيل فيها: التوسعة على النبي ﷺ في ترك القسم، فكان لايجب عليه القسم بين زوجاته. وهذه القول هو الذي يناسب ما مضى، وهو الذي ثبت معناه في الصحيح عن عائشة رضي الله عنها، قالت: كنت أغار على اللائي وهبن أنفسهن لرسول الله ﷺ وأقول: أوتهب المرأة نفسها لرجل؟ فلما أنزل الله عزوجل: ﴿ترجي من تشاء منهن وتؤي اليك من تشآء ومن ابتغيت ممن عزلت﴾ قالت: قلت: والله ما أرى ربك الا يسارع في هواك. قال ابن العربي: هذا الذي ثبت في الصحيح هو الذي ينبغي أن يعول عليه. والمعنى المراد: هو أن النبي ﷺ كان مخيراً في أزواجه، ان شاء أن يقسم قسم، وان شاء أن يترك القسم ترك. فخص النبي ﷺ بأن جعل الأمر اليه فيه، لكنه كان يقسم من قبل نفسه دون فرض ذلك عليه، تطييباً لنفوسهن، وصونا لهن عن أقوال الغيرة التي ترقى الى ما لاينبغي. (الجامع لاحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ۵۱، ج: ۱۷، ص: ۱۹۰، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۲۵۸):عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال اذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط رواه الترمذي وأبوداؤد والنسائي وابن ماجة والدارمي. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب القسم، الفصل الثاني، ص: ۲۷۹، ط، قديمي كتب خانه كراچی)

کی تصریح خود قرآن مجید میں موجود ہے۔

حافظ سیوطیؒ ''خصائص کبریٰ'' میں لکھتے ہیں کہ: شریعت میں غلام کو صرف دو شادیوں کی اجازت ہے، اور اس کے مقابلے میں آزاد آدمی کو چار شادیوں کی اجازت ہے، جب آزاد کو بمقابلہ غلام کے زیادہ شادیوں کی اجازت ہے، تو پھر آنحضرت ﷺ کو عام افراد امت سے زیادہ شادیوں کی کیوں اجازت نہ ہوتی (۲۵۹)؟

متعدد انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہوئے ہیں جن کی چار سے زیادہ شادیاں تھیں، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی سو بیویاں تھیں (۲۶۰)، اور صحیح بخاری (ج:ا ص:۳۹۵) میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو یا ننانوے بیویاں تھیں۔ بعض روایات میں کم و بیش تعداد آئی ہے۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے ان روایات میں تطبیق کی ہے اور وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے یہاں تین سو بیویاں اور سات سو کنیزیں تھیں۔ (فتح الباری ج:۶ ص:۴۶۰) (۲۶۱)۔

---

(۲۵۹):فی الخصائص الکبری: قال العلماء: لما کان الحر لفضله علی العبد یستبیح من النسوة أکثر مما یستبیحه العبد وجب أن یکون النبی ﷺ لفضله علی جمیع الأمة یستبیح من النساء أکثر ما تستبیحه الأمة. (الخصائص الکبری، باب اختصاصه ﷺ بنکاح أکثر من أربع نسوة وهو اجماع، ج: ۳، ص: ۲۹۸، ط، دار الکتب الحدیثة)

(۲۶۰):فی البدایة:ما أتی اللّٰه سلیمان ابن داود کانت له الف امرأة سبعمائة مهریة وثلثمائة سریة وکانت لداود علیه السلام مائة امرأة. (البدایة والنهایة، ج: ۲، ص: ۱۵، ط، مکتبة المعارف بیروت لبنان)

وفی روح المعانی: ذکر أنه کان لسلیمان علیه السلام ثلثمائة امرأة مهریة وسبعمائة وأنه کان لداوٗد علیه السلام مائة امرأة. (روح المعانی، سورة الرعد، الآیة: ۳۸، ج: ۱۳، ص: ۱۶۸، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۲۶۱):عن عبدالرحمٰن بن هرمز قال: سمعت أبا هریرة رضی اللّٰه عنه، عن

بائبل میں اس کے برعکس ذکر کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو کنیزیں تھیں (سلاطین، ۱۱۔۳) ظاہر ہے کہ یہ حضرات ان تمام بیویوں کے حقوق ادا کرتے ہوں گے، اس لئے آنحضرت ﷺ کا نو ازواج مطہراتؓ کے حقوق ادا کرنا ذرا بھی محل تعجب نہیں!

رسول اللہ ﷺ قال: سلیمان بن داؤد علیهما السلام: لأطوفن الليلة على مائة امرأة أو تسع وتسعين، كلهن يأتي بفارس يجاهد في سبيل الله. فقال له صاحبه: قل: ان شاء الله، فلم يقل: ان شاء الله، فلم تحمل منهن الا امرأة جاء ت بشق رجل. والذى نفس محمد بيده لو قال: ان شاء الله، لجاهدوا في سبيل الله فرساناً أجمعون.

(صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسير، باب من طلب الولد للجهاد، ص: ۵۷۳، رقم: ۲۸۱۹، ط، دار السلام رياض)

عن الأعرج عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: قال سليمان بن داؤد: لأطوفن الليلة على سبعين امراة تحمل كل امرأة فارساً يجاهد في سبيل الله. فقال له صاحبه: ان شاء الله. فلم يقل، فلم تحمل شيئاً الا واحداً ساقطاً أحد شقيه. فقال النبي ﷺ: لو قالها لجاهدوا في سبيل الله. قال شعيب وابن أبي الزناد: تسعين، وهو أصح. وفي الفتح تحت هذا الحديث: قوله (على سبعين امرأة) كذا هنا من رواية مغيرة، وفي رواية شعيب كما سيأتي في الأيمان والنذور "فقال تسعين" وقد ذكر المصنف ذلك عقب هذا الحديث ورجح تسعين بتقديم المثناة على سبعين وذكر أن ابن أبي الزناد رواه كذلك. قلت: وقد رواه سفيان بن عيينة عن أبي الزناد فقال: "سبعين" وسيأتي في كفارة الأيمان من طريقه. ولكن رواه مسلم عن ابن أبي عمر عن سفيان فقال "سبعين" بتقديم السين، وكذا هو في مسند الحميدى، عن سفيان، وكذا أخرجه مسلم من رواية ورقاء عن أبي الزناد، وأخرجه الاسماعيلى والنسائي وابن حبان من طريق هشام بن عروة عن أبي الزناد قال "مائة امرأة" وكذا قال طاؤس عن أبي هريرةؓ كما سيأتي في الايمان والنذور، من رواية معمر، وكذا قال أحمد عن عبدالرزاق من رواية هشام بن حجير عن طاؤس "تسعين" و سيأتي

۵:...آنحضرت ﷺ کی خصوصیات کے بارے میں یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت عطا کی گئی تھی، اور ہر جنتی کو سو آدمیوں کی طاقت عطا کی جائے گی۔ اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چار ہزار مردوں کی طاقت تھی۔ (فتح الباری ج:۱ ص: ۳۷۸)(۲۶۲)۔

فی كفارة الأيمان، ورواه مسلم عن عبد بن حميد عن عبدالرزاق فقال "سبعين" و سيأتي في التوحيد من رواية أيوب عن ابن سيرين عن أبي هريرةؓ "كان لسليمان ستون امرأة" ورواه أحمد وأبو عوانة من طريق هشام عن ابن سيرين فقال "مائة امرأة وكذا قال عمران بن خالد عن ابن سيرين عند ابن مردويه، وتقدم في الجهاد من طريق جعفر بن ربيعة عن الأعرج فقال "مائة امرأة أو تسع وتسعون على الشك فمحصل الروايات ستون وسبعون وتسعون وتسع وتسعون ومائة، والجمع بينها أن الستين كن حرائر وما زاد عليهن كن سراري أو بالعكس، وأما السبعون فللمبالغة، وأما التسعون والمائة فكن دون المائة وفوق التسعين فمن قال تسعون ألغى الكسر ومن قال مائة جبره ومن ثم وقع التردد في رواية جعفر، وأما قول بعض الشراح: ليس في ذكر القليل نفي الكثير وهو من مفهوم العدد وليس بحجة عند الجمهور فليس بكاف في هذا المقام، وذلك أن مفهوم العدد معتبر عند كثيرين. والله أعلم. وقد حكى وهب بن منبه في المبتداء أنه كان لسليمان ألف امرأة ثلاثمائة مهرة وسبعمائة سرية، ونحوه مما أخرج الحاكم في المستدرك من طريق أبي معشر عن محمد بن كعب قال: بلغنا أنه كان لسليمان ألف بيت من قوارير على الخشب فيها ثلثمائة صريحة وسبعمائة سرية. (فتح الباري بشرح صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب قوله عزوجل: ﴿ووهبنا لداؤد سليمان نعم العبد انه أواب﴾، ج: ٦، ص: ٥٣١، رقم: ٣٤٢٤)

(۲۶۲):عن أنس بن مالكؓ قال: كان النبي ﷺ يدور على نسائه في الساعة الواحدة من الليل والنهار وهن احدى عشرة. قلت لأنس: أو كان يطيقه؟ قال كنا

جب امت کے ہر مریل سے مریل آدمی کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے جن میں چار ہزار مردوں کی طاقت ودیعت کی گئی تھی، کم از کم سولہ ہزار شادیوں کی اجازت ہونی چاہئے تھی.....!

۶:...اس مسئلہ پر ایک دوسرے پہلو سے بھی غور کرنا چاہئے، ایک داعی اپنی دعوت مردوں کے حلقے میں بلاتکلیف پھیلا سکتا ہے لیکن خواتین کے حلقے میں براہ راست دعوت نہیں پھیلا سکتا، حق تعالیٰ شانہ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ ہر شخص کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، جو جدید اصطلاح میں اس کی ''پرائیوٹ سیکریٹری'' کا کام دے سکیں اور خواتین کے حلقے میں اس کی دعوت کو پھیلا سکیں۔ جب ایک امتی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے یہ انتظام فرمایا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو قیامت تک تمام انسانیت کے نبی اور ہادی و مرشد تھے، قیامت تک پوری انسانیت کی سعادت جن کے قدموں سے وابستہ کردی گئی تھی، اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت و رحمت سے امت کی خواتین کی اصلاح و تربیت کے لئے خصوصی انتظام فرمایا ہو تو اس پر ذرا بھی تعجب نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ حکمت و ہدایت

نتحدث أنه أعطي قوة ثلاثين. وقال سعيد عن قتادة أن انساً حدثهم: تسع نسوة. وفي الفتح تحت هذا الحديث: قوله: (أوكان) بفتح الواو هو مقول قتادة والهمزة للاستفهام ومميز ثلاثين محذوف أي ثلاثين رجلاً، ووقع في رواية الاسماعيلي من طريق أبي موسى عن معاذ بن هشام "أربعين" بدل ثلاثين، وهي شاذة من هذا الوجه، لكن في مراسيل طاوس مثل ذلك، وزاد "في الجماع"، وفي صفة الجنة لأبي نعيم من طريق مجاهد مثله وزاد "من رجال أهل الجنة"، ومن حديث عبدالله بن عمر ورفعه "أعطيت قوة أربعين في البطش والجماع" وعند أحمد والنسائي وصححه الحاكم من حديث زيد بن أرقم رفعه "ان الرجل من أهل الجنة ليعطى قوة مائة في الأكل والشرب والجماع والشهوة" فعلى هذا يكون حساب قوة نبينا أربعة آلاف.

(فتح الباري، كتاب الغسل، باب اذا جامع ثم عاد۔ ومن دار على نسائه في غسل واحد، ج: ۱، ص: ۴۴۹)

کا یہی تقاضا تھا۔

۷:...اسی کے ساتھ یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی خلوت وجلوت کی پوری زندگی کتاب ہدایت تھی، آپ کی جلوت کے افعال واقوال کو نقل کرنے والے ہزاروں صحابہ کرامؓ موجود تھے، لیکن آپ کی خلوت وتنہائی کے حالات امہات المؤمنینؓ کے سوا اور کون نقل کرسکتا تھا؟ حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے ان خفی اور پوشیدہ گوشوں کو نقل کرنے کے لئے متعدد ازواج مطہرات کا انتظام فرمادیا، جن کی بدولت سیرت طیبہ کے خفی سے خفی گوشے بھی امت کے سامنے آگئے، اور آپ ﷺ کی خلوت وجلوت کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب بن گئی جس کو ہر شخص، ہر وقت ملاحظہ کرسکتا ہے۔

۸:....اگر غور کیا جائے تو کثرت ازواج اس لحاظ سے بھی معجزۂ نبوت ہے کہ مختلف مزاج اور مختلف قبائل کی متعدد خواتین آپ ﷺ کی نجی سے نجی زندگی کا شب وروز مشاہدہ کرتی ہیں، اور وہ بیک زبان آپ کے تقدس وطہارت، آپ کی خشیت وتقویٰ، آپ کے خلوص وللّٰہیت اور آپ کے پیغمبرانی اخلاق واعمال کی شہادت دیتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ آپ ﷺ کی نجی زندگی میں کوئی معمولی سا جھول اور کوئی ذرا سی بھی کجی ہوتی تو اتنی کثیر تعداد ازواج مطہراتؓ کی موجودگی میں وہ کبھی بھی مخفی نہیں رہ سکتی تھی۔ آپ ﷺ کی نجی زندگی کی پاکیزگی کی یہ ایسی شہادت ہے خود دلیل صداقت اور معجزۂ نبوت ہے۔ یہاں بطور نمونہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جس سے نجی زندگی میں آنحضرت ﷺ کے تقدس وطہارت اور پاکیزگی کا کچھ اندازہ ہوسکے گا۔ وہ فرماتی ہیں: ''میں نے کبھی آنحضرت ﷺ کا ستر نہیں دیکھا، اور نہ آنحضرت ﷺ نے کبھی میرا ستر دیکھا (۲۶۳)۔'' کیا دنیا میں کوئی بیوی اپنے شوہر کے بارے میں یہ شہادت دے سکتی ہے

---

(۲۶۳):عن عائشةؓ قال ما نظرت أو ما رأيت فرج رسول الله ﷺ قط قال ابوبكر قال أبو نعيم عن مولاة لعائشة.قال البوصيري: هذا اسناد ضعيف لجهالة تابعيه. رواه ابن ماجة في كتاب الطهارة بهذا الاسناد وقد تقدم. ورواه ابن أبي شيبة

کہ مدۃ العمر انہوں نے ایک دوسرے کا ستر نہیں دیکھا؟ اور کیا اس اعلیٰ ترین اخلاق اور شرم وحیا کا نبی کی ذات کے سوا کوئی نمونہ مل سکتا ہے؟ کہ آنحضرت ﷺ کی نجی کے ان ''خفی محاسن'' کو ازواج مطہرات کے سوا کون نقل کرسکتا تھا....؟ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱،ص:۱۷۹ تا ۱۸۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی/ خیر الفتاوی، ج:۱،ص:۱۴۱، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کے ارادے کی حکمت

﴿سوال﴾:

ایک آدمی اپنی بیوی کو اس لئے طلاق دے دے کہ وہ بوڑھی ہوگئی اور اس کے قابل نہیں رہی، اس بات کو کوئی بھی بنظر استحسان نہیں دیکھتا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ

فی مسنده هكذا. ورواه الترمذی فی الشمائل عن محمود بن غیلان، عن وكیع، به. ورواه الحاكم من طریق عبدالرحمٰن بن مهدی عن سفیان فذكره باسناده ومتنه سواء. ورواه البیهقی فی الكبری عن الحاكم بالسند. ورواه الطبرانی فی المعجم الصغیر عن أحمد بن زكریا شاذان، عن بركة بن محمد الحلبی، عن یوسف بن أسباط، عن سفیان الثوری، عن محمد بن جحادة، عن قتادة، عن أنسؓ، عن عائشة قالت: مارأیت عورة رسول الله ﷺ قط.

قال الطبرانی: تفرد به بركة بن محمد.

قال الدارقطنی: بركة بن محمد كذاب یضع الحدیث، وقال الحاكم: یروی أحادیث موضوعة.

وقال ابن عدی: سائر أحادیثه باطلة. (مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجة ومعه كفایة الحاجة، كتاب النكاح، باب التستر عند الجماع، ص: ۷۵۸، رقم: ۱۹۲۲، ط، بیت الأفكار الدولیة السعودیة)

السلام نے حضرت سودہؓ کو ان کے بڑھاپے کی وجہ سے طلاق دینا چاہی، پھر جب حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تو آپ نے طلاق کا ارادہ بدل لیا۔ یہ بات حضور ﷺ کی ذات اقدس سے بعید معلوم ہوتی ہے اور مخالفوں کے اس اعتراض کو کہ نعوذ باللہ! تعدّد ازواج کی غرض شہوت رانی تھی، تقویت ملتی ہے، حالانکہ حضور ﷺ کو یتیموں اور بیواؤں کا ملجا و ماوی قرار دیا جاتا ہے۔

﴿جواب﴾:

عرب میں طلاق معیوب نہیں سمجھی جاتی، جتنی کہ ہمارے ماحول میں اس کو قیامت سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کے بارے میں "تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْ اِلَیْکَ مَنْ تَشَاءُ" (۲۶۴) فرما کر آپ کو رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دے دیا گیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی کی علیحدگی کا فیصلہ کر لینا کسی طرح بھی محل اعتراض نہیں۔ اور ازدواجی زندگی صرف شہوت رانی کے لئے نہیں ہوتی، موانست اور موالفت اس کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ بہت ممکن ہے کسی وقت کسی بی بی سے موانست نہ رہے اور طلاق کا فیصلہ کر لیا جائے اور حضرت عائشہؓ کو اپنی باری دے دینا اور اپنے تمام حقوق سے دستبردار ہو جانا حضرت امّ المؤمنین سودہؓ کا وہ ایثار تھا (۲۶۵) جس پر آنحضرت ﷺ نے فیصلہ تبدیل فرمالیا، اس سے زیادہ گفتگو کرتا لیکن یہاں اشارہ کافی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱، ص:۱۹۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



---

(۲۶۴):(سورة الاحزاب: ۵۱)

(۲۶۵):وعن عائشةؓ ان سودةؓ كما كبرت قالت: يارسول الله! قد جعلت يومي منك لعائشةؓ، فكان رسول الله يقسم لعائشة يومين، يومها ويوم سودة. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب القسم، الفصل الاول، ص: ۲۷۹، ط، قديمي كتب خانه كراچي)

آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کے چچے کتنے تھے؟

﴿سوال﴾:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کتنے تھے اور ان کے نام کیا تھے؟ اور ان میں کون کون اسلام لائے تھے؟

﴿الجواب﴾:

بمطابق ابن ہشام وابنِ سعد، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نو چچے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو طالب اسمہ عبد مناف، زبیر، حارث، حجل، المقوم، ضرار، ابولہب اسمہ عبدالعزی (۲٦٦)۔ [سیرت ابن ہشام، ص: ٦١]

زادالمعاد اور ابن سعد نے حجل کی بجائے غیداق کو ذکر کیا ہے۔ [طبقات الکبریٰ، ج: ١، ص: ٨٨]

حجل اور غیداق ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ١، ص: ٤٦٦، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



---

(۲٦٦): فی العقد الثمین: أما أعمامه: فهم: حمزة والعباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما: أسلما والحارث وأبو طالب والزبیر، وعبدالکعبة، والمقوم، ویقال: هما واحد، وحجل واسمه: المغیرة والفیدان، ویقال: هما واحد وقثم، ومن أسقطه، وضرار، وأبو لهب، واسمه: عبدالعزی، وکنی بذلک لجماله، وصار فی الآخرة لماله. (العقد الثمین فی تاریخ البلد الأمین، فصل فی أعمامه وعماته صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، ج: ١، ص: ٤١٥، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کی پھوپھیاں کتنی تھیں؟

﴿سوال﴾:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھیاں کتنی تھیں اور ان میں سے کون سی اسلام لائیں۔ان کا نام کیا تھا؟

﴿الجواب﴾:

چھ تھیں۔۱: صفیہ،۲: اروی،۳: عاتکہ،۴: ام حکیم البیضاء،۵: برّہ،۶: امیمہ ان میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایمان لائیں۔اور کہا جاتا ہے اروی اور عاتکہ بھی ایمان لائیں اور ہجرتِ مدینہ کی (۲٦۷)۔[سیرت ابن ہشام،ص:٦١] واللہ تعالیٰ اعلم۔(خیر الفتاوی،ج:۱،ص:۴٦۵،۴٦٦،ط،مکتبہ امدادیہ ملتان)



آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد کے عرب مستعربہ میں سے ہونے کی تحقیق

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سجانہ کے بارے میں آنحضور کا تسلی بخش جواب دست یاب ہوا کافی خوشی ہوئی ایک اور بات دریافت طلب یہ ہے کہ تقریر حاوی ص:۱۵ پر لکھا ہے کہ قحطان عرب عاربہ اور عدنان عرب مستعربہ میں سے

(۲٦۷):في العقد الثمين:أما أعمامه... وعماته صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: صفية وعاتكه، وأروى: أسلمن. وفي ذلک خلاف الا صفية وأميمة، وبرة، وأم حكيم البيضاء. (العقد الثمين في تاريخ البلد الأمين، فصل في أعمامه وعماته صلى اللّٰه تعالیٰ عيه وسلم، ج: ١، ص: ٤١٥، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

ہیں اور جامع اللغات ص: ۵۲۲، اردو میں لکھا ہے کہ قحطان نوح علیہ السلام کے پڑپوتے کا نام ہے اور عدنان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ایک فصیح و بلیغ شخص کا نام ہے، [ص: ۳۷۳] دریافت طلب بات یہ ہے کہ عدنان جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں تو انہیں عرب عاربہ یعنی پیدائشی عرب ہونے چاہئے اور قحطان پڑپوتے نوح علیہ السلام کو عرب مستعربہ میں سے یعنی باہر سے آکر مقیم ہونے والوں میں سے ہونے چاہئے، براہ کرم مع حوالہ تسلی بخش جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

نیز ایک کتاب عالمی تاریخ کے صفحہ/۲۲ پر ہے کہ عدنان اکیسویں پشت پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔

نوٹ: سابق خط سے متعدد استاذوں کو تسلی ہوئی۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

تقریر حاوی اور جامع اللغات دونوں میں صحیح لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد عرب مستعربہ ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اصلی عربی نہیں ہیں بلکہ باہر سے تشریف لائے تھے اس لئے قبیلہ عدنان عرب مستعربہ ہیں، اور قحطان حضرت نوح علیہ السلام کا پڑپوتا ہے، سب سے پہلے طوفان نوح علیہ السلام کے بعد عرب کی آبادی اولاد قحطان سے ہوئی ہے اس لئے قبیلہ قحطان عرب العرباء ہوا ہے تو کوئی اشکال کی بات نہیں اب دونوں کو کمال فصاحت وبلاغت کے لئے بولتے ہیں۔ [شیخ زادہ ۱/۵] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیہ، ج:۲، ص: ۳۴۹، ۳۵۰، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)



حضور ﷺ کے پیشاب، خون اور دیگر فضلات کا حکم

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
حضور ﷺ کا پیشاب پاک تھا ناپاک؟ اہل سنت والجماعت کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب دین پوریؒ کی کتاب ''خطبات دین پوری'' (ناشر مکتبہ نعیمہ دیوبند) میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرات ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یہ پیشاب پھینک دو، ام ایمن رضی اللہ عنہا نے پیشاب پھینکا نہیں؛ بلکہ پی لیا۔ حضور ﷺ کے پوچھنے پر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں نے پیشاب پھینکا نہیں بلکہ پی لیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر نہ پیتی تو اچھا تھا۔ اور اگر تو نے پی لیا تو جب تک زندہ رہے گی، تیرے پیٹ میں کوئی بیماری نہیں ہوگی، تو حضور ﷺ کے پیشاب کے پاک ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کس حدیث میں ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

حضور ﷺ کا پیشاب خون اور دیگر تمام فضلات پاک ہیں، یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ اور جمہور امت کا مسلک ہے۔ ام ایمن جو آپ ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھیں، انہوں نے آپ ﷺ کا پیشاب پی لیا تھا، پینے کے بعد آپ ﷺ سے ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اب تمہیں کبھی پیٹ میں درد لاحق نہ ہوگا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، دارلکتب العلمیۃ بیروت ۸/ ۳۰۷، مجمع الزوائد، دارلکتب العلمیۃ بیروت ۸/ ۲۷۱، اسد الغابہ، دارالفکر ۶/ ۳۰۳، مدارج النبوۃ ۱/ ۵۱، حیاۃ الصحابہ ۲/ ۵۸۱)

عن أم أيمن رضی الله عنها قالت: قام النبی ﷺ من الليل الی فخارة من جانب البيت، فبال فيها، فقمت من الليل وأنا عطشى، فشربت من فی الفخارة، وأنا لا أشعر، فلما

أصبح النبی ﷺ قال: یا أم أیمن! قومی الی تلک الفخارة؟ فاهریقی ما فیها، قلت: قد واللّٰه شربت ما فیها، قال: فضحک رسول اللّٰه ﷺ حتی بدت نواجذه، ثم قال: أما انک لا یفجع بطنک بعده أبدا. (المستدرك، کتاب معرفة الصحابة، مکتبه نزار مصطفی الباز ۷/ ۲۴۷۰، رقم: ۶۹۱۲)

لہٰذا سوال نامہ میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ صحیح ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پچھنے کا خون پی لیا تھا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، نیز ایسے ہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد کے دن آپ ﷺ کے زخموں کے خون کو اپنے منہ سے چوس کر زبان سے صاف کیا تھا، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص خواہش رکھتا ہے کہ وہ کسی جنتی شخص کو دیکھے تو وہ انہیں دیکھ لے۔ (مجمع الزوائد، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۸/ ۲۷۱، مدارج النبوۃ ۱/ ۵۱، حیاۃ الصحابہ ۲/ ۵۸۱)

اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کا پیشاب، خون اور دیگر تمام فضلات حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرات جمہور امت کے نزدیک پاک ہیں۔

فأبوحنیفةؒ.... وهو یقول: بطهارة بوله وسائر فضلاته. (عمدة القاری، کتاب الطهارة، باب فضل وضوء الناس، مکتبه دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۹، زکریا ۲/ ۵۴۳)

صحح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله ﷺ وسائر فضلاته، وبه قال أبوحنيفة. (شامی، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب فی طهارة بوله ﷺ کراچی ۱/ ۲۱۸، زکریا ۱/ ۵۲۲) فقط واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم (فتاوی قاسمیه، ج:

۲، ص: ۱۲۷ تا ۱۲۹، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ كفاية المفتی، ج: ۱، ص: ۹۰، ۹۱، ط، دار الاشاعت کراچی/فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۲۹ تا ۲۳۱، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند/حبیب الفتاوی، ج: ۷، ص: ۵۱، ط، مکتبہ طیبہ دیوبند یوپی الهند/ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۲۸۵، ط، مکتبة الحسن لاهور/خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۳۲۸، ۳۲۹، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان/فتاوی فریدیہ، ج: ۱، ص: ٤٦٣، ٤٦٤/محمود الفتاوی، ج: ۲، ص: ۱۲۵، ۱۲٦، ط، مکتبہ محمودیہ محمود نگر گجرات الهند/نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲٤۲، ۲٤۳)



انبیاء کرامؑ کے فضلات کی پاکی کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

ہماری مسجد میں گزشتہ جمعہ میں ایک خطیب صاحب نے اپنے وعظ میں یہ فرمایا تھا کہ: ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک برتن میں پیشاب کرکے ایک صحابی کو دیا کہ اس کو باہر پھینک آؤ، ان صحابی نے باہر جاکر حضور ﷺ سے بے پناہ محبت کے جذبے میں وہ پیشاب پی لیا، اس کے بعد تمام زندگی ان کے جسم سے خوشبو آتی رہی۔ اس کے بعد خطیب صاحب نے فرمایا: چونکہ حضور ﷺ کا بول و براز پاک تھا، اس میں عام انسانوں کی طرح ناپاکی یا بدبو نہ تھی، لہٰذا صحابی کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

خطیب صاحب کے اس بیان پر مسجد میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، اکثر لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ واقعہ سند سے خالی ہے ایسے خطیب کی امامت جائز نہیں جو خلاف سند واقعات بیان کرکے غیر مسلموں کو اسلام پر تنقید کا موقع دے۔ لوگوں کے اعتراضات

مندرجہ ذیل تھے:

ا:...ایسا کوئی واقعہ مستند کتب میں نہیں ملتا۔

۲:....اگر ایسا ہوا بھی تو حضور ﷺ میں بشریت کی کوئی خصوصیت نہ تھی اور وہ مکمل نوری تھے۔

۳:...اگر حضور ﷺ نے صحابی کو پیشاب پھینکنے کا حکم دیا تھا تو صحابی کے لئے حکم زیادہ اہمیت رکھتا تھا یا محبت کے جذبات؟

۴:...دوسرے مذاہب کے لوگوں پر پیشاب پینے کا اعتراض کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ وہ بھی عقیدہ رکھتے ہوں کہ ان کے اوتاروں میں بھی ایسے ہی کچھ صفات تھے، وغیرہ وغیرہ۔

مولانا صاحب! آپ اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالنا گوارا کریں گے، تاکہ لوگوں کو تسلی ہوسکے۔ کیونکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام فطرت کے مطابق ہے، اور پیشاب والا معاملہ انسان کی نظر میں خلافِ فطرت ہے۔ ہم اپنے مذہب کی اشاعت میں غیر مسلموں کو کیسے قائل کرسکتے ہیں؟

﴿جواب﴾:

لوگوں کے چار اعتراض جو آپ نے نقل کئے ہیں، ان میں پہلا اعتراض اصل ہے، یعنی یہ کہ یہ واقعہ مستند ہے یا نہیں؟ دوسرے سوالات سب اس کی فرع ہیں، کیونکہ اگر کوئی واقعہ ہی ایسا نہ ہو تو پھر یہ سوالات متوجہ نہیں ہوتے۔

اس واقعے کو تسلیم کرنے کے بعد مسلمانوں کے ذہن میں سوالات کا پیدا ہونا ضعف ایمان، ضعف محبت اور ضعف علم کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ محبت میں سوالات پیدا نہیں ہوا کرتے، اور اگر صحیح علم ہوتا تو یہ توجیہ کرسکتے تھے کہ ممکن ہے یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہو کہ آپ کے فضلات کا نجس نہ ہونا عام انسانوں سے آپ کی امتیازی خصوصیت کی دلیل ہے۔ یہ دوسرے سوال کی توجیہ ہوسکتی تھی۔

تیسرے سوال کی توجیہ یہ ہوسکتی تھی کہ کبھی کبھی جذبۂ محبت غالب آجاتا ہے، اور آدمی اس میں معذور سمجھا جاتا ہے، جیسے صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا تھا کہ: ''محمد رسول اللہ'' کے لفظ کو مٹادو! انہوں نے عرض کردیا کہ: میں آپ کے نام پاک نہیں مٹاسکتا! یہ بات انہوں نے حکم صریح کے مقابلے میں غلبۂ محبت کی وجہ سے فرمائی تھی، اس لئے اس پر ان کو کوئی عتاب نہیں فرمایا گیا۔

چوتھے سوال کی یہ توجیہ ہوسکتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پیشاب نوشی کا حکم فرمایا، نہ اس کا قانون بنایا، البتہ ایک مغلوب المحبت کو معذور سمجھا، اب عام لوگوں کے پیشاب پینے کا جواز اس سے کیسے نکل آیا؟

الغرض ضرورت اس بات کی تھی کہ پہلے یہ معلوم کیا جاتا کہ یہ واقعہ ہے بھی یا نہیں؟ پھر یہ معلوم کیا جاتا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کا بھی وہی حکم ہے جو ہم ایسے ناپاک لوگوں کے بول و براز کا ہے؟ یا اس سلسلے میں آپ کی کچھ خصوصیات بھی ہیں؟ اس بارے میں علمائے ربانی کی تحقیق کیا ہے؟ اور امام ابوحنیفہؒ شافعیؒ اور ان کے اکابر متبعین کیا فرماتے ہیں؟ پھر یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ ایک حکم سب کے لئے یکساں ہوتا ہے؟ یا بعض اوقات موقع ومحل کی خصوصیت سے حکم مختلف بھی ہوسکتا ہے؟

جن مولانا صاحب نے ناواقف اور بے سمجھ عوام کے سامنے بغیر تشریح کے یہ واقعہ بیان کردیا، انہوں نے بھی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا، اور جنہوں نے یہ واقعہ سنتے ہی اعتراضات کی بوچھاڑ کردی اور مسئلے کی نوعیت معلوم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، انہوں نے بھی کچھ فہم ودانش کا ثبوت نہیں دیا، واللہ اعلم!

سائل کا دوسرا خط:

محترم! میرے مکتوب کا جواب تو موصول ہوگیا لیکن نامکمل سا ظاہر ہو رہا ہے۔ اصل سوال کا جواب اپنی جگہ قائم ہے۔ یعنی جو واقعہ محترم خطیب صاحب نے بیان کیا تھا، اس کا حوالہ کسی مستند راوی یا کتاب کا درکار تھا۔ میں نے چند معترضین کو آپ کا جواب دکھایا تو وہی

سوال کیا گیا کہ اس کتاب اور مصنف کا نام بتایا جائے جس میں اس کا ذکر کیا گیا ہے، بلکہ ایک صاحب نے تو یہ بھی فرمایا کہ: ایک مرتبہ کسی جلسے میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نے بھی اس واقعے کا ذکر کیا تھا، لیکن جب ان سے اس کی سند مانگی گئی تو وہ بھی نہ دے سکے، بلکہ سند مانگنے والے پر ایمان کی کمزوری کا فتویٰ صادر کر کے لعنت و ملامت کرنے لگے، جیسا کہ آپ نے اپنے جواب میں فرمایا، یعنی: ''اس واقعے کو تسلیم کرنے کے بعد مسلمانوں کے ذہن میں سوالات کا پیدا ہونا ضعفِ ایمان، ضعفِ محبت اور ضعفِ علم کی وجہ سے ہے''۔

اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ جو عالم یا خطیب کوئی بھی واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے بغیر کسی حوالے کے بیان کر دے، اس کو صدقِ دل سے تسلیم کر لیا جائے، ایمان کا فتویٰ لگ جائے گا۔ اس طرح تو کچھ علماء... جن کو ہم علماءِ سوء کہہ سکتے ہیں.... بہت سے اپنے مطلب کے واقعات بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کر سکتے ہیں اور آپ اس کو بھی تسلیم کریں گے کہ علماءِ سوء.... جو بظاہر عالم ہی ہوتے ہیں... کو عام آدمی شناخت نہیں کر سکتا، اس کی پکڑ تو اسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ واقعات کے ساتھ حوالہ بھی دے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور بشر میں افضل تر ہیں، ان کے ساتھ خصوصیات بھی تسلیم کرنا ایمان کا تقاضا ہے، لیکن اس کا کیا جائے کہ آج کا دور مادّیت اور سائنس کا دور ہے، عوام کی اکثریت خاص طور پر مغربی افکار سے متاثر ہے، ان کو مطمئن کرنے کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکے کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہئے، لہٰذا اگر مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دے سکیں تو لوگوں کی تسلی ہو سکتی ہے:

۱:...اس واقعے کا ذکر جس کتاب میں ہے اس کا اور اس کے مصنف کا نام۔

۲:....صحابی مذکور کے عمل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات۔

۳:....دوسرے صحابہ کرامؓ پر واقعے کے اثرات... جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز نہ صرف پاک ہیں بلکہ خوشبو کے حامل ہیں... اور یہ بھی معلوم ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز سے اپنی جانوں سے زیادہ محبت کرتے تھے، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے لعاب دہن اور وضو کے پانی کو بھی اپنے چہروں پر مل لیا کرتے تھے۔“

﴿جواب﴾:

میری گزشتہ تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اوّل تو معلوم کیا جائے کہ یہ واقعہ کسی مستند کتاب میں موجود ہے یا نہیں؟ دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے بارے میں اہل علم واکابر ائمہ دین کی تحقیق کیا ہے؟ ان دو باتوں کی تحقیق کے بعد جو شبہات پیش آسکتے ہیں، ان کی توجیہ ہوسکتی ہے۔ اب ان دونوں نکتوں کی وضاحت کرتا ہوں۔

امرِ اوّل:.... یہ ہے کہ یہ واقعہ کسی مستند کتاب میں ہے یا نہیں؟ حافظ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب ”خصائص کبریٰ“ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات جمع کی گئی ہیں۔ اس کی دوسری جلد کے صفحہ:۲۵۲ کا فوٹو آپ کو بھیج رہا ہوں، جس کا عنوان ہے: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیات کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بول و براز پاک تھا“، اس عنوان کے تحت انہوں نے احادیث نقل کی ہیں، ان میں سے دو احادیث.... جن کو میں نے نشان زد کردیا ہے.... کو مع ترجمہ نقل کرتا ہوں:

۱:....”واخرج ابو یعلی والحاکم والدار قطبی والطبرانی وابو نعیم عن ام ایمن قالت قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل الی فخارة فبال فیھا، فقمت من اللیل وانا عطشانة فشربت ما فیھا، فلما اصبح اخبرته، فضحک وقال: اما انک لا یتجعن بطنک ابدا! ولفظ ابی یعلی : انک لن تشتکی بطنک بعد یومک ھذا ابدا!“

ترجمہ:...”ابویعلی، حاکم، دارقطنی، طبرانی اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے سند کے ساتھ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات کے وقت مٹی کے پکے ہوئے ایک برتن میں پیشاب کیا، پس میں رات کو اٹھی، مجھے پیاس تھی، میں نے وہ

پیالہ پی لیا۔ صبح ہوئی تو میں نے آپ ﷺ کو بتایا، پس آنحضرت ﷺ مسکرائے اور فرمایا: تجھے پیٹ کی تکلیف کبھی نہ ہوگی! اور ابو یعلیٰ کی روایت میں ہے کہ: آج کے بعد تم پیٹ کی تکلیف کی شکایت نہ کروگی!''

۲:...''**واخرج الطبرانی والبیھقی بسند صحیح عن حکیمة بنت امیمة عن امھا قالت: کان للنبی ﷺ قدح من عیدان، یبول فیه، ویضعه تحت سریره، فقام فطلبه فلم یجده، فسال عنه، فقال: این القدح؟ قالوا: شربته برة خادمة ام سلمة التی قدمت معھا من ارض الحبشة. فقال النبی ﷺ لقد احتظرت من النار بحظار!!''.**

ترجمہ:...''طبرانی اور بیہقی نے بہ سند صحیح حکیمہ بنت امیمہ سے اور انہوں نے اپنی والدہ حضرت امیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ: آنحضرت ﷺ کے یہاں لکڑی کا ایک پیالہ رکھا رہتا تھا، جس میں شب کو گاہ و بے گاہ پیشاب کرلیا کرتے تھے، اور اسے اپنی چارپائی کے نیچے رکھ دیتے تھے، آپ ایک مرتبہ (صبح) اٹھے، اس کو تلاش کیا تو وہاں نہیں ملا، اس کے بارے میں دریافت فرمایا، تو بتایا گیا کہ اس کو برہ نامی حضرت ام سلمہؓ کی خادمہ نے نوش کرلیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اس نے آگ سے بچاؤ کے لئے حصار بنالیا۔''

یہ دونوں روایتیں مستند ہیں، اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی تخریج کی ہے، اور اکابر امت نے ان واقعات کو بلانکیر نقل کیا ہے، اور انہیں خصائص نبوی میں شمار کیا ہے۔

امر دوم:...آنحضرت ﷺ کے فضلات کے بارے میں اکابر امت کی تحقیق:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''فتح الباری'' **باب الماء الذی یغسل به شعر**

الانسان (ج:اص:۲۷۲مطبوعہ لاہور) میں لکھتے ہیں:

”وقد تكاثرت الأدلة على طهارة فضلاته، وعد الأئمة ذالك من خصائصه، فلا يلتفت الى ما وقع فى كتب كثير من الشافعية مما يخالف ذالك، فقد استقر الأمر بين ائمتهم على القول بالطهارة.“

ترجمہ:...” آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے پاک ہونے کے دلائل حد کثرت کو پہنچے ہوئے ہیں، اور ائمہ نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔ پس بہت سے شافعیہ کی کتابوں میں جو اس کے خلاف پایا جاتا ہے، وہ لائق التفات نہیں، کیونکہ ان کے ائمہ کے درمیان طہارت کے قول ہی پر معاملہ آن ٹھہرا ہے۔“

ا:... حافظ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری (ج:۲ص:۳۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت کو دلائل سے ثابت کیا ہے، اور شافعیہ میں سے جو لوگ اس کے خلاف کے قائل ہیں ان پر بلیغ ردّ کیا ہے(۲۶۸)، اور ج:۲

(۲۶۸):في عمدة القاري: وذكر القاضي حسين في العذرة وجهين، وأنكر بعضهم على الغزالي حكايتهما فيها، وزعم نجاستها بالاتفاق، قلت: يا للغزالي من هفوات حتى في تعلقات النبي عليه الصلاة والسلام، وقد وردت أحاديث كثيرة أن جماعة شربوا دم النبي عليه الصلاة السلام، منهم أبو طيبة الحجام، غلام من قريش حجم النبي عليه الصلاة والسلام، عبدالله بن الزبير شرب دم النبي عليه الصلاة والسلام، رواه البزار والطبراني والحاكم والبيهقي وأبو نعيم في الحلية. ويروى عن علي رضي الله عنه، أنه شرب دم النبي عليه الصلاة والسلام، وروى أيضاً أن أم أيمن شربت بول النبي صلى الله عليه وسلم، رواه الحاكم والدارقطني والطبراني وأبونعيم. (عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الانسان، ج: ٣، ص: ٥٢، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

صفحہ:۹۷ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بول اور باقی فضلات کی طہارت کا قول نقل کیا ہے۔

۲:...امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مہذب (ج:۱ ص:۲۳۳) میں بول اور دیگر فضلات کے بارے میں شافعیہ کے دونوں قول نقل کرکے طہارت کے قول کو مرجحہ قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”حدیث شرب المراۃ البول صحیح، رواہ الدار قطنی، وقال: ہو حدیث صحیح وہو کان فی الاحتجاج لکل الفضلات قیاسا“.

ترجمہ:...”عورت کے پیشاب کا واقعہ صحیح ہے، امام دارقطنی نے اس کو روایت کرکے صحیح کہا ہے، اور یہ حدیث تمام فضلات کی طہارت کے استدلال کے لئے کافی ہے“۔

۳:...علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

”صحح بعض ائمۃ الشافعیۃ طہارۃ بولہ صلی اللہ علیہ وسلم وسائر فضلاتہ، وبہ قال ابوحنیفۃ کما نقلہ فی المواہب اللدنیۃ عن شرح البخاری للعینی.“ (ردالمحتار، ج:۱ ص:۳۱۸ مطبوعہ کراچی)

ترجمہ:...”بعض ائمہ شافعیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول اور باقی فضلات کی طہارت کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں، جیسا کہ مواہب لدنیہ میں علامہ عینیؒ کی شرح بخاری سے نقل کیا ہے“۔

۴:...ملّا علی قاری جمع الوسائل شرح الشمائل (ج:۲ ص:۲ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ) میں اس پر طویل کلام کے بعد لکھتے ہیں:

”قال ابن حجر: وبہذا استدل جمع من ائمتنا

المتقدمین وغیرهم علی طهارة فضلاته ﷺ، وهو المختار، وفاقاً لجمع من المتأخرین، فقد تکاثرت الأدلة علیه، وعده الأئمة من خصائصه ﷺ".

ترجمہ:... ''ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہمارے ائمہ متقدمین کی ایک جماعت اور دیگر حضرات نے احادیث سے آنحضرت ﷺ کے فضلات کی طہارت پر استدلال کیا ہے، متأخرین کی جماعت کی موافقت میں بھی یہی مختار ہے، کیونکہ اس پر دلائل بکثرت ہیں اور ائمہ نے اس کو آنحضرت ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے''۔

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

"ثم مسألة طهارة فضلات الأنبیاء توجد فی کتب المذاهب الأربعة". (فیض الباری ج:۱ ص:۲۵۰)

ترجمہ:... ''فضلات انبیاء کی طہارت کا مسئلہ مذاہب اربعہ کی کتابوں میں موجود ہے''۔

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں:

" وقد صرح اهل المذاهب الأربعة بطهارة فضلات الأنبیاء.... الخ". (معارف السنن ج:۱ ص:۹۸)

ترجمہ:... '' مذاہب اربعہ کے حضرات نے فضلات انبیاء کے پاک ہونے کی تصریح کی ہے۔''

الحمد للہ! ان دونوں نکتوں کی وضاحت تو بقدر ضرورت ہوچکی۔ یہ واقعہ مستند ہے اور مذاہب اربعہ کے ائمہ فقہاء نے ان احادیث کو تسلیم کرتے ہوئے فضلات انبیاء علیہم السلام کی طہارت کا قول نقل کیا ہے۔ اس کے بعد اگر اعتراض کیا جائے تو اس کو ضعف ایمان ہی کہا جاسکتا ہے!

اب ایک نکتہ محض تبرعاً لکھتا ہوں، جس سے یہ مسئلہ قریب الفہم ہو جائے گا۔ حق تعالیٰ شانہ کے اپنی مخلوق میں عجائبات ہیں، جن کا ادراک بھی ہم لوگوں کے لئے مشکل ہے، اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے بعض اجسام میں ایسی محیر العقول خصوصیات رکھی ہیں جو وہ دوسرے اجسام میں نہیں پائی جاتیں۔ وہ ایک کیڑے کے لعاب سے ریشم پیدا کرتا ہے، شہد کی مکھی کے فضلات سے شہد جیسی نعمت ایجاد کرتا ہے، اور پہاڑی بکرے کے خون کو نافہ میں جمع کر کے مشک بنا دیتا ہے۔ اگر اس نے اپنی قدرت سے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام مقدسہ میں بھی ایسی خصوصیات رکھی ہوں کہ غذا ان کے ابدانِ طیبہ میں تحلیل ہونے کے بعد بھی نجس نہ ہو، بلکہ اس سے جو فضلات ان کے ابدان میں پیدا ہوں وہ پاک ہوں تو کچھ جائے تعجب نہیں۔ اہل جنت کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ کھانے پینے کے بعد ان کو بول و براز کی ضرورت نہ ہوگی، خوشبودار ڈکار سے سب کا کھایا پیا ہضم ہو جائے گا (۲۶۹)، اور بدن کے فضلات خوشبودار پسینے میں تحلیل ہو جائیں گے۔ جو خصوصیت کہ اہل جنت کے اجسام کو وہاں حاصل ہوگی، اگر حق تعالیٰ شانہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے پاک اجسام کو وہ خاصیت دنیا ہی میں عطا کر دیں تو بجا ہے، پھر جبکہ احادیث میں اس کے دلائل بکثرت موجود ہیں، جیسا کہ اوپر حافظ ابن حجرؒ کے کلام میں گزر چکا ہے، تو انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو اپنے اوپر قیاس کر کے ان کا انکار کر دینا، یا ان کے تسلیم کرنے میں تأمل کرنا صحیح نہیں، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا

---

(۲۶۹):عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان أهل الجنة يأكلون فيها ويشربون ولايتفلون ولايبولون ولايتغوطون ولايمتخطون، قالوا: فما بال الطعام؟ قال: جشاء ورشح كرشح المسك يلهمون التسبيح والتحميد كما تلهمون النفس. رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، باب صفة الجنة وأهلها، الفصل الأول، ص: ٤٩٦، ط، قديمي كتب خانه كراچی)

واں خورد گردد ہمہ نور خدا

آخر میں حضرات علمائے کرام اور خطبائے عظام سے بھی گزارش کرتا ہوں کہ عوام کے سامنے ایسے امور نہ بیان کریں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں، وللّٰہ الحمد اولاً واٰخراً۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱،ص:۱۷۱تا۱۷۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



عالم بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کا حکم

﴿سوال﴾:

کیا عالم بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ممکن ہے اگر ممکن ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

﴿الجواب﴾:

جی ہاں عالم بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ممکن ہے، چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "تنویر الحلک فی امکان رؤیة النبی والملک" میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس کو ثابت کیا ہے نیز روایات کے ساتھ واقعات بھی تحریر فرمائے ہیں۔

مختصر ذکر کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو:

أخرج البخاری، ومسلم، وأبوداؤد عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ "من رآنی فی المنام فسيرانی فی اليقظة ولايتمثل الشيطان بی" واخرج الطبرانی مثله من حديث مالک بن عبدالله الخثعمی ومن حديث أبی بكرة، وأخرج الدارمی مثله من حيث أبی قتادة الأنصاریؓ.

قال العلماء: اختلفوا فی معنی قوله: ”فسيرانی فی اليقظة“ فقيل معناه فسيرانی فی القيامة، وتعقب بأنه لا فائدة فی هذا التخصيص لأن كل أمته يرونه يوم القيامة من رآه منهم ومن لم يره، وقيل المراد من آمن به فی حياته ولم ير لكونه حينئذ غائباً عنه فيكون مبشراً له أنه لابد أن يراه فی اليقظة قبل موته، وقال قوم: هو على ظاهره فمن رآه فی النوم فلا بد أن يراه فی اليقظة يعنی بعينی رأسه. وقيل بعين فی قلبه حكاهما القاضی أبوبكر بن العربی وقال الامام أبو محمد بن أبی جمرة فی تعليقه على الأحاديث التی انتقاها من البخاری: هذا الحديث يدل على أنه من رآه فی النوم فسيراه فی اليقظة، وهل هذا على عمومه فی حياته وبعد مماته أو هذا كان فی حياته؟ وهل ذلک لكل من رآه مطلقا أو خاص بمن فيه الأهلية والاتباع لسنته عليه؟ اللفظ يعطی العموم ومن يدعی الخصوص فيه بغير مخصص منه صلی اللّٰه تعالى عليه وسلم فمتعسف، قال: وقد وقع من بعض الناس عدم التصديق بعمومه وقال: على ما أعطاه عقله وكيف يكون من قدمات يراه الحی فی عالم الشاهد؟ قال: وفی هذا القول من المحذور وجهان خطران: أحدهما: عدم التصديق لقول الصادق ﷺ الذی لاينطق عن الهویٰ والثانی: الجهل بقدرة القادر وتعجيزها كانه لم يسمع فی سورة البقرة قصة البقرة وكيف قال اللّٰه تعالیٰ ﴿ اضربوه ببعضها كذلک يحيی اللّٰه الموتی﴾ و قصة ابراهيم فی الأربع من الطير،.... وقد ذكر

عن بعض السلف والخلف وهلم جراً عن جماعة ممن كانوا رأوه ﷺ فی النوم وكانوا ممن يصدقون بهذا الحديث فرأوه بعد ذلک فی اليقظة وسألنوه عن أشياء كانو منها متشوشين فأخبرهم بتفريجها ونص لهم على الوجوه التی منها يكون فرجها فجاء الأمر كذلک بلا زياده ولانقص....

وقال القاضی أبوبكر بن العربی أحد أئمة المالكية فی كتاب قانون التأويل: ذهبت الصوفية الی أنه اذا حصل للانسان طهارة النفس فی تزكية القلب وقطع العلائق وحسم مواد أسباب الدنيا من الجاه والمال والخلطة بالجنس والاقبال علی اللّٰه تعالیٰ بالكلية علماً دائماً وعملاً مستمراً كشفت له القلوب ورأى الملائكة وسمع أقوالهم واطلع على أرواح الأنبياء وسمع كلامهم ثم قال ابن العربی من عنده: ورؤية الأنبياء والملائكة وسماع كلامهم ممكن للمؤمنين كرامةً وللكافر عقوبةً انتهیٰ. (الحاوی للفتاوی: ۲/ ۳۱۰، فاروقی کتب خانہ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم بیداری میں آپ ﷺ کی زیارت نہ صرف ممکن ہے بلکہ روایات وواقعات سے ثابت ہے نیز حدیث ”من رأنی فی المنام فسير انی فی اليقظة“ کو علماء نے ظاہر پر چھوڑا ہے اور مذکورہ واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

مزید کے لئے ملاحظہ ہو: تنوير الحلک فی امكان رؤية النبی والملک“ ص ۳۰۷ تا ۳۲۴۔ والفتاوی الحديثية لابن حجر الهيتمی المكی، ص ۲۱۲۔۲۱۳، هل تمكن روية النبی صلی اللّٰه تعالی عليه وسلم فی اليقظة، دارلكفر۔ واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔(فتاوی دار العلوم زکریا، ج: ۱، ص:

۷۹تا ۸۱، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



عالم بیداری کی زیارت پر ایک شبہ کا ازالہ

﴿سوال﴾:

اگر رسول اللہ ﷺ کی رؤیت حالت یقظہ میں ہوسکتی ہے تو پھر بریلوی لوگ جو آپ ﷺ کے لئے کرسی خالی رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اس پر تشریف لاتے ہیں تو ہمارے اکابر اس کی تردید کیوں کرتے ہیں؟

﴿الجواب﴾:

وہ لوگ آپ ﷺ کی تشریف آوری کا دعویٰ بغیر کسی دلیل کے کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کو کوئی نہیں دیکھتا اور وہ خواہ مخواہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ ان کا کہنا "من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار" (رواہ البخاری: ۱/ ۲۱) میں داخل ہے۔

اور ہم ان اکابر کی بات کو تسلیم کرتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی زیارت کی تھی۔ یہ زیارت یا روح کے متشکل ہونے کے یا روح مبارک جسد مثالی میں آجاتی ہے۔ اس قسم کے بہت سارے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ عالم بیداری میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ملاحظہ ہو:

> **قد ذکر ابن العماد فی شذرات الذهب (۳۲۱) عند ابتدائه فی طلب العلم، فقال: وحکی بعض الأفاضل أن سعد الدین کان فی ابتداء طلبه للعلم بعید الفهم جداً ولم یکن فی جماعة العضد أبلد منه ومع ذلک فکان کثیر الاجتهاد لکنه لم یؤیسه جمود فهمه من الطلب وکان العضد یضرب به**

المثل بين جماعته في البلادة، فاتفق أن أتاه في خلوته رجل لايعرفه له: قم يا سعد الدين لنذهب الى السير فقال: ما للسير خلقت أنا لا أفهم شيئاً مع المطالعة فكيف اذا ذهبت الى السير ولم أطالع فذهب وعاد وقال له: قم بنا الى السير فأجابه بالجواب الأول ولم يذهب معه، فذهب الرجل وعاد وقال له مثل ما قال أولاً فقال: مارأيت أبلد منک ألم أقل لک ما للسير خلقت، فقال له: رسول الله ﷺ يدعوک فقام منزعجاً ولم ينتعل بل خرج حافياً حتى وصل به الى مكان خارج البلديه شجيرات فرأى النبي ﷺ في نفر من أصحابه تحت تلک الشجيرات فتبسم له وقال له: نرسل اليک المرة بعد المرة ولم تأت فقال: يارسول الله ما علمت أنک المرسل وأنت أعلم بما اعتذرت به من سوء فهمي وقلة حفظي وأشكو اليک ذلک، فقال له رسول الله ﷺ. افتح فمک وتفل له فيه ودعا له ثم أمره بالعود الى منزله وبشره بالفتح فعاد وقد تضلع علماً ونوراً... (شذرات الذهب في اخبار من ذهب: ٦/ ٣٢٠، دارالکتب العلمية).

نیز ہمارے اکابرؒ نے بعض بزرگوں کی زیارت حالت یقظہ کی تھی۔ مثلاً شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا: شاہ عبدالرحیم صاحب دہلویؒ طالب علمی کے زمانہ میں اکبرآباد میں میرزاہدؒ سے منطق وفلسفہ اور معقولات وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز سبق پڑھ کر آرہے تھے اور ایک لمبے کوچے سے گذرتے ہوئے شیخ سعدیؒ کے اشعار پڑھتے جارہے تھے:

جز یاد دوست ہرچہ کئی عمر ضائع است
جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئی لوح دل از نقش غیر حق

علمے کہ رہ بہ حق نہ نماید جہالت است

پہلے تین مصرعے تو پڑھ لئے مگر چوتھا مصرعہ یاد نہیں آرہا تھا، اچانک ایک بزرگ سفید سامنے آئے اور چوتھا مصرعہ پڑھا:

علمے کہ رہ بہ حق نہ نماید جہالت است۔

اس سے بہت خوشی ہوئی، ان کا شکریہ ادا کیا اور پان کی ڈبیا پیش کی۔ انہوں نے کہا یہ اجرت ہے؟ کہا نہیں شکریہ کے طور پر پیش کرتا ہوں، فرمایا ہم نہیں کھاتے۔ پوچھا کیا ناجائز ہے؟ فرمایا یہ بات تو نہیں ہم ویسے ہی نہیں کھایا کرتے۔ پھر انہوں نے فرمایا مجھے جلدی جانا ہے اور ایک قدم اٹھایا اور کوچے کے آخری کونے میں رکھا۔ شاہ صاحب سمجھ گئے کہ کسی بزرگ کی روح ہے، جلدی سے آواز دی کہ حضرت یہ تو بتاتے جائیں کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا: سعدی ہمیں فقیر است۔

فرمایا: یہ روح متجسد اور متشکل ہوگئی جیسا کہ آخرت میں سب اعراض جواہر بن جائیں گے۔ (نفحات طیبہ تلخیص حیات طیبہ ص ۱۴۸، حالات وارشادات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ)

نیز آپ ﷺ نے لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کی امامت فرمائی تھی یا تو ان کی ارواح متشکل ہوگئی تھیں یا ارواح جسد مثالی میں آگئی تھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کہ وہ آسمان پر حیات ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دارالعلوم زکریا، ج:۱،ص:۸۱، ط،زمزم پبلشرز کراچی)



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ رہتا نہیں تھا

سوال:

ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقے کے متعلق سینکڑوں واقعات اور احادیث شریف کا ذخیرہ ہے اور دوسری طرف انہیں کتابوں میں اچھا خاصا سامان مثلاً تیس غلام، سو بکریاں، گھوڑے، خچر، اونٹنیاں وغیرہ کی ملکیت آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے، ابن قیمؒ کی زاد المعاد اور مولانا تھانویؒ کی نشر الطیب میں اس کی پوری تفصیل ہے، یہ تضاد کیسے رفع ہو؟

جواب:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز رہتی نہیں تھی، آتا تھا اور بہت کچھ آتا تھا مگر چلا جاتا تھا، زاد المعاد یا نشر الطیب میں ان چیزوں کی فہرست ہے جو وقتاً فوقتاً آپ کے پاس رہیں، یہ نہیں کہ ہمہ وقت رہیں۔

سوال:

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مینڈھا تمام امت کی طرف سے اور ایک اپنی آل اولاد کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص قربانی نہیں کرتا تھا۔

جواب:

''قربانی کیا کرتے تھے'' کے الفاظ تو مجھے یاد نہیں، جہاں تک مجھے یاد ہے ایک مینڈھا آپ نے قربان کیا اور فرمایا کہ: یہ میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جو قربانی نہ کر سکیں۔ مشکوٰۃ شریف ص:۱۲۷ میں بروایت مسلم حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مینڈھا ذبح فرمایا اور دعا کی: یا اللہ! قبول فرما محمد کی طرف سے اور آل

محمد سے اور امت محمدیہ کی طرف سے (۲۷۰)۔ایک مینڈھے میں تو دو آدمی بھی شریک نہیں ہو سکتے (۲۷۱)، اس لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ہر شخص قربانی نہیں کرتا تھا، صحیح نہیں۔فقط واللہ اعلم۔(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۱۸۵، ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۲۷۰):عن عائشةؓ ان رسول اللهﷺ امر بكبش اقرن يطأ في سواد ويبرك في سواد وينظر في سواد فاتي به ليضحي به قال يا عائشةؓ هلمي المدية ثم قال اشحذيها بحجر ففعلت ثم اخذها واخذ الكبش فأضجعه ثم ذبحه ثم قال بسم الله تقبل من محمد وآل محمد ومن امة محمد ثم ضحي به رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، باب في الاضحية، الفصل الأول، ص: ۱۲۷، ط، قديمي كتب خانه كراچي)

(۲۷۱):في الهندية: يجب أن يعلم أن الشاة لاتجزئ الا عن واحد وان كانت عظيمة. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الاضحية، وفيه تسعة ابواب، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ج: ۵، ص: ۳۰۴)

وفي اعلاء السنن: فالحق هو ما ذهب اليه أبو حنيفة وأصحابه أنه لاتجوز الشاة الواحدة الا عن واحد، وهو القياس، لأن الشاة أدنى ماتجوز به الأضحية، فلو اشترك فيه الاثنان أو الأكثر كان المضحي به عن كل واحد النصف أو الثلث أو الربع أو أقل من ذلك، فلا يكون الشاة أدنى ما تجوز به الأضحية، ولم يكن لتخصيص أهل البيت معنى، اذ لما جاز التضحية بأقل من الشاة فأهل البيت الواحد والبيوت الكثيرة سواء. قال العبد الضعيف: ولو كان كذلك لم يكن لقولهﷺ: "من وجد سعة ولم يضح فلايقربن مصلانا" معنى، فأى حاجة الى وجدان السعة اذ جاز للمسلمين أن يشتركوا في الشاة الواحدة ولو كانوا مائة أو أكثر، فان هذا القدر مما لايعجز عنه مسلم قط، كما هو ظاهر مشاهد، فتأمل.

وفي البناية للعيني: اعلم أن الشاة لاتجزى الا عن واحد، وأنها أقل ما تجب وذكر الانزاري أن هذا اجماع، ثم ذكر حديث تضحيتهﷺ بكبشين وقوله في أحدهما: اللّٰهم هذا عن محمدٍ وأهل بيته وفي الآخر: ان هذا منك واليك عمن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ چادر اوڑھنا

﴿سوال﴾:

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو "کالی کملی والا" کہا جاتا ہے، آپ نے جو کالی کملی استعمال فرمائی، کیا وہ سورۃ مزمّل کے نزول کے وقت آپ نے اوڑھی ہوئی تھی یا کسی اور موقع پر؟ بینوا توجروا۔

﴿الجواب باسم ملہم الصواب﴾:

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ بالوں کی چادر استعمال فرمانا ثابت ہے۔ مگر اس پر مداومت ثابت

وحد من أمتي. وعن أبي هريرة رضي الله عنه لما ضحى بالشاة جاء ت ابنة تقول: وعني، فقال: وعنك.

وأجاب بأن هذا لايدل على وقوعه من اثنين بل هذا هبة ثوابها، وقد روى عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أنه قال: الشاة عن واحد، انتهى. (۴: ۱۷۱)

وفي التهذيب لابن جرير الطبرى ما ملخصه: ظن أهل الغباوة أن ذلك ـ أى قوله صلى الله عليه وسلم: "هذا عن محمد وعمن وحد من أمتي" كان باشراكه لهم في ملك أضحيته، فزعم أن للجماعة أن يشتركوا في الشاة، ويجزئهم عن التضحية، ولو كان كذلك لم يحتج أحد من هذه الأمة الى التضحية، ولما كان لقوله عليه السلام: "من وجد سعة فلم يضح" وجه وكيف يقول ذلك وقد ضحى هو عنهم وذبحه أفضل؟ من الجوهر النقى. (۳: ۲۱۹).

وبالجملة فأبو حنيفة ومن وافقه انما يقولون بعدم وقوع شاة عن اثنين فصاعداً ولايقولون بعدم جواز هبة ثوابها لأكثر من واحد، فقول الشوكاني: والحديثان يردان عليهم رد عليه، لأن الحديث انما يدل على هبة ثوابها لأكثر من واحد لا على وقوعها من اثنين فصاعداً، فافهم. (اعلاء السنن، كتاب الاضحية، باب التضحية بالشاة وتشريك الغير في الثواب أو ايثاره له به، ج: ۱۷، ص: ۲۱۰، ۲۱۱، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

نہیں، بوقت نزول سورۂ مزمّل آپ ﷺ کا سیاہ چادر اوڑھے ہوئے ہونا ثابت نہیں۔

قالت عائشة رضی اللّٰه عنها خرج النبی ﷺ غداة وعلیه مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخله ثم جاء الحسین فدخل معه، ثم جاء ت فاطمة فأدخلها ثم جاء علی فأدخله ثم قال انما یرید اللّٰه لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهّر کم تطهیرا (صحیح مسلم ص ۲۸۳ ج ۲) (۲۷۲)۔

اس آیت کی تفسیر رسالہ "عمدة التفسیر لأیة التطهیر" مندرجہ "احسن الفتاویٰ" جلد اول میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج:۹، ص:۵۱، ط، ایم ایچ سعید کراچی)



کیا آپ ﷺ کے گھر میں سال بھر کی جو تھی؟

﴿سوال﴾:

بعد از سلام آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ کیا حضور ﷺ کے گھر میں پورے سال کی جو بھری ہوئی تھی یا نہیں؟ ایک شخص نے یوں بیان کیا تھا کہ حضور ﷺ کے گھر میں کسی وقت پورے سال کا اناج بھرا ہوا تھا؛ لہٰذا اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔ اس شخص نے حدیث بیان کی ہے۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

رسول اللہ ﷺ کے مبارک گھر میں سال کا نہیں، مہینہ کا نہیں، ہفتہ کا بھی نہیں، حتی

(۲۷۲):(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بیت النبی ﷺ، ص: ۱۰٦۷، رقم: ٦۲٦۱، ط، دار السلام ریاض)

کہ شام کے کھانے کے لیے اناج نہیں ہوتا تھا(۲۷۳)۔وقت پر اللہ تعالیٰ جو دیتے، کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے، یا فاقہ کشی کرتے؛ البتہ ازواج مطہرات کا خرچ آپ ﷺ کے ذمہ کے فرض تھا؛ اس لیے ہر بیوی کو ان کا سال بھر کا نان ونفقہ دے دیتے تھے؛ لیکن وہ بھی آپ ﷺ کی ذات مقدس کی برکت سے سارا مال صدقہ وخیرات کردیتی تھیں۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے کبھی اسٹاک نہیں کیا، بل کہ جو کچھ آجاتا، اسے بھی آپ ﷺ صدقہ وخیرات کردیتے تھے(۲۷۴)۔فقط، واللہ اعلم بالصواب۔(فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص: ۱۶۸، ۱۶۹)



(۲۷۳):عن أنس رضی اللہ عنه: أنه مشى الى النبیﷺ بخبز شعیر واهالة سنخة، ولقد رهن النبیﷺ درعاً له بالمدینة عند یهودی وأخذ منه شعیراً لأهله. ولقد سمعته یقول: ما أمسى عند آل محمدﷺ صاع بر ولا صاع حب، وان عنده لتسع نسوة. (صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبیﷺ بالنسیئة، ص: ۴۰۸، رقم: ۲۰۶۹، ط، دار السلام ریاض)

(۲۷۴):عن عمرؓ قال: کانت أموال بنی النضیر مما أفاء اللّٰه علی رسوله. مما لم یوجف علیه المسلمون بخیل ولا رکاب. فکانت للنبیﷺ خاصة. فکان ینفق علیه اهله نفقة سنة. وما بقی یجعله فی الکراع والسلاح. عدة فی سبیل اللّٰه. وفی الفتح تحت هذا الحدیث: قوله: (فکان ینفق علی أهله نفقة سنة) قال القاضی عیاض: "فیه جواز ادخار قوت سنة، ولم یکنﷺ یدخر لنفسه شیئاً، وانما یدخر لغیره. وفیه أن الأدخار لایقدح فی التوکل. ولا خلاف فی جواز ادخار ما یرفع الانسان من أرضه. کذا فی شرح الأبی والنووی.

ثم ان أزواج رسول اللّٰهﷺ کن ینفقن منه علی الفقراء، حتی لایبقی فی بیوت النبیﷺ الا شیء یسیر، ولذلک توفی النبیﷺ ودرعه مرهونة عند یهودی بشعیر. (تکملة فتح الملهم، کتاب الجهاد والسیر، باب حکم الفیء، ج: ۳،

حضور ﷺ کتنے وقت کھایا کرتے تھے؟

﴿سوال﴾:
حضور اکرم ﷺ کتنے وقت کھانا تناول فرماتے تھے؟

﴿جواب﴾:
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں عام معمول دو وقت کے کھانے کا تھا، ایک دن چڑھے، جس کو ''غدا'' کہا جاتا ہے(۲۷۵)، دوسرے مغرب کے بعد جس کو ''عشاء'' کہا جاتا ہے(۲۷۶)، البتہ خود ﷺ کا عمری معمول ایک ہی وقت کھانا تناول فرمانے کا تھا(۲۷۷)۔(کتاب الفتاوی، ج:۱،ص:۵۳۲، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



ص: ٦٦، ٦٧، رقم: ٤٥٥٠، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۲۷۵):فی مجمع بحار الأنوار: الغداء المبارک، هو طعام یؤکل أول النهار. (مجمع بحار الأنوار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار، ج: ٤، ص: ١٣، ط، مجلس دائرة المعارف العثمانیة بحیدر آباد الدکن الهند)

(۲۷۶):فی مجمع بحار الأنوار: والعَشاء: فابدؤا بالعشاء، هو بالفتح طعام یؤکل عند العشاء، وأراد بالعشاء صلاة المغرب لأنها وقت الأفطار. (مجمع بحار الأنوار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار، ج: ٣، ص: ٦٠١، ط، مجلس دائرة المعارف العثمانیة بحیدر آباد الدکن الهند)

(۲۷۷):فی کنز العمال: کان اذا تغدی لم یتعش، واذا تعشی لم یتغد. (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، شمائل تتعلق بالعادات والمعیشة، ص: ٨٧٠، رقم: ١٨١٧٧، ط، بیت الأفکار الدولیة)

کیا حضور ﷺ کو بُت خانوں میں جا کر تبلیغ کرنے کا حکم ہوا تھا؟

﴿سوال﴾:

محترم المقام جناب مفتی صاحب! ایک شخص جو کہ امام مسجد ہے اور اپنے آپ کو قطب زمان، ولی اللہ اور بہت بڑا عالم دین بھی کہتا ہے۔ ایک دن مسجد میں ظہر کی سنت ادا کرنے کے بعد کہنے لگا کہ آج کل جو آدمی جدھر لگ گیا بس ادھر ہی لگا ہوا ہے، دوسری طرف دھیان ہی نہیں، جو نماز پڑھتا ہے وہ صرف نماز ہی میں مشغول ہے اسے دنیا کی کوئی خبر نہیں۔ کوئی روزے رکھے جا رہا ہے اسے اور کسی چیز کا پتہ نہیں، کوئی نوکری کر رہا ہے اور وہ اپنے ہی حال میں مست ہے، اسے باقی دنیا کی فکر نہیں۔ چاہیئے تو یہ کہ ہم مندروں، گردواروں اور گرجا گھروں میں جا کر ہر چیز کی تہہ کو تلاش کریں، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تھا کہ آپ گردواروں، مندروں اور بت خانوں میں جایا کریں۔ مسجد میں چند نمازی موجود تھے، ان میں سے ایک نے پوچھا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم جو اس نے رسول کریم ﷺ کو دیا تھا قرآن حکیم سے ثابت کر سکتے ہیں؟ تو اس پر امام صاحب بڑے ناراض ہوئے دوسرے دن اپنی اس بات پر پردہ ڈالنے اور چھپانے کے لیے لوگوں کے سامنے کہنے لگے کہ یہ راز و نیاز کی باتیں ہیں ہر ایک آدمی ان کو نہیں سمجھ سکتا، میری کل کی گفتگو کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بت خانوں میں جا کر بتوں کو توڑنے کا حکم دیا تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بت خانے میں جا کر بت توڑے تھے، اور رسول کریم ﷺ نے کعبہ میں بتوں کو نام لے لے کر توڑا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:۔

(۱) کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بت خانوں میں جانے کا حکم دیا تھا؟

(۲) کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بت خانوں میں جا کر بت توڑنے کا حکم دیا تھا؟ اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی دیا ہو تو قرآن کریم کی سورۃ، رکوع اور آیت کا حوالہ

قلمبند کریں؟

(۳) کیا ایسے امام مفتری جو اللہ تعالیٰ (امام مذکور کو توبہ و استغفار کے لئے بھی کہا گیا لیکن اس نے اسطرف کوئی دھیان نہیں دیا اور نہ توبہ کی) اور اس کے رسول ﷺ پر افتراء باندھے، کے پیچھے بغیر توبہ کیے نماز پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

مزید تشریح: (۱) مذکورہ امام مسجد اور بھی کئی من گھڑت قصے کہانیاں مسجد میں بیٹھ کر سناتے ہیں، ایک دفعہ انہوں نے اپنا ایک ذاتی قصہ سنایا کہ ایک دفعہ میں ایک صاحب کشف کے پاس گیا اور کہا کہ میری تمنا ہے کہ میں بھی آپ جیسا ہو جاؤں، انہوں نے کہا کہ میاں اس میں بڑی مشکلات ہیں اور کئی چیزوں کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے، جواباً میں نے ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کرنے اور قربانی دینے کا اقرار کیا، انہوں نے کہا کہ اچھا تو سب سے پہلے تمہیں داڑھی صاف کرنی اور نماز چھوڑنی پڑے گی، بادل نخواستہ میں نے ہاں کر دی، نماز تو اسی وقت چھوڑ دی اور ماتھے پر تلک بھی لگا لیا اور حجام کو بلا کر داڑھی صاف کرانے کے لیے اس کے سامنے بیٹھ گیا، جونہی حجام نے استرا میرے منہ پر رکھا تو مجھے تمام باطنی چیزیں آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگیں۔ میں گھر سے بہت دور اور گھر والوں سے چوری گیا تھا اور کسی کو میرا پتہ تک نہیں تھا کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے اور گھر والے مجھے تلاش کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا میرا بھائی اور ایک دوسرا آدمی مجھے تلاش کرتے کرتے تھک ہار کر ایک ہوٹل میں بیٹھ گئے ہیں۔

(۲) ایک دوسرے موقع پر مسجد میں بیٹھے مولانا رومؒ کا ذکر کرنے لگے کہ مولانا رومؒ ایک دفعہ حضرت شاہ شمس تبریزؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اے صاحب باکرامت مجھے آپ اپنے رنگ میں رنگ دیں، یعنی اپنے جیسا بنا دیں، حضرت شمس تبریزؒ نے کہا کہ میاں تیری منزل دوسری ہے، اسے چھوڑنا پڑے گا، مولانا رومؒ نے منظور کیا تو انہوں نے اور باتوں کے علاوہ نماز چھوڑنے کو بھی کہا۔ مولانا رومؒ گھر آئے اور سوچنا شروع کیا کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور دوسری طرف پیر و مرشد کا حکم ہے، آخر یہ فیصلہ کیا کہ چلو

فرض پڑھ لیتا ہوں جو خدا کا حکم ہے اور سنتیں چھوڑ دیتا ہوں، اور ایسے ہی صرف فرض ادا کر کے سو گئے، خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بہت سخت ناراض ہو کر فرمایا کہ تو نے خدا کے فرض تو پڑھ لیے اور میری سنتیں چھوڑ دیں؟ صبح مولانا رومؒ اٹھے اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا، مرشد نے پوچھا کہ اس سے پہلے بھی تجھے رسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی ہے؟ مولاناؒ نے جواب نفی میں دیا، اس پر مرشد کہنے لگے کہ بے شک رسولِ خدا ﷺ غصّے میں تھے لیکن زیارت ہو گئی، اگر تو فرض بھی نہ پڑھتا تو خدا کا دیدار بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مذکورہ امام صاحب نے مولانا رومؒ کا یہ شعر پڑھا ہے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

اس کے بعد امام کہنے لگے کہ نماز میں کیا رکھا ہے، خدا نماز پڑھنے سے نہیں ملتا، خدا کے ملنے کے اور طریقے ہیں۔ اس قسم کے اور بھی کئی قصّے اکثر سناتے رہتے ہیں جن میں سے ۲ دو بطور تمثیل پیش کر دیئے ہیں۔

(۳) علاوہ ازیں امام مذکورہ خود صبح کی نماز پڑھنے کبھی مسجد میں تشریف نہیں لاتے، گھر پر پڑھ لیتے ہوں تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اگر ان سے کہا جائے کہ صبح مسجد میں آ کر نماز پڑھایا کریں تو کہتے ہیں کہ تم لوگوں کو کیا پتہ! اگر میں صبح کی نماز پڑھانے کے لیے سویرے اٹھوں تو نہ معلوم میرے اوپر کیا کیا آفت آتی ہے۔

(۴) مذکورہ امام صاحب بینجو (جو کہ ساز بجانے کا ایک آلہ ہے) بڑے شوق سے بجاتے ہیں اور جب اس کی دھن میں مست ہو جاتے ہیں تو پاس بیٹھے ہوئے آدمیوں سے کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کچھ مانگنا ہے تو مانگ لے۔ راقم الحروف کی رائے میں گویا وہ صبح کی نماز کو نحوست اور یہاں (نعوذ باللہ) خدائی دعوی کر کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو منہ مانگی مرادیں دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا قصے کہانیوں کی روشنی میں علمائے کرام اس امام کے بارے میں کیا فتوی دیتے ہیں؟ نیز ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور جو نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھی گئی ہیں ان کا لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

جامعہ اشرفیہ لاہور کا جواب (۱) جو خود کہا کرتا ہے وہ ہوتا نہیں، جو ایسا ہوتا ہے وہ کبھی کہا نہیں کرتا بلکہ خود کو حقیر سمجھا کرتا ہے، کہنا ہی دلیل ہے کہ کچھ نہیں ہے غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

(۲) نہیں! نہ تلاش کرنے کا اس کو حکم ہو سکتا ہے، جس کو بتائی نہ گئی ہو۔

(۳) شریعت میں ہر گناہ و کفر کو مٹانے کا حکم ہے، اس میں بت بھی ہیں، جس قدر قدرت ہو، وہاں جانے کا نہیں۔ مگر امام کی کم علمی پر اس قدر چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں سمجھانے کی ضرورت ہے، یہ زیادہ مفید ہوگا۔

(۴) مندروں وغیرہ میں ہر چیز کی تہہ تلاش کرنا کئی وجہ سے ہو سکتا ہے، اس لیے یہ کلمہ کفریہ بننے سے نکل سکتا ہے، اس سے ترغیب کفریہ باتوں کی ہوتی ہے، اس لیے گناہ ضروری اور اگلے روز کی تاویل گویا مثل رجوع کے ہے۔ مگر صاف لفظوں میں توبہ کرنی چاہئے اس کو بار بار، ان سے کہا جائے ورنہ اس کو بھی کافی قرار دیں اگر اور باتیں ان میں نہ ہوں، دوسرے کاغذ سے معلوم ہوا کہ خطرناک اور لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں، فاسق ہیں، ان کی امامت مکروہ ہے، ان کو فوراً امامت سے الگ کر دینا چاہئے بشرطیکہ مذکورہ باتیں صحیح ہوں۔

کتبہ: جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور، ۱۷/۱۲/۴/۱۳۸۴ھ۔

دار العلوم کراچی کا جواب: جواب صحیح: یہ شخص پرلے درجے کا فاسق مفتری کذاب ہے، جھوٹی روایات اور قصے بیان کرتا ہے جو لوگوں کو بددین اور گمراہ کرنے والے ہیں، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس کو امام بنانا درست نہیں اور اس کے پیچھے نمازیں نہ

پڑھیں، فوراً اس کو امامت سے علیحدہ کر کے اس کی بجائے کسی متقی صحیح العقیدہ، مسائلِ امامت ونماز کے واقف کار شخص کو امام مقرر کریں، اور جو نمازیں اس امام کے پیچھے پڑھ لیں ان کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

کتبہ: احقر العباد محمد صابر نائب مفتی دار العلوم کراچی ۱/۱/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد تقی عثمانی دار العلوم کراچی ۲/۱/۱۳۸۵ھ۔

دار العلوم حقانیہ کا جواب: الجواب صحیح: واقعی یہ شخص انتہائی دروغ گو کہانیاں بیان کرتا ہے جس کا اثر سادہ لوح مسلمانوں پر زیادہ ہوتا ہے مگر حقیقت اس کی کچھ نہیں اور شرعی احکام کے سراسر خلاف ہیں، ایسے مفتری کو ہرگز امام نہ بنایا جائے، اس کو معزول کر کے اس کی جگہ ایک صالح مرد عالمِ دین کو منصبِ امامت پر مقرر کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم (فتاوی حقانیہ، ج: ۱، ص: ۳۱۸ تا ۳۲۲، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹك)



کیا حضور ﷺ کے سر میں جوئیں پڑتی تھیں

﴿سوال﴾:

(۱) حضور ﷺ کا پیشاب، پاخانہ پاک تھا یا نجس؟

(۲) حضور ﷺ کے سر مبارک میں جوئیں پڑتی تھیں یا نہیں؟ اگر نہیں پڑتی تھیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو ابوداؤد میں اس طرح ہے "تفلی راسه" اور اس کے حاشیے کا کیا مطلب ہے جو اس طرح ہے ای تفتش القمل من راسه وتخرج وتقتله. بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾:

شوافع میں بعض علمائے محققین نے آنحضرت ﷺ کے بول وبراز کی طہارت کا حکم کیا ہے، اور علمائے حنفیہ نے اس کو نقل کر کے اس کے ساتھ اپنی موافقت بیان کی ہے۔ اور

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم وصحابیات کے اس واقعہ سے کہ انہوں نے حضور ﷺ کا پیشاب نادانستگی میں پی لیا تھا مگر حضور ﷺ نے خبر پاکران کو دعا دی اور انکارنہیں فرمایا، طہارت پر استدلال کیا ہے(۲۷۸)۔

---

(۲۷۸):في الخصائص الكبرى: وأخرج أبو يعلى والحاكم والدارقطني والطبراني وأبو نعيم عن أم أيمنؓ: قالت قام النبيﷺ من الليل الى فخارة فبال فيها فقمت من الليل وأنا عطشانة فشربت ما فيها فلما أصبح أخبرته فضحک وقال "أما انک لاتتجعن بطنک أبدا". ولفظ أبي يعلى "انک لن تشتکی بطنک بعد يومک هذا أبداً.

وأخرج الطبراني والبيهقي بسند صحيح عن حكيمة بنت أميمة عن أمها قالت: كان للنبيﷺ قدح من عيدان يبول فيه ويضعه تحت سريره فقام فطلبه فلم يجده فسأل عنه فقال أن القدح؟ قالوا شربته برة خادم أم سلمة التي قدمت معها من أرض الحبشة فقال النبيﷺ لقد احتظرت من النار بحظار. (الخصائص الكبرىٰ، باب اختصاصهﷺ بطهارة دمه وبوله وغائطه، ج: ۳، ص: ۳۲۱، ط، دار الكتب الحديثة)

وفي عمدة القاري: وذكر القاضي حسين في العذرة وجهين، وأنكر بعضهم على الغزالي حكايتهما فيها، وزعم نجاستها بالاتفاق، قلت: يا للغزالي من هفوات حتى في تعلقات النبي عليه الصلاة والسلام، وقد وردت أحاديث كثيرة أن جماعة شربوا دم النبي عليه الصلاة السلام، منهم أبو طيبة الحجام، غلام من قريش حجم النبي عليه الصلاة والسلام، عبدالله بن الزبير شرب دم النبي عليه الصلاة والسلام، رواه البزار والطبراني والحاكم والبيهقي وأبو نعيم في الحلية. ويروى عن علي رضي الله عنه، أنه شرب دم النبي عليه الصلاة والسلام، وروى أيضاً أن أم أيمن شربت بول النبيﷺ، رواه الحاكم والدارقطني والطبراني وأبونعيم. (عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الانسان، ج: ۳، ص: ۵۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

اکثر علمائے سیر نے تصریح کی ہے کہ حضور ﷺ کے سر مبارک میں جوں نہیں پڑتی تھی، اور اس میں کوئی تعجب اور انکار کی وجہ بھی نہیں۔ حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث اس کے خلاف پر دلالت بھی نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ گو حضور ﷺ کے سر میں جوں پیدا نہیں ہوتی تھی مگر دوسروں کے بدن یا کپڑے کی جوں رینگ کر چڑھ جاتی ہوں اور وہ حضرت ام حرام رضی اللہ تعالی عنہا کے ہاتھ لگ جاتی تھی اور وہ پکڑ کر مار ڈالتی تھی۔ اس کے علاوہ حدیث کے الفاظ صرف تفلی راسہ ہیں جس کے معنی صرف جوں کو تلاش کرنے کے ہیں اور محشی کا قول وتخرج وتقتلہ محتاج دلیل ہے۔ (کفایۃ المفتی، ج:۱، ص:۹۰، ۹۱، ط، دار الاشاعت کراچی)



سینہ نبوی کی آواز

﴿سوال﴾:

ایک روایت میں ہے کہ بوقت نماز آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک سے بہ جوش وخروش ہانڈی کے ابلنے کی سی آواز بہت زور شور سے آتی تھی، اور ایک جگہ میں نے یہ بھی پڑھا کہ یہ آواز ایک میل تک مسموع ہوتی تھی، یہ حدیث بظاہر درایت کے خلاف معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضور ﷺ تو رات کو گھر میں داخل ہوتے وقت سلام بھی ایسی آواز میں فرماتے

وفی ردالمحتار: صحح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله ﷺ وسائر فضلاته، بـه قال أبوحنيفة كما نقله في المواهب اللدنية عن شرح البخاري للعيني، وصرح به البيري في شرح الأشباه. وقال الحافظ ابن حجر: تظافرت الأدلة لملا على القاري أنـه قـال: اختاره كثير من أصحابنا: وأطال في تحقيقه في شرحه على الشمائل في بـاب مـاجـاء فـي تعطره عليه الصلاة والسلام. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في طهارة بوله ﷺ، ج: ١، ص: ٥٢٢، ٥٢٣، ط، دار عالم الكتب رياض)

تھے کہ سونے والا جاگے نہیں اور جاگنے والے سن لے، جو آواز ایک میل تک مسموع ہو تو آس پاس والوں کا کیا حال ہوگا؟ بچوں کے تو کان بھی پھٹ سکتے ہیں اور نیند کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

﴿جواب﴾:

ایک میل سے مسموع ہونے کی بات تو پہلی دفعہ آپ کی تحریر میں پڑھی ہے، میں نے ایسی کوئی روایت نہیں دیکھی، سند کے بارے میں کیا عرض کروں؟ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱، ص:۱۸۶، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ناموں کی تحقیق

﴿سوال﴾:

اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ناموں کی کاپیاں تقسیم کی جاتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ کے ۹۹ ناموں کی کاپیاں تقسیم کی جاتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں کیا ۱۹۹ سماء نبوی ﷺ کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کچھ صفات تو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور اب یہ نبی کریم ﷺ کے لئے بھی استعمال ہونے لگی ہیں، مثلاً الاول، الاخر وغیرہ، میری ناقص رائے میں یہ صحیح نہیں ہونا چاہئے یہ خاص اللہ کی صفات ہیں۔ وضاحت فرمائیں؟

﴿الجواب﴾:

بخاری شریف میں ہے:

وقول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین﴾ وقولہ تعالیٰ﴿محمد رسول اللہ والذین معہ أشداء......﴾ وقولہ

تعالیٰ: ﴿من بعدی اسمه احمد﴾حدثنا ابراهیم بن المنذر ...قال: قال رسول اللّٰه ﷺ:لی خمسة اسماء انا محمد واحمد وانا الماحی الذی یمحو اللّٰه بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب. (صحیح بخاری شریف:۱/۵۰۰، باب ماجاء فیاسماء رسول اللّٰه علیه وسلم، ط: فیصل)۔

واخرج الا مام البیهی فی "دلائل النبوة " بسنده عن ابی موسیٰ قال: کان رسول اللّٰهﷺ سمی لنا نفسه، فقال: انا محمد واحمد والحاشر والمقفی ونبی التوبة والملحمة، لفظ حدیث الاعمش. وفی روایة له عن ابی صالح، قال: قال رسول اللّٰه علیه وسلم: ایها الناس: "انما انا رحمة مهددة" هذا منقطع. وروی موصولا. (دلائل النبوة: ۱/۱۵۶، ۱۵۷، باب ذکر اسماء رسول اللّٰهﷺ، دارالکتب العمیة)۔

قال الا مام البیهقی: وزاد غیره من اهل العلم فقال: اسماء اللّٰه تعالیٰ فی القرآن: رسولا، نبیا، امیا، وسماه: شاهدا، مبشرا، نذیرا، وداعیا الی اللّٰه باذنه، سراجا منیرا، وسماه: رؤوفا رحیما، وسماه: مذکرا، وجعله رحمة، ونعمة، وهادیا، وسماه: عبدا. صلی اللّٰه علیه وعلی آله وسلم کثیرا. (دلائل النبوة: ۱/۱۶۰، ذکر اسماء رسول اللّٰه ﷺ، ارالکتب العمیة)۔

عمدۃ القاری میں ہے:

قال ابو زکریا العنبری: لنبینا محمدﷺخمسة

اسماء فی القرآن العظیم، قال اللّٰہ عزوجل: ﴿محمد رسول اللّٰہ﴾ [الفتح:٢٩]. وقال : ﴿مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد﴾ [الصف:٦] .وقال: ﴿وانه لما قام عبداللّٰہ﴾ وقال ﴿طه﴾ وقال: ﴿یس﴾... وعن کعب، قال اللّٰہ عزوجل محمد ﷺ عبدی المتوکل المختار، وعن حذیفة بسند صحیح یرفعه: "انا المقفی ونبی الرحمة"، وعن مجاهد قال ﷺ " انا رسول الرحمة، انا رسول اللّٰہ الملحمة بعثت بالحصاد ولم ابعث بالزراع" وفی "کتاب الشفاء" وانا رسول الراحة ورسول الملاحم وانا قثم، والقثم الکامل، وفی القرآن: المزمل، والمدثر والنور والمنذر والبشیر والشاهد والشهید والحق والحق والمبین والأمین وقدم الصدق ونعمة اللّٰہ والعروة الوثقیٰ والصراط المستقیم والنجم الثاقب والکریم وداعی اللّٰہ المصطفیٰ والمجتبیٰ والحبیب ورسول رب العالین والشفیع والمشفع المتقی والمصلح والظاهر والصادق والمصدوق والهادی وسید ولد آدم سید المرسلین وامام المتقین وقائد الغرالمحجلین وحبیب اللّٰہ وخلیل الرحمٰن وصاحب الحوض المورود والشفاعة والمقام المحمود وصاحب الوسیلة والفضیلة والدرجة الرفیعة وصاحب التاج والمعراج واللواء و القضیب وراکب الراق والناقة والنجیب وصاحب الحجة والسلطان والعلامة و للبرهان وصاحب الهراوة والنعلین والمختار ومقیم السنة والمقدس وروح القدس وروح الحق وهومعنی البار قلیط فی

الانجيل. وقال ثعلب: البار قليط الذى يفرق بين الحق والباطل،... وقال ثعلب: الخاتم الذى ختم الانبياء والخاتم احسن الانبياء خلقا وخلقا ويسمى بالسريانية: مشفح والمنحمنا، وفى التوراة: احيد، معناه احيد امتى عن النار. وقيل: معناه الواحد، وقال عياض: معناه صاحب القضيب، اى السيف وفى "الدر المنظم" للعراقى: من اسمائه المصدق المسلم الا مام المهاجر العامل اذن خير الآمر والناهى المحلل والمحرم الواضح الرافح المجير، وقال ابن دحية: اسماؤه وصفاته اذا بحث عنها تزيد على الثلاث مائة، وقد ذكرنا عن ابن العربى: أن أسماوه بلغت الفا كأسماء الله تعالى. (عمدة القارى: ٢٨٣/١١، باب ماجاء فى اسماء النبى ﷺ، ط: ملتان)

"**القول البديع فى الصلوة على الحبيب الشفيع**" (ص ١٧٤) میں بعض صوفیاء سے ایک ہزار تک ناموں کا ہونا منقول ہے اور بعض نے تین سو تک تعداد ذکر کی ہے، اور مصنفؒ نے حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب فرمایا ہے اور اس کے بعد بالترتیب ۴۲۸ اسماء گرامی ترجمہ کے ساتھ ذکر فرمائے ہیں (طوالت کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے) اس میں الا خر کے معنی تمام انبیاء سے اخیر میں تشریف لانے والے اور الاول سب سے پہلے نجات کا پیغام لانے والے مذکور ہے، پھر فرمایا اسماء گرامی کی تعداد ایک قول کے مطابق ۴۳۰ بتائی گئی ہے لیکن علماء کرام نے صرف انہیں اسماء کو لیا ہے جن کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور وہ ۹۹ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی صرف ۹۹ میں منحصر نہیں ہیں بلکہ ۴۰۰ سے زائد شمار کئے ہیں اور ایک ہزار تک بیان کئے گئے ہیں البتہ صرف ۹۹ اس لئے لیے گئے

ہیں تا کہ اسماء حسنٰی کے ساتھ نسبت رہے، اور ان میں اکثر باعتبار اوصاف کے قرآن مجید سے حاصل شدہ ہیں اور بعض اسماء احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ رہی یہ بات کہ الاول اور الاخر یہ خاص اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں نسبتوں کے اعتبار سے ان کا معنی جدا ہے، اللہ کی طرف منسوب ہو تو خاص صفات مراد ہیں اور نبی علیہ سلام کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی علیحدہ ہے چنانچہ الاول سے مراد آپ ﷺ کی روح مبارک کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا تھا یا اولیت اس اعتبار سے ہے کہ آپ کی نبوت کا اعلان تمام انبیاء کی نبوت سے پہلے کیا گیا اور الآخر کے معنی سب سے آخر میں مبعوث ہونے والے۔ (الاول اور الاخر کی مزید تفصیل ''ابواب الحدیث'' کے تحت ملاحظہ فرمائیں)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم زکریا، ج:۱ص:۸۳تا۸۶، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



نبی کریم ﷺ کے مردہ کو زندہ کرنے کی تحقیق

﴿سوال﴾:

کیا نبی کریم ﷺ سے اپنی حیات طیبہ میں کسی صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ مردہ کو زندہ کیا ہو جیسا کہ حضرت عیسی علیہ السلام سے ثابت ہے؟

﴿الجواب﴾:

تتبع کثیر کے باوجود کتب حدیث میں صحیح اور معتمد روایت میں یہ نہیں ملا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کسی مردہ کو زندہ کیا ہو البتہ دو ضعیف روایتیں ایسی ہیں جس میں مردہ کو زندہ کرنے کا تذکرہ ہے۔

(۱) آنحضرت ﷺ کا اپنے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا آپ ﷺ پر ایمان لانا لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایت نہایت کمزور اور ضعیف ہے زیادہ قابل اعتماد نہیں۔

(۲) آپ ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اسنے انکار کر دیا شرط لگائی کہ

اس کی لڑکی کو زندہ کردے تو آپ ﷺ نے زندہ فرمایا یہ روایت قاضی عیاض کی کتاب الشفاء میں مذکور ہے نیز مواہب لدنیہ میں بھی درج ہے لیکن سند معلوم نہیں کہ اس کا کیا حال ہے اور حدیث کی کیا حیثیت ہے صرف اتنا مذکور ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے اس کی تخریج نہیں کی اور بظاہر یہ بھی زیادہ قابل اعتماد نہیں اور سند کا کوئی پتہ نہیں۔

دلائل وحوالہ جات حسب ذیل درج ہیں۔

شرح زرقانی میں مذکور ہے:

وكذا روى ن حديث عائشة أيضاً احياء أبويه رضى الله عنه حتى آمنا به جميعاً أورده السهيلى فى الروض وكذا الخطيب فى كتاب السابق واللاحق، وقال السهيلى: ان فى اسناده مجاهيل، وقال ابن كثير: انه منكر أى ضعيف جداً لاموضوع فالمنكر من أقسام الضعيف. (شرح الزرقانى: ۵/۱۸۳، دارلمعرفه، بيروت).

کشف الخفاء میں مرقوم ہے:

أحيا أبوى النبى ﷺ حتى آمنا به أورده العسكرى عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها وكذاالسهيلى عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها وقال: فى اسناده مجاهيل وقال ابن كثير: انه منكر جداً.... الى قوله وهذا الحديث ضعيف باتفاق الحفاظ بل قيل: انه موضوع لكن الصواب ضعفه. (كشف الخفاء: ۱/۵۹- ۶۱).

لسان المیزان میں ہے:

على بن أحمد العكى بصرى متهم روى عن أبى غزية عن عبد الوهاب ابن موسى عن مالك عن أبى الزناد عن

هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها حديثين أحدهما: أنا النبى ﷺ لما حج مربقبر أمه آمنة فسأل الله عزوجل فأحياها الخ... قال الدارقطنى: الاسناد والمتن باطلان ولايصح لأبى الزناد عن هشام عن أبيه عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها شىء وهذا كذب على مالك والحمل فيه على أبى غزية والمتهم بوضعه هو أو من حدث به عنه وعبدالوهاب بن موسىٰ ليس به بأس. (لسان الميزان ٤/١٩٢ مطبعه ادارة تاليفات اشرفيه ملتان)

شرح الشفاء میں مذکور ہے:

وأما ماذكروا عنه عليه الصلاة والسلام من احياء أبويه وايمانهما به على ما رواه الطبرانى وغيره عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها فاتفق الحفاظ على ضعفه كما صرح به السيوطى وقال ابن دحية: هو موضوع مخالف للكتاب والسنة. (شرح الشفاء: ٣/٩٩، دار المعرفة).

وللاستزادة انظر: (المقاصد الحسنة للعلامة السخاوى، ص ٤٨، رقم: ٣٧، و التذكرة فى الاحاديث المشتهرة، ص ١٧٤، للشيخ بدر الدين الزركشى (م٧٩٤هـ)، وتذكرة الموضوعات، ص ٨٧، للشيخ الفتنى، والا سرار المرفوعة لملا على القارى (م ١٠١٤هـ)، ص ٥١، رقم: ١٥٩، والموضوعات لابن الجوزى: ١/٢٨٤، واللالى المصنوعة: ١/٢٤٦، والدرر المنثرة فى الاحاديث المشتهرة، للامام السيوطىؒ، ص ٢٣، والفوائد الموضوعة فى الاحاديث الموضوعة، ص ٩١).

نسیم الریاض میں ہے:

الحسن البصرى وقدمنا ترجمته هذا الحديث لم

یخرجه السیوطی. (أتی رجل النبیﷺ فذکره أنه طرح بنیة له فی وادی کذا فانطلق معه الی الوادی وناداها باسمها یافلانة أحیی باذن اللّٰه فخرجت حیة من قبرها وهی تقول: لبیک وسعدیک، الخ وبهامشه: والحدیث عن الحسن لم نعلم من رواه. (نسیم الریاض: ۳/ ۹۹، وکذا فی اعلام النبوة لابی الحسن الماوردی، ۱۱۱، الباب التاسع، ط: بیروت).

شرح الزرقانی میں ہے:

روی البیهقی فی دلائل النبوة: أنه دعا رجلاً الی الاسلام فقال: لا أومن یک حتی تحیی لی ابنتی، فقال النبیﷺ: أرنی قبرها فأراه ایاه، فقال النبیﷺ: یا فلانة... الی قوله ولم یذکر مخرجه السیوطی من رواه. (شرح الزرقانی: ۵/ ۱۸۲)

وللاستزاده انظر: (سبل الهدی والرشاد: ۱۰/ ۱۴ـ ۱۶، ط: بیروت، والبیهقی فی دلائل النبوة: ٦/ ٥٠، ط: بیروت، والمواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة: ۲/ ٥٧٧، المقصد الرابع فی المعجزات، ط: المکتب الاسلامی، والبدایة والنهایة: ٦/ ٥٤٠، ط: الریاض، موسوعة الامام ابن ابی الدنیا: ٦/ ٢٦٥ـ ٣١٠، کتاب من عاش بعد الموت، ط: بیروت) فقط واللّٰه سبحانه و تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۹۳تا ۹۵، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



حضور ﷺ کے معجزات سے متعلق چند سوال وجواب

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
(الف) جو شخص آپ کا صرف ایک معجزہ، معجزۂ قرآن کو مانے اور باقی سب معجزات کا انکار کرے، ایسا شخص شرعاً کیسا ہے، فاسق، فاجر، بدعتی؟
(ب) معجزات کا اعتقاد رکھنا حق ہے، ضروری ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟ قرآن کی کوئی آیت یا حدیث نبوی یا اجماع امت؟
(ج) معجزات کو ماننا، تسلیم کرنا شرعاً فرض ہے یا واجب یا سنت؟ کیا واقعۂ معراج بھی حضور ﷺ کا معجزہ ہے؟ دوران تحریر اگر کوئی خطا ہوئی ہو تو معاف فرمادیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

قرآن کریم کے علاوہ آپ ﷺ سے بے شمار معجزات صادر ہوئے ہیں، جو صحیح ترین احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، جیسا کہ بخاری ومسلم کی متعدد روایات میں آپ ﷺ کی انگلیوں کے پوروں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اور صحابہ کی جم غفیر کا اس پانی سے اپنی ضرورت پوری کرنا ثابت ہے، اس طرح کے معجزہ کا انکار کرنا سخت ترین گمراہی اور ضلالت کا باعث ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عطش الناس يوم الحديبية، والنبی ﷺ بين يديه ركوة، فتوضأ، فجهش الناس نحوه قال: مالكم؟ قالوا: ليس عندنا ماء نتوضأ ولا نشرب الا مابين يديک، فوضع يده فی الركوة، فجعل الماء يثور بين أصابعه كأمثال العيون، فشربنا وتوضأنا، قلت: كم كنتم؟ قال: لو كنا مائة ألف لكفانا، كنا خمس عشرة مائة. (بخاری شریف، کتاب المناقب، باب

علامات النبوة فی الاسلام، النسخة الهندية ١/ ٥٠٥، رقم: ٣٤٥١، ف: ٣٥٧٦، مسلم شريف، كتاب الفضائل، باب فی معجزات النبی ﷺ، النسخة الهندية ٢/ ٢٤٦، بيت الأفكار، رقم: ٢٢٧٩)

(۲) معجزات نبوی کا انکار کرنا بڑی جسارت کی بات ہے، جن معجزات کا ثبوت قرآن مقدس سے اور احادیث متواترہ سے ہے، ان کا انکار موجب کفر ہے، ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے۔

وخبر المعراج، أی بجسد المصطفیٰ يقظة الی السماء، ثم الی ماشاء الله تعالی فی المقامات العلی حق، أی حديثه ثابت بطرق متعددة، فمن رده أی ذلک الخبر ولم يؤمن بمقتضی ذلک الأثر فهو ضال مبتدع، أی جامع بين الضلالة والبدعة، وفی كتاب الخلاصة: من أنكر المعراج...... الی قوله...... فهو كافر. (شرح فقه أكبر، مكتبه اشرفی ديوبند ١٣٥)

(۳) معجزات کا ثبوت برحق ہے اور اس کا اعتقاد رکھنا ہر مسلمان کے ذمہ واجب ہے۔

قد ظهر علی يديه ﷺ بعض المعجزات ثابت بالتواتر المعنوی فلابد من اعتقاد ثبوت معجزات النبی ﷺ فی الجملة. (تكملة فتح الملهم، كتاب الفضائل، باب فی المعجزات، مكتبه اشرفيه ديوبند ٤/ ٤٧٤)

والمعراج حق، وقد أسری بالنبی ﷺ وعرج بشخصه فی اليقظة الی السماء، ثم الی حيث ماشاء الله

العلا، وأكرمه الله بما شاء، وأوحى اليه ما أوحى ما كذب الفؤاد مارأى، فصلى الله عليه وسلم فى الآخرة والأولى.
(شرح العقيدة الطحاوية، المكتبة الاسلامى، بيروت /۲۲۳)

(۴) واقعۂ معراج کا ثبوت احادیث صحیحہ اورسنت متواترہ سے ہے، اس کا ذکر مختلف احادیث اور سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور اس کا انکار کرنا کفر اور گمراہی ہے۔

والمعراج لرسول اللّٰه عليه السلام فى اليقظة بشخصه الى السماء، ثم الى ماشاء الله تعالىٰ من العلى حق، أى ثابت بالخبر المشهور حتى أن منكره يكون مبتدعا (وتحته فى هامشه) أى خارجا عن السنة يضلل، ولا يكفر فى انكار المعراج على التفصيل المذكور، وأما انكار نفس المعراج فهو كفر بلا شبهة. (شرح عقائد مع هامشه، مكتبه نعيميه ۱۴۳، شرح فقه أكبر، مكتبه اشرفى ديوبند ۱۳۵) فقط واللّٰه سبحانه تعالىٰ اعلم۔(فتاوى قاسميه، ج: ۲، ص: ۱۲۰ تا ۱۲۲، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں تشریف لانا ثابت نہیں اور ماتقول فی ہذا الرجل کا جواب

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں تشریف لاتے ہیں یا نہیں؟ اگر تشریف لاتے ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب **الذی بعث فيكم** اور اگر نہیں لاتے تو اس کا کیا مطلب ہے **ماتقول فى هذا الرجل** پوری تحقیق وتدقیق

سے جواب عنایت فرمائیں۔

﴿الجواب﴾:

آنحضرت ﷺ کا قبر میں تشریف لانا روایات صحیحہ سے ثابت نہیں۔ بعض لوگ ''ما تقول فی ھذا الرجل'' جیسے الفاظ کی بناء پر اس کے قائل ہوگئے ہیں حالانکہ ان الفاظ سے یہی مراد ہونا محل کلام ہے۔ کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ''ہذا'' کا مشار الیہ آنحضرت ﷺ کا وہ مبارک تصور ہو جو ہر مسلمان کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ ولہ نظائر کثیرۃ. یا روضہ اطہر اور میت کے درمیان حجاب اٹھا دیئے جاتے ہوں اور مردہ زیادت سے مشرف ہوجاتا ہو۔ (پس سوال میں مذکور شق ثانی کی بناء پر اسم اشارہ کی توجیہ اس سے خوب ظاہر ہے)۔

والدلیل علیه ما فی حاشیة المشکوۃ عن القسطلانی قیل یکشف للمیت حتی یری النبی ﷺ وھی بشری عظیمة للمؤمن ان صح ذلک ولانعلم حدیثا صحیحا مرویا فی ذلک والقائل به انما استند لمجرد ان الاشارۃ لاتکون الا للحاضر لکن یحتمل ان تکون الاشارۃ لمافی الذھن فیکون مجازاً الخ.

کشف کے بارے میں بھی علامہ قسطلانیؒ کے نزدیک کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری قبر میں یہ تو بعد کی بات ہے۔ فقط واللہ اعلم

(خیر الفتاوی، ج:۱، ص:۱۴۲، ۱۴۳، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



آنحضرت ﷺ کی توصیف میں غلو کرنا

﴿سوال﴾:

زید نے آنحضرت ﷺ کی توصیف میں یہ کہا کہ ملکوت السموات والارض (آسمان اور زمین کی بادشاہت) حضرت ﷺ کے زیر فرمان ہے، دست حق پرست میں ارم (۲۷۹) وجہنم کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، رزق وخیر اور تمام اقسام نعمتیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، عمر نے تردیدًا یہ کہا کہ حقیقت امر یہ ہے کہ اگر ہمارا خدا تمہارے رسول کو رزق نہ دیتا تو وہ بھوکے مرجاتے ،اس میں عمر کے لیے کیا حکم ہے۔

﴿الجواب﴾:

یہ صفات جو زید نے آنحضرت ﷺ کی شان میں بیان کیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں ،ملکوت سماوات وارض سب اللہ کے قبضۂ قدرت وتصرف میں ہے،اوررزق اور خیر کے خزانے اسی کے قبضہ وتصرف میں ہیں، اوردوزخ وجنت کا وہی خالق ومالک ہے، اس میں کوئی نبی اور ولی اس کا شریک نہیں ہے،قرآن شریف میں جگہ جگہ یہی مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ (سورۂ یٰس ،آیت:۸۳)اور بہت سی آیات میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے اور احادیث میں جو دعائیں وارد ہیں ان میں یہ بھی ہے:﴿بِیَدِکَ الۡخَیۡرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ (۲۸۰) لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ قول زید کا صحیح نہیں ہے اور عمر نے جو اس کی تردید

---

(۲۷۹): اِرم: شداد کی بنائی ہوئی بہشت کا نام ،مجازاً بہشت، جنت۔ (فیروز اللغات)

(۲۸۰):عن معاذ بن جبلؓ ان رسول اللہ ﷺ افتقده يوم الجمعة فلما صلى رسول اللہ ﷺ أتى معاذا فقال له: يا معاذ مالي لم أرك؟ قال: يارسول اللہ ليهودي على أوقية من تبر، فخرجت اليك فحبسني عنك، فقال له رسول اللہ ﷺ: يامعاذ ألا أعلمك دعاء تدعو به، فلو كان عليك من الدين مثل جبل صبر أداه اللہ عنك

کی یہ موافق قرآن وحدیث کے ہے۔قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللّٰہَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ (سورۂ ذاریات، آیت:۵۸) لیکن عمر کو مضمون مذکور کو اس طرح ادا کرنا نہ چاہئے، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے یہاں تک فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لیے پہاڑ کو سونے کا کردوں، مگر آپ ﷺ نے اس کو اختیار نہ فرمایا اور فقر کو اختیار فرمایا(۲۸۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۴۱ تا ۲۴۳، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



۔ وصبر جبل باليمن۔ فادع به يا معاذ قل اللّٰهم مالك الملك تؤتى الملك من تشاء وتنزع الملك من تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيء قدير تولج الليل فى النهار وتولج النهار فى الليل وتخرج الحى من الميت وتخرج الميت من الحى وترزق من تشاء بغير حساب رحمن الدنيا والآخرة ورحيمهما تعطى من تشاء منهما وتعطى من تشاء ارحمنى رحمة تغنينى بها عن رحمة من سواك. (المعجم الكبير للطبراني، ج: ٢٠، ص: ١٥٥، رقم: ٣٢٣، ط، مكتبة ابن تيمية القاهرة)

(۲۸۱): عن أبى امامة عن النبى ﷺ قال: عرض على ربى ليجعل لى بطحاء مكة ذهباً. قلت: لا، يارب، ولكن أشبع يوماً وأجوع يوماً، أو قال ثلاثاً، أو نحو هٰذا، فاذا جعت تضرعت اليك وذكرتك، فاذا شبعت شكرتك وحمدتك. (جامع الترمذى، أبواب الزهد، باب ماجاء فى الكفاف والصبر عليه، ص: ٥٣٦، رقم: ٢٣٤٧، ط، دار السلام رياض)

آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام سے صرف عمامہ اور صرف ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے

﴿سوال﴾:

حضور پرنور ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں بغیر پگڑی کے ٹوپی پہنی ہے یا کہ نہیں؟ اور بغیر ٹوپی کے پگڑی پہنی ہے کہ نہیں۔ بحوالہ تحریر فرماویں۔ بینوا توجروا۔

﴿الجواب﴾:

آنحضرت ﷺ نے صرف ٹوپی یا صرف پگڑی بھی پہنی ہے۔ زاد المعاد: ج ۱ ص ۳۴ میں ہے:

وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة اه ولا بأس بلبس القلانس وقدصح انه ﷺ كان يلبسها (كذا فى العالمگيرى) (۲۸۲)

---

(۲۸۲):وقال ابن القيم فى زاد المعاد: وكان يلبسها يعنى العمامة ويلبس تحتها القلنسوة وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة. انتهٰى. وفى الجامع الصغير برواية طبرانى عن ابن عمرؓ قال كان يلبس قلنسوة بيضاء .قال العزيزى: اسناده حسن وفيه برواية الرويانى وابن عساكرعن ابن عباس: كان يلبس القلانس تحت العمائم و بغير العمائم ويلبس العمائم بغير قلانس وكان يلبس القلانس اليمانية وهن البيض المضربة و يلبس القلانس ذوات الآذان فى الحرب وكان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بين يديه وهو يصلى.الحديث. (تحفة الاحوذى، كتاب اللباس، باب بلاترجمة، ص: ٤٨٣، ج: ٥، ط، دار الكفر)

ولا بأس بلبس القلانس وقد صح انه ﷺ كان يلبسها، كذا فى الوجيز لكردرى. (فتاوى عالمگيريه، كتاب الكراهية، الباب التاسع فى اللبس مايكره من ذلك

وفـی التـرمذی کانت کمام اصحاب رسول اللّٰہ علیہ وسـلم بطحاً (۲۸۳). فـقـط و اللّٰہ اعلم (خیـر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۳۳۰، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



ومالایکرہ، ص:۳۳۰، ج:۵)

ولا بأس بلبس القلانس وقد صح انہ علیہ السلام کان یلبسھا. (فتاوی بزازیہ علـی هـامـش فتـاوی عـالمگیریہ، کتاب الکراھیۃ، الفصل السابع فی اللبس، ص :۳۶۸، ج:۶)

(ولا بـأس بـلبـس الـقـلانـس) لماروی ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان لہ قلانس یلبسھاو قد صح ذلک، ذکرہ فی الذخیرہ. (تبیین الحقائق، مسائل شتی، ص: ۲۲۸، ج:۶)

قـال رحـمـہ الـلّٰـہ (ولا بـأس بـلبس القلانس) لماروی ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسـلم کان لہ قلانس یلبسھا وقد صح ذلک، ذکرہ فی الذخیرہ. (تکمۃ البحر الرائق، کتاب الخنثی، ص:۳۶۲، ج: ۹، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

وذکـر فیـہ ایضـاً :انـہ لا بـأس بلبس القلانس، فقد صح انہ کان لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قلانس یلبسھا. (فتاوی تاتارخانیہ، کتاب الکراھیۃ، الفصل العاشر فی اللبس مایکرہ من ذلک ومالایکرہ، ص:۱۰۶، ج:۱۸)

(۲۸۳):(اخـرج التـرمـذی فـی جامعہ وقال: ھذا حدیث منکر وعبداللّٰہ بن بسر ھو ضـعیف عـنـد أھل الحدیث ضعفہ یحیی بن سعید وغیرہ، کتاب اللباس، باب کیف کانت کمام الصحابۃ، ص: ۴۲۲، رقم: ۱۷۸۲، ط، دار السلام ریاض)

حضور ﷺ سے ٹوپی پہننا ثابت ہے

﴿سوال﴾:

کیا رسول اللہ ﷺ نے کبھی ٹوپی پہنی ہے؟ اگر پہنی ہے، تو اس کی تفصیل مطلوب ہے۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضور پاک ﷺ کی طبیعت مبارکہ میں انتہائی درجہ لطافت تھی، آپ ﷺ اپنے سر مبارک میں تیل لگایا کرتے تھے، پھر اس پر مثل پٹی کے ایک کپڑا باندھ دیتے، پھر اس کپڑے کے اوپر ٹوپی اور اس پر عمامہ پہنتے تھے، محدثین نے لکھا ہے کہ چوں کہ آپ ﷺ بہ کثرت تیل لگایا کرتے تھے، اس لیے بال مبارک پر اولاً کپڑا باندھ لیا کرتے تھے، تا کہ ٹوپی اور عمامے پر تیل نہ لگ جائے (۲۸۴)۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹوپی پہنتے تھے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱٤٨)



(۲۸۴): عن أنس قال: كان رسول الله ﷺ يكثر دهن رأسه، وتسريح لحتيه ويكثر القناع، كأن ثوبه ثوب زيات. وفي المرقات تحت هذا الحديث (القناع) خرقة تلقى على الرأس تحت العمامة بعد استعمال الدهن وقاية للعمامة من أثر الدهن واتساخها به. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الثاني، ج: ٨، ص: ٢٨٨، رقم: ٤٤٤٥، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

کیا نماز میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا خیال آنا مفسد صلاۃ ہے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر نماز میں حضور اکرم ﷺ کا خیال آجائے تو کیا نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

سرور دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کا نماز کے دوران محض خیال آجانا نماز کے لئے مفسد نہیں ہے، اور یہ خیال آخر کیسے مفسد ہوسکتا ہے؟ جب کہ التحیات اور درود شریف پڑھتے ہوئے پیغمبر علیہ السلام کا ذکر لازم ہے جو نماز کے واجبات وسنن میں شامل ہے، البتہ اگر اس طرح کا تصور نمازی کے ذہن میں جم جائے کہ وہ نعوذ باللہ اللہ تبارک وتعالی کی عبادت نہ کر کے پیغمبر علیہ السلام کی عبادت اور ان کے سامنے رکوع اور سجدہ کر رہا ہے، تو اس خاص صورت میں شرک فی العبادۃ کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ نماز فاسد ہوگی، بلکہ نمازی کا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جائے گا، کیوں کہ غیر اللہ کی عبادت کا تصور بھی حرام ہے۔ (کفایت المفتی ١/١٥٩، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ١/٣٧٩، ٦/٦٢٨)

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه عن النبی ﷺ قال: ولو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها. (سنن الترمذی، أبواب الرضاع/ باب فی حق الزوج علی المرأة ١/٢١٩)

قال الملا علی القاری: فان السجدة لاتحل لغير اللّٰه.

(مرقاة المفاتيح ٦/٢٧٢)

السجود لغير اللّٰه على وجه التكرمة والتحية منسوخ. (أحكام القرآن الكريم للجصاص ١/٣٢)

یجب حضور القلب عند التحریمة فلو أشتغل قلبه بتفکر مسألة مثلاً فی أثناء الأرکان فلا تستحب الاعادة، وقال البقالی: لم ینقص أجره الا اذا قصر. (شامی زکریا ۲/۹٤) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم (کتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۲۷۷، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الهند/ فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۱۵۷، ۱۵۸، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند/ فتاوی محمودیه، ج: ۱، ص: ۳۸۰، ۳۸۱)



تشہد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور

﴿سوال﴾:

التحیات میں " **السلام علیک أیها النبی** " سے صوفیاء حضرات استدلال کرتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور ضروری ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ ان الفاظ کی وجہ اور شان نزول کیا ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

نماز کے معنی پر دھیان رکھ کر اور سمجھ کر پڑھنا چاہئے اس لئے تصور بھی آئے گا (۲۸۵)۔

---

(۲۸۵):فی تفسیر المظهری: الخشوع فی الصلاة هو جمع الهمة لها والاعراض عما سواه والتدبر فیما یجری علی لسانه من القراء ة والذکر. (تفسیر المظهری، سورة المؤمنین، الآیة: ۲، ج: ٦، ط، ۲۷۳، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

وفی تفسیر الخازن: الخشوع فی الصلاة هو جمع الهمة والاعراض عما سوی

معراج میں تین چیزیں: ''التحیات، الصلوات، الطیبات'' بارگاہ خداوندی میں پیش کیے تو وہاں سے جواب میں تین چیزیں: ''السلام، رحمۃ، برکات'' عطا ہوئیں (٢٨٦)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:١، ص:٣٨٢)



اللّٰہ والتدبر فیما یجری علی لسانہ من القراء ۃ والذکر. (تفسیر الخازن، سورۃ المؤمنین، الآیۃ: ٢، ج: ٣، ص: ٢٦٧، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

(٢٨٦):فی مجمع الأنھر :(والطیبات) أی العبادات المالیۃ للّٰہ تعالی (السلام علیک أیھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ) قیل: لما أثنی النبی علیہ الصلاۃ والسلام لیلۃ المعراج بھذہ الأشیاء رد اللّٰہ علیہ علیہ الصلاۃ والسلام، بمقابلۃ التحیات السلام والرحمۃ بمقابلۃ الصلوات. (مجمع الأنھر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ج: ١، ص: ١٥١، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

وفی البنایۃ: (السلام علیک أیھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ الی آخرہ) ش: ھذا من اللّٰہ تعالی علی نبیہ ـ علیہ السلام ـ لیلۃ المعراج فانہ ـ علیہ السلام ـ لما قال التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات، رد اللّٰہ تعالی من مقابلتہ بقولہ السلام علیک أیھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ والزیادۃ، ولما زاد ـ علیہ السلام ـ بھذہ الألفاظ أشرک النبی ـ علیہ السلام ـ أمتہ فیہ بقولہ السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین، ثم لما سمعت الملائکۃ بذلک فرحوا وقالوا أشھد أن لا الہ الا اللّٰہ وأشھد أن محمداً عبدہ ورسولہ. (البنایۃ شرح الھدایۃ، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ج: ٢، ص: ٢٦٥، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

کیا حضور ﷺ کی تمام دعائیں قبول ہوئی تھیں؟

﴿ســـوال﴾:

زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء قبول بھی ہوتی تھی اور بعض دعا نہیں ہوتی تھی۔

﴿جواب﴾:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں قبول نہیں کی گئیں۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی تھی کہ میری امت آپس میں جنگ وجدال اور قتل وقتال سے باز رہے۔ یہ دعا قبول نہیں ہوئی (۲۸۷)۔ (کفایۃ المفتی، ج:۱ص:۸۵، ط، دارالاشاعت کراچی)



(۲۸۷):عن ثوبان قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان اللّٰہ زویٰ لی الأرض، فرأیت مشارقھا ومغاربھا، وان أمتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی منھا، وأعطیت الکنزین الأحمر والأبیض، وانی سألت ربی لأمتی أن لایھلکھا بسنة عامة، وأن لایسلط علیھم عدواً۔ من سویٰ أنفسھم۔ فیستبیح بیضتھم، وان ربی قال: یا محمد! انی اذا قضیت قضاء فانه لایرد، وانی اعطیتک لأمتک أن لا أھلکھم بسنة عامة، ولا أُسلط علیھم عدواً من سویٰ أنفسھم، یستبیح بیضتھم ولو اجتمع علیھم من بأقطارھا۔ أو قال: من بین أقطارھا۔ حتی یکون بعضھم یھلک بعضاً، ویسبی بعضھم بعضاً. (صحیح مسلم، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ھلاك ھذه الأمة بعضھم ببعض، ص: ۱۲۵۰، رقم: ۷۲۵۸، ط، دار السلام ریاض)

آنحضرت ﷺ کو یا صاحب الزمان کہنا

﴿سوال﴾:

کیا نبی اکرم ﷺ کو "**السلام علیک یا صاحب الزمان**" کہنا درست ہے؟

﴿الجواب﴾:

اس لفظ میں شرک یا شبہ شرک ہے کہ آپ زمانہ کے مالک ہے اور اس میں آپ متصرف ہے اس لئے یہ نہیں کہنا چاہئے۔

ابوداود شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبیﷺ يقول الله عزوجل يؤذينی ابن آدم يسب الدهر وأنا الدهر بيدی الأمر أقلب الليل والنهار. (رواه أبو داود: ۲/۷۱۵، فيصل پبلشرز)

"**بذل المجهود**" میں ہے:

أنا الدهر: أی أنا خالق الدهر ومقلبه...

والحاصل: أن فی تاويله ثلاثة أوجه:

أحدها: أن المراد بقوله ان الله هو الدهر أی المدبر للأمور.

ثانيها: أنه علی حذف أی صاحب الدهر.

ثالثها: التقدير مقلب الدهر ولذلک عقبه بقوله بيدی الليل والنهار.

قال المحققون: من نسب شيئاً من الأفعال الی الدهر حقيقة كفر ومن جری هذا اللفظ علی لسانه غير معتقد لذلک فليس بكافر يكره له ذلک لشبهه بأهل الكفر فی

الاطلاق وهو نحو التفصيل الماضي في قولهم: مطرنا بكذا.

(بذل المجهود في حل أبي داؤد: ٦٦٢/١٣، ط: دار البشائر الاسلامية)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنا درست نہیں جس میں شرک کا شبہ ہو، لہٰذا "السلام علیک یا صاحب الزمان" کہنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاوی دار العلوم زکریا، ج:۱، ص: ۹۰، ۹۱، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



کیا حضور ﷺ نے ابولہب کے لڑکے کو بددعا دی تھی؟

﴿سوال﴾:

ہمارے شہداد پور میں ایک مقرِر نے حضور ﷺ کے بارے میں بتایا کہ نبی کریم کو اپنی پوری زندگی میں ایک صدمہ ہوا جس پر آپ نے بددعا کر دی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ ابولہب کا لڑکا جس نے نبیؐ کی لڑکی کو طلاق دی تھی اور حضور نے بددعا کر دی کہ خدا اس کو جانوروں کی خوراک بنادے اور خدا نے شیر کو حکم دیا کہ اس کو پھاڑ دو۔ یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ ہو گیا ہے، ایک گروپ کا کہنا ہے کہ حضور تو رحمت للعالمین بن کر آئے، انہوں نے زندگی میں کسی کو بددعا نہیں دی، مگر ایک گروپ کہتا ہے کہ مقرِّر صاحب نے خطبۂ عام میں یہ بات بتائی ہے تو صحیح ہے۔ مہربانی کر کے کتاب کا حوالہ دے کر تفصیل سے جواب دیں، تاکہ مسلمان اپنے بھٹکے ہوئے راستے سے صحیح راستے پر آجائیں، ہم لوگ آپ کے لئے دعا کریں گے۔

﴿جواب﴾:

ابولہب کے لڑکے کے لئے بددعا کرنے کا واقعہ سیرت کی کتابوں میں آتا

ہے(۲۸۸)، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا متعدّد لوگوں کے لئے بددعا کرنا بھی منقول ہے(۲۸۹)، اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی کے لئے بددعا

(۲۸۸):عن قتادة بن دعامة قال: تزوج أم كلثوم بنت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عتيبة بن أبى لهب فلم يبن بها حتى بعث النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكانت رقية عند أخيه عتبة بن أبى لهب فلما أنزل الله عزوجل (تبت يدا أبى لهب) قال أبو لهب لابنيه عتيبة وعتبة: رأسى من رأسكما حرام ان لم تطلقا ابنتى محمد، وقالت أمهما بنت حرب بن أمية وهى حمالة الحطب: طلقاهما يا بنى فانهما قد حبتا، فطلقاهما ولما طلق عتيبة أم كلثوم جاء الى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حيث فارق أم كلثوم فقال: كفرت بدينك وفارقت ابنتك لاتحبنى ولاأحبك. ثم سطا عليه فشق قميص النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو خارج نحو الشام تاجراً، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أما انى أسال الله ان يسلط عليك كلبه، فخرج فى تجر من قريش حتى نزلوا بمكان من الشام يقال له الزرقاء ليلا فأطاف بهم الأسد فى تلك الليلة، فجعل عتيبة يقول: يا ويل أمى هو والله آكلى كما دعا على محمد فأبكى ابن أبى كبشة وهو بمكة وأنا بالشام، فعدا عليه الاسد من بين القوم فأخذ برأسه فضغمه ضغمة فقتله. (المعجم الكبير للطبرانى، ج: ۲۲، ص: ٤٣٥، ٤٣٦، رقم: ١٠٦٠، ط، مكتبة ابن تيمية القاهرة)

(۲۸۹):عن أنس بن مالك رضى الله عنه: أن رعلاً وذكوان وعصية وبنى لحيان استمدوا رسول الله ﷺ على عدو فامدهم بسبعين من الأنصار كنا نسميهم القراء فى زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار، ويصلون بالليل، حتى كانوا ببئر معونة قتلوهم وغدروا بهم. فبلغ النبى ﷺ ذلك فقنت شهرا يدعو فى الصبح على أحياء من أحياء العرب، على رعل وذكوان وعصية وبنى لحيان. قال أنس: فقرأنا فيهم قرآنا ثم ان ذلك رفع: بلغوا عنا قومنا أنا قد لقينا ربنا فرضى عنا وأرضانا. (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب غزوة الرجيع، ورعل، وذكوان الخ، ص: ٨٤٢، رقم: ٤٠٩٠، ط، دار السلام رياض)

نہیں کی۔اور کسی کے لئے بددعا کرنا آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے خلاف نہیں، کیونکہ کسی موذی جانور مثلاً: سانپ کو مارنا بھی رحمت کے زمرے میں آتا ہے، اسی طرح کسی موذی شخص کے لئے بددعا کرنا بھی گو اس شخص کے لئے رحمت نہ ہو مگر دوسروں کے لئے عین رحمت ہے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۲،ص:۵۹۳،ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)



عن علی رضی اللّٰہ عنہ قال: لما کان یوم الأحزاب قال رسول اللّٰہﷺ: ملأ اللّٰہ بیوتھم وقبورھم ناراً، شغلونا عن صلاۃ الوسطی حتی غابت الشمس.

عن اسماعیل بن أبی خالد أنہ سمع عبداللّٰہ بن أبی أوفی رضی اللّٰہ عنھما یقول: دعا رسول اللّٰہﷺ یوم الأحزاب علی المشرکین فقال: اللّٰھم منزل الکتاب، سریع الحساب. اللّٰھم اھزمھم وزلزلھم.

عن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ قال: کان النبیﷺ یصلی فی ظل الکعبۃ فقال أبوجھل وناس من قریش، ونحرت جزور بناحیۃ مکۃ، فأرسلوا فجاء وا من سلاھا وطرحوا علیہ. فجاء ت فاطمۃ فألقتہ عنہ، فقال: اللّٰھم علیک بقریش، اللّٰھم علیک بقریش، اللّٰھم علیک بقریش: لأبی جھل بن ھشام، وعتبۃ بن ربیعۃ، وشیبۃ بن ربیعۃ، والولید بن عتبۃ، وأبی بن خلف و عقبۃ بن أبی معیط. قال عبداللّٰہ: فلقد رأیتھم فی قلیب بدر قتلی. قال أبو اسحاق: ونسیت السابع. قال أبو عبداللّٰہ، قال یوسف بن أبی اسحاق، عن أبی اسحاق: امیۃ بن خلف. وقال شعبۃ: امیۃ أو أبی، والصحیح أمیۃ. (اخرجھم البخاری فی صحیحہ، کتاب الجھاد و السیر، باب الدعاء علی المشرکین بالھزیمۃ و الزلزلۃ، ص: ٥٩٤، ط، دار السلام ریاض)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کن کن صحابہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بغیر نماز جنازہ کن کن صحابہ کرام کو دفن کیا ہے؟ جواب سے نوازیں عنایت ہوگی۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

احقر کو معلوم نہیں، ہاں البتہ حدیث شریف میں اتنی بات وارد ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے قرض دار کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جس کے قرض کی ادائے گی کے لئے متروکہ مال نہیں ہوتا تھا، باقی بلاوجہ کسی کی نماز جنازہ کا بالقصد نہ پڑھانا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

عبداللّٰہ بن أبی قتادہ یحدث عن أبیه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم أتی برجل من الأنصار لیصلی علیه فقال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: صلوا علی صاحبکم فان علیه دینا قال أبو قتادة: هو علی قال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: بالوفاء قال: بالوفاء فصلی علیه. [سنن نسائی، النسخة الهندیة ۲/ ۲۷۸، رقم: ۱۹۶۲، کتاب الجنائز، باب الصلوة علی من علیه دین] فقط سبحانه وتعالیٰ اعلم۔(فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۳۷۷، ۳۷۸، ط، مکتبه اشرفیه دیو بند)



رسول اللہ ﷺ کے گائے کا گوشت تناول فرمانے کا ثبوت

﴿سوال﴾:

رسول اللہ ﷺ کبھی گائے کا گوشت کھائے یا نہیں؟ اگر کھائے تو کون کتاب میں آگاہ فرما کر سرفراز فرماویں؟

﴿الجواب﴾:

عن أبی الزبیر عن جابر قال ذبح رسول اللہ ﷺ عن عائشةؓ بقرة یوم النحر. (صحیح مسلم کتاب الحج ج ۱ ص ٤٢٤) (۲۹۰)۔

وعن الأسود عن عائشة واتی النبی ﷺ بلحم بقرة فقیل هذا ما تصدق به علی بریرة فقال هولها صدقة ولنا هدیة. (صحیح مسلم کتاب الزکوة ج ۱ ص ٣٤٥) (۲۹۱)۔

حدیث اول میں ذبح بقرہ اور حدیث ثانی سے دستر خوان پر لحم بقرہ کا حاضر ہونا اور مانع عن الاکل کا جواب دینا جس کا لازم عادی ہے نوش فرمانا یہ سب تصریحاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (امداد الفتاوی، ج:۱۲، ص:۳۸۹، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



(۲۹۰): (صحیح مسلم کتاب الحج، باب جواز الاشتراك فی الهدی، ص:، رقم: ٣١٩١، ط، دار السلام ریاض)

(۲۹۱): (صحیح مسلم کتاب الزکاة، باب اباحة الهدیة للنبی ﷺ ولبنی هاشم، ص:، رقم: ٢٤٨٦، ط، دار السلام ریاض)

حضور ﷺ کو اُمی کہنا

﴿سوال﴾:

حضور ﷺ کو علوم شرائع ملنے کے باوجود امی کہنا کیسا ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

امی کے معنی انپڑھ کے نہیں ہیں، بلکہ امی اس کو کہتے ہیں جس نے کسی شخص سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو، رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذات خود علم عطاء فرمایا، آپ ﷺ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا، اس لئے آپ ﷺ کو امی کہنا درست ہے(۲۹۲)۔ البتہ

---

(۲۹۲): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: الذین یتبعون الرسول النبی الأمی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یأمرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی أنزل معہ أولٰئک ھم المفلحون. (سورۃ الاعراف: ۱۵۷)

وفی التفسیر المأمون: وأما لفظ ﴿الأمی﴾: فھو من النسبۃ الی الأمۃ الأمیۃ، التی ھی علی أصل ولادتھا، لم تتعلم الکتابۃ ولا قراء تھا۔ ذکرہ ابن عزیز أحد علماء المالکیۃ. وقال ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ: "کان نبیکم ﷺ أمیاً لایکتب ولایقرأ ولایحسب"، قال اللّٰہ تعالی: ﴿وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولاتخطہ بیمینک﴾ [العنکبوت: ۴۸]. (التفسیر المأمون علی منھج التنزیل والصحیح المسنون، سورۃ الاعراف، الآیۃ: ۱۵۷، ج: ۳، ص: ۲۵۸)

وفی المھند علی المفند: نقول باللسان ونعتقد بالجنان ان سیدنا رسول اللّٰہ ﷺ اعلم الخلق قاطبۃ بالعلوم المتعلقۃ بالذات والصفات والتشریعات من الاحکام العملیۃ والحکم النظریۃ والحقائق الحقۃ والاسرار الخفیۃ وغیرھا من العلوم مالم یصل الی سرادقات ساحتہ احد من الخلائق لاملک مقرب ولانبی

اگر کسی جگہ پر لوگ اس کا مفہوم نہ جانتے ہوں اور اس کے معنی ان پڑھ اور جاہل کے سمجھتے ہوں یا یہ کلمہ استخفاف کے طور پر بولا جاتا ہو تو وہاں آپ ﷺ کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ (فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج:۱،ص:۱۹۴، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



''اُمی'' کے معنی کیا ہیں اور کیا آپ ﷺ اُمی تھے؟

﴿سوال﴾:

امی کسے کہتے ہیں؟ کیا آپ ﷺ امی تھے؟ اور کیا آپ ﷺ کو امی کہنے میں آپ ﷺ کی توہین نہیں ہے؟

﴿الجواب﴾:

امی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو لکھی ہوئی چیز کو پڑھ نہ سکتا ہو اور نہ لکھ سکتا ہو(۲۹۳) رسول اللہ ﷺ امی تھے، قرآن مجید نے خود ایک سے زیادہ مواقع پر اس کی صراحت کی ہے ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ﴾ (۲۹۴) آپ ﷺ کا امی ہونا باعث اہانت نہیں، بلکہ باعث اعزاز ہے(۲۹۵)، کہ آپ ﷺ علم کے حاصل کرنے اور اس

مرسل ولقد اعطى علم الاولين والاخرين وكان فضل الله عليه عظيما. (المهند على المفند، ص: ٤٥، ط، الميزان ناشرون وتاجرون كتب لاهور)

(۲۹۳):في الجامع لأحكام القرآن: ﴿الأمي﴾ هو منسوب الى الأمة الأمية، التي هي على أصل ولادتها، لم تتعلم الكتابة ولاقراء تها، قاله ابن عزيز. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الاعراف، الآية: ١٥٧، ج: ٩، ص: ٣٥٣، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۲۹۴):(سورة الجمعة: ٢)

(۲۹۵):في التفسير المأمون: قلت: وهذه الصفة لنبيا ﷺ هي من كمال نبوته وصدق ماجاء به، فقد سد الله تعالىٰ بهذه الصفة الباب على من حاول اتهامه

کے پہونچانے میں قلم اور کاغذ کے محتاج نہیں تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے نظام غیبی کے تحت آپ ﷺ کو سب سے مستند اور بلند علم ''وحی'' سے سرفراز فرمایا، اور آپ ﷺ کے ذریعہ سے ایسا علمی فیضان جاری ہوا جو ان شاء اللہ قیامت تک جاری وساری اور زندہ پائندہ رہے گا، آپ ﷺ کے امی ہونے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی مصلحت ہے کہ کسی شخص کے لئے آپ ﷺ کی نبوت پر شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی، اگر آپ ﷺ خود تحریر کو پڑھتے، آپ ﷺ نے کسی استاد سے لکھنا اور پڑھنا سیکھا ہوتا تو کج فطرت لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ شاید آپ نے یہ علوم ومعارف پہلی کتابوں سے نقل کرلیا ہے، یا اپنے استاد سے سیکھ لیا ہے، آپ ﷺ کے امی ہونے کی وجہ سے اس شبہ اور اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (کتاب الفتاوی، ج:۱، ص:۵۳۲، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



آنحضرت ﷺ کو تین چیزیں محبوب ہیں ان کی تفصیل

﴿سوال﴾:

رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ مجھے دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں۔ خوشبو، عورت، نماز، اس کی تفصیل فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

﴿الجواب﴾:

خوشبو دل ودماغ کو معطر کرتی ہے۔ اور عقل میں اضافہ کرتی ہے اور عقل دین کو قائم

بکتابة القرآن من عنده اذ كان عبقرياً، وهذا لايعني أن لاتتعلم أمته القراءة والكتابة، فقد كان يأمر بالعلم والقراءة والكتابة، ففي التنزيل: ﴿اقرأ وربك الأكرم. الذى علم بالقلم. علم الانسان ما لم يعلم﴾. (التفسير المأمون على منهج التنزيل والصحيح المسنون، سورة الاعراف، الآية: ۱۵۷، ج: ۳، ص: ۲۵۸)

رکھ سکتی ہے اس لئے خوشبو محبوب ہے۔ اور عورتیں مردوں کے لئے عفت و پاک دامنی اور امت میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے عورتیں محبوب ہیں۔ اور نماز اسلامی رکن اور دین کی بنیاد ہے۔ اور نماز کے وقت دربارِ خداوندی میں حاضری ہوتی ہے۔ اس لئے نماز محبوب ہے(٢٩٦)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی رحیمیہ، ج: ٣، ص: ١٢٣، ط، دار الاشاعت کراچی)



حضور ﷺ فتح مکہ کے بعد مکہ کو وطن کیوں نہیں بنایا؟

﴿سوال﴾:

آنحضرت ﷺ نے ہجرت مدینہ کی طرف فرمائی، لیکن جب فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو وہاں مستقل رہائش کیوں اختیار نہیں کیا؟

﴿جواب﴾:

---

(٢٩٦):عن أنس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: حبب الی من الذنیا: النساء، والطیب،وجعل قرۃ عینی فی الصلاۃ. وفی ذخیرۃ العقبیٰ تحت ھذا الحدیث: قال السندی: قیل: انما حبب الیہ النساء لینقلن عنہ مالایطلع علیہ الرجال من أحوالہ، ویستحیا من ذکرہ. وقیل: حبب الیہ زیادۃ فی الابتلاء فی حقہ حتی لایلھو بما حبب الیہ من النساء عما کلف بہ أداء الرسالۃ، فیکون ذلک أکثر لمشاقہ، وأعظم لأجرہ. وقیل: غیر ذلک. وأما الطیب، فکانہ یحبہ لکونہ یناجی الملائکۃ، وھم یحبون الطیب، وأیضاً ھذہ المحبۃ تنشأ من اعتدال المزاج، وکمال الخلقۃ، وھو ﷺ أشد اعتدالاً من حیث المزاج، وأکمل خلقۃ.....والصلاۃ لکونھا مناجاۃ اللّٰہ تعالیٰ علی ما قال ﷺ المصلی یناجی ربہ نتیجۃ التعظیم علی ما یلوح من أرکانھا، ووظائفھا...الخ. (ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، ج: ٢٨، ص: ١٧٠تا ١٧٢، ط، دار آل بروم للنشر والتحقیق)

مہاجر کے لئے اپنے پہلے وطن کا اختیار کرنا جائز نہیں، ورنہ ہجرت باطل ہوجاتی ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۲،ص:۵۹۷،ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)



نبی ﷺ کی ذات مبارک سے متعلق چند سوالات کے جوابات

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر کو مندرجہ ذیل عنوانات سے متعلق احادیث کی ضرورت ہے؛ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ باحوالہ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

(۱) جناب نبی کریم ﷺ کی زندگی میں یا آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا واجب القتل ہے؟

(۲) انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں۔

(۳) جناب نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں۔

(۴) جناب نبی کریم ﷺ حاضر وناظر نہیں ہیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

(۱) نبی کریم ﷺ کی زندگی میں اور آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہے، وہ واجب القتل ہے؛ لیکن اس قتل کا انجام اسلامی حکومت اپنے زیر انتظام دے سکتی ہے۔ اسود عنسی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قتل کیا۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

قال ابن عباس: ذکر لی ان رسول للّٰہ ﷺ، قال: بینا انا نائم اریت أنه وضع فی یدی سواران من ذهب، فنفظعتهما و کرهتهما، فاذن لی فنفختهما فطارا، فاولتهما کذا بین

یخرجان، قال عبید الله: احدهما العنسی الذی قتله فیروز بالیمن، والآخر مسیلمة. (بخاری شریف، کتاب المغازی، باب قصةالأسود العنسی ۲/۶۲۹، رقم: ۴۲۰۲، ف: ۴۳۷۸)

وتحته فی فتح الباری: وکان الا سود قد خرج بصنعاء، وادعی النبوة. (فتح الباری، کتاب المغازی، باب قصة الا سود العنسی، بیروت ۷/۶۹۵)

مسیلمہ کذاب نے بھی نبوت کا دعویٰ، اس کو جنگ یمامہ میں حضرت وحشیؓ نے قتل کیا۔

قوله: ولئن ادبرت لیعقرنک الله: أی ان ادبرت عن طاعتی لیقتلنک الله.... و قتله الله تعالی یوم الیمامة، وهذا من معجزات النبوة. (تکمله فتح الملهم، کتاب الرویا، باب رؤیا النبی ﷺ، مکتبه اشرفیه ۴/۴۶۶)

(۲) انبیاء کرام کا معصوم ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے، مگر اس سلسلہ میں صاف الفاظ کے ساتھ کوئی صریح حدیث احقر کو دستیاب نہیں ہو سکی؛ البتہ بعض تفسیر کی کتابوں میں انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کی صراحت موجود ہے۔

قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عهدی الظالمین. [سورة البقرة: ۱۲۴]

وفیه دلالة علی عصمة الأنبیاء عن الکبائر قبل البعثة، ثم قال بعده: فالحق ان المراد بالظلم خلاف العدل، فکل نبی معصوم عن الکبائر من الذنوب. (أحکام القرآن ۱/۴۷)

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک قول بھی موجود ہے:

قال ابوبکر الصدیق رضی الله عنه: ......ان کان

لمعصوما من الشيطان، وان كان لينزل عليه الوحي من السماء. (مسند امام احمد بن حنبل ١/ ٤٤، رقم: ٨٠)

(۳-۴)عالم الغیب اور حاضر وناظر کا مسئلہ دونوں ایک ہی ہیں؛ اس لئے ایک ہی حدیث شریف سے دونوں مسئلوں پر استدلال کیا جاتا ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ: وہ شخص جھوٹا اور کذاب ہے جو حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔ملاحظہ فرمایئے:

عن عائشة -رضى الله عنها- قالت: من حدثك ان محمدا راى ربه فقد كذب، وهو يقول: لا تدركه الابصار، ومن حدثك انه يعلم الغيب فقد كذب، وهو يقول: لا يعلم الغيب الا الله. (بخاری شریف، كتاب التوحيد، باب قول لله عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا ٢/١٠٩٨، رقم: ٧٠٨٣، ف: ٧٣٨٠)

قالت: ومن زعم انه يخبر بما يكون فى غد فقد اعظم على الله الفرية، والله يقول: قل لا يعلم من فى السماوات والارض الغيب الا الله. (مسلم سريف، كتاب الايمان، باب معنى قول الله تعالىٰ: ولقد راه نزلة اخرى ١/٩٨) فقط والله سبحانه وتعالىٰ اعلم (فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ١٦٣تا ١٦٥، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)



آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کی تحقیق

﴿سوال﴾:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں اس سلسلہ میں احادیث میں کیا وضاحت ہے؟

﴿الجواب﴾:

صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا البتہ صرف دو ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ نہ تھا حالانکہ اگر یہ معجزہ ہوتا تو تمام صحابہ پر مخفی نہ رہتا اور کثیر تعداد میں روایتیں موجود ہوتیں باوجود یہ کہ صحابہ دن رات خدمت نبوی میں رہا کرتے تھے تو کیسے مخفی رہا اس بناء پر یہ روایات قابل قبول نہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ سایہ تھا۔ صرف دو روایتیں ایسی ملتی ہیں جن میں سایہ کی نفی ہے۔ (۱) ذکوان کی روایت ہے جو ضعیف اور مرسل ہے۔ ملاحظہ ''الخصائص الکبری'' میں ہے:

اخرج الحکم الترمذی من طریق عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی عن عبدالملک بن عبد اللہ بن الولید عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری له ظل فی شمس ولا قمر ولا اثر قضاء حاجة. (الخصائص الکبری للسیوطی: ۱/ ٦٨، باب الآیة فی انه صلی اللہ علیہ وسلم یکن یری له ظل، وص ٧١، باب المعجزة فی بوله غائطه صلی اللہ علیہ وسلم، دار الکتب العلمیة)

یہ حدیث ضعیف اور مرسل ہے اس میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن قیس ضعیف اور منکر ہے۔ ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب میں ہے:

قال احمد حدیثه ضعیف، ولم یکن بشیء، متروک الحدیث، وقال النسائی متروک الحدیث، وقال زکریا الساجی: ضعیف، وقال صالح بن محمد: کان یضع

الحديث. (تهذيب التهذيب: ٦/٢٣١، وميزان الاعتدال: ٣/ ٢٩٧)

قال ابن حجر في "التقريب": متروك، كذبه ابوزرعة، وغيره. (تقريب التهذيب ص٢٠٨)

اور دوسرا راوی عبدالملک بن عبداللہ مجہول ہے لہٰذا یہ روایت معتبر نہیں۔

(۲) دوسری روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف منسوب ہے۔

''سبل الہدی والرشاد'' میں ابن الجوزی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ويروى عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، قال: لم يكن لرسول الله ﷺ ظل ولم يقم مع شمس الا غلب ضوؤه ضوء الشمس ولم يقم مع سراج الا غلب ضوؤه ضوء السراج. رواه ابن الجوزي. (سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد: ٢/٤٠، الباب العاشر في صفة وجهه ﷺ، ط: بيروت)

ابن جوزیؒ کی کتاب دستیاب نہیں ہوئی لہٰذا سند کا حال معلوم نہیں ہوسکا، البتہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی (م۸۴۵ھ) نے اپنی کتاب **"امتاع الاسماع بما للنبي من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع"** (٢/١٧٠، فصل في ذكر صفة رسول الله عليه وسلم) میں سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

قال: قال احمد بن عبد الله العدافي، اخبرنا عمرو بن ابي عمرو عن محمد بن السائب عن ابي صالح عن ابن عباس ﷺ لم يكن لرسول الله ﷺ ظل... الخ.

لیکن یہ سند بھی صحیح نہیں ہے (۱) محمد بن سائب پر بہت سخت کلام ہے۔

قال ابن الجوزيؒ في "الضعفاء" (٣/٦٢/٢٩٩٨):

قال زائدة، وليث، وسليمان التيمي: هو كذاب.

قال السعدى: كذاب ساقط، وقال يحيى بن معين: ليس بشيء، كذاب، ساقط، وقال النسائى والدارقطنى: متروك الحديث، وقال ابن حبان: وضوح الكذب فيه اظهر من ان يحتاج الى الاغراق فى وصفه، روى عن ابى صالح عن ابن عباس رضى الله عنهما وابو صالح لم ير ابن عباس رضى الله عنهما ولا سمع منه، لايحل الاحتجاج به.

(٢) عمرو بن ابى عمرو "ميسرة" قال ابن الجوزى فى "الضعفاء" (٢/٢٣٠) : قال يحيى: لا يحتج بحديثه، وقال مرة: ليس بالقوى، وليس بحجة، وقال احمد: لاباس به.

قال المزى فى "تهذيب الكمال" (٢٢/١٧٠): قال النسائى: ليس بالقوى، وقال ابو حاتم: لا باس به.

قلت: هذا المتن ليس له اصل مرفوعا، وانما يذكره المتوسعون فى كتب السيرة والخصائص المتاخرة التى يجمع مؤلفوها بين الثابت وما لايثبت والموضوع و ما لااصل له!

وہ روایات ملاحظہ ہو جن میں سایہ کا ذکر ہے اور بعض ان میں سے صحیح ہیں۔

(۱) مستدرک حاکم میں ہے:

عن انس بن مالك رضى الله عنه قال بينما النبى ﷺ يصلى ذات ليلة صلاة اذ مد يده ثم اخرها فقلنا يارسول الله رايناك صنعت فى هذه الصلاة شئيا لم تكن

تصنعه فيما قبله، قال اجل انه عرضت على الجنة فرايت فيها دالية قطوفها دانية فأردت ان أتناول منها شيأ فاوحى الى ان استاخر فاستاخرت، وعرضت على النار فيما بينى وبينكم حتى رأيت ظلى وظلكم فيما فأوصيت اليكم ان استأخروا فاوحى الى ان اقرهم فانك اسلمت واسلموا وهاجرت وهاجروا وجاهدت وجاهدوا فلم ار لك فضلا عليهم الا بالنبوة فأولت ذلك ما يلقى امتى بعدى من الفتن، هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه، ووافقه الذهبى التلخيص. (المستدرك للحاكم: ٤/٤٥٦، ط: مكة المكرمة).

وأخرجه ابن خزيمة فى "صحيحه" (١/٤٤٨/٨٩٦) قال الاعظمى: "اسناده صحيح".

(۲) مجمع الزوائد میں ہے:

وعن عبدالله بن جبير الخزاعى ان رسول الله ﷺ كان يمشى فى اناس من اصحابه فتستر بثوب فلما راى ظله رفع رأسه فاذا هو بملاءة قد ستر بها، فقال له: مه واخذ الثوب فوضعه فقال: انما انا بشر مثلكم. رواه الطبرانى ورجاله الصحيح. (مجمع الزوائد: ٩/٢١، باب فى تواضعه ﷺ، دار الفكر)

قلت: لكن الخزاعى ليس من رجال الصحيح، فقد اختلف فى صحبته، قال الذهبى فى "الميزان" (٣/١١٤/٤٢٣١): عداده فى التابعين، مجهول. قال ابن حجر فى "التقريب" (س١٦٩): ارسل حديثا، مجهول . قال

المزی فی "تهذیب الکمال" (١٣/٣٥٨): تابعی، قال ابو حاتم: شیخ مجهول.

(۳) مجمع الزوائد میں ہے:

وعن صفية بن حيي ان النبی ﷺ حج بنسائه ... فلما كان شهر ربيع الاول دخل عليها فرات ظله فقالت: ان هذا لظل رجل وما يدخل على النبی ﷺ فدخل النبی ﷺ ... (رواه احمد وفيه سمية روى لها ابو داؤد وغيره ولم يضعفها احد وبقية رجاله ثقات. (مجمع الزوئد ٤/٣٢٠، و٣٢١، باب غيرة النساء، دار الفكر)

قال الشيخ شعيب الارنؤوط فی "تعليقاته على مسند احمد" (٤١/٤٦٣/ ٢٥٠٠٢): **"اسناده ضعيف" لجهالة شميسة [فقد اضطرب حماد بن سلمة فی تسميتها] ولتردد حماد بين وصله وارساله.**

وللمزيد من البحث انظر: (تعليق الشيخ شعيب الارنؤوط على مسند احمد: ٤١/١٨٤/٢٣٦٤٠)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (کفایت المفتی ۱/۸۶ جواب ۶۷، وجواہر الفقہ ۲: /۱۴۷-۱۵۱)۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوگیا کہ صرف دو ضعیف روایتوں سے آپ ﷺ کا سایہ نہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، اور اس کے برخلاف آپ ﷺ کا سایہ ہونا کافی روایات میں مذکور ہے، اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہوتا تو کثیر تعداد میں صحابہ کرام کی روایات اس سلسلہ میں موجود ہوتیں، اور یہ بات یقیناً صحابہ کرام سے قطعاً مخفی نہ رہتی جو کہ دن رات خدمت نبوی میں رہا کرتے تھے، اس لئے ان تمام وجوہات وروایات کی

بنا پر صحیح اور محقق بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ تھا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاوی دار العلوم زکریا، ج: ١، ص: ٧٣تا ٧٧، ط، زمزم پبلشرز کراچی /فتاوی رشیدیه، ص: ١١٩، ط، دار الاشاعت کراچی / فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ١٨، ص: ٢٥٩، ٢٦٠، ط، مکتبه دار العلوم دیوبند/ فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج: ١، ص: ٢١١، ٢١٢، ط، حجة الاسلام اکیڈمی/ کفاية المفتی، ج: ١، ص: ٨٦، ٨٧، ط، دار الاشاعت کراچی/ امداد الفتاوی، ج: ١٢، ص: ٢١، ٢٢، ط، زکریا بُك ڈپو الهند/ امداد الاحکام، ج: ١، ص: ٣٣٩، ٣٤٠، ط، مکتبه دار العلوم کراچی/ فتاوی محمودیه، ج: ٤، ص: ٤٨٠تا ٤٨٢/ خیر الفتاوی، ج: ١، ص: ٣٣٣تا ٣٣٦، ط، مکتبه امدادیه ملتان/ فتاوی بینات، ج: ١، ص: ٥٣٨تا ٥٤٢، ط، مکتبه بینات کراچی/ محمود الفتاوی، ج: ١، ص: ٣٧١، ط، مکتبه محمودیه محمودنگر گجرات الهند/ فتاوی فریدیه، ج: ١، ص: ٤٧١، ٤٧٢/ فتاوی فلاحیه، ج: ١، ص: ١٦٤/ منتخبات نظام الفتاوی، ج: ١، ص: ٦٤، ٦٥ ط، ایفا پبلیکیشنز نئی دهلی/ فتاوی قاسمیه، ج: ٢، ص: ١٣٠، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند/ فتاوی حقانیه، ج: ١، ص: ١٩٩تا ٢٠٢، ط، مکتبه سید احمد شهید اکوڑه خٹك)



حضور ﷺ کا مرض الموت میں دو روز قبل اپنی وفات کی خبر دینا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے دوران وعظ مسجد میں یہ بات بیان کی کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام جب مرض الموت میں بیمار ہوئے تو آپ ﷺ نے وفات سے دو دن قبل فرمایا: کہ میں دو دن اور زندہ رہوں گا، کیا واقعی آپ ﷺ نے دو دن پہلے وفات کی اطلاع دی ہے؟ اگر یہ صحیح ہے؟ تو براہ کرم اس کا حوالہ تحریر فرمادیں۔ اور اگر ایسا نہیں ہے، تو ایسا کہنے والے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

اس کا حوالہ کسی معتبر کتاب میں احقر کی نظر سے نہیں گذرا، ایسا کہنے والے کے لئے اس وقت کوئی حکم لگایا جاسکتا ہے، جب کہ اس سے اس بات کا حوالہ معلوم کرلیا جائے، کہ وہ بات کہاں ہے، بعض واعظین وعظ کی کتابوں میں اس طرح کی باتیں لکھتے ہیں، جو معتبر نہیں ہیں، ہاں البتہ وفات سے پہلے مرض الوفات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کان میں سرگوشی کے دوران یہ فرمایا ہے کہ اسی مرض میں دنیا سے رحلت فرما جاؤں گا۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بتلایا کہ میرے اہل وعیال میں سے سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملاقات کروگی۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن عائشة رضـ قالت: دعا النبي ﷺ فاطمة ابنته في شكواه التي قبض فيها، فسارها بشيء، فبكت، ثم دعاها فسارها، فضحكت، قالت: فسألتها عن ذلك، فقالت: سارني النبي ﷺ فاخبرني انه يقبض في وجعه الذي توفي فيه، فبكيت، ثم سارني فاخبرني اني اول اهل بيته اتبعه فضحكت.

(صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ مناقب فاطمة رضی اللہ

عنها، النسخة الهندية ۱/۳۲، رقم: ۲۶۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۱۴۲، ۱۴۳،ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرض الوفات میں تکلیف ہوئی تھی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا کسی حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرض الوفات میں تھے،تو آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے وقت آپ کو بہت تکلیف ہوئی تھی؟ ایسی کوئی حدیث ہوتو بحوالہ تحریر فرماویں نوازش ہوگی؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرض الوفات میں بہت زیادہ تکلیف ہوئی تھی،آپ نے خود سے کچھ پہلے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ خیبر کے زہر آلود بکرے میں سے ایک لقمہ جو کھایا تھا،اس کا زہر اس وقت ستارہا ہے،اور اس قدر تکلیف ہورہی ہے،اور ایسا لگ رہا ہے کہ میری گردن کی شہ رگ کو کاٹ دیا گیا ہے،زندہ آدمی کی شہ رگ کو کاٹنے سے جو تکلیف ہوتی ہے،وہی اور اسی طرح کی تکلیف ہورہی ہے،اس سے متعلق حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن الزهری قال عروة قالت: عائشة رضی اللّٰه تعالی عنها كان النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یقول فی مرضه الذی مات فیه یا عائشة ما أزال أجد الم الطعام الذی أكلت

بخیر فهذا أو ان وجدت انقطاع أبهری من ذلک السم.
(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم و وفاته، النسخه الهندیة ٢/ ٦٣٧، رقم: ٤٢٥٠، ف: ٤٤٢٨) فقط واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ٢، ص: ٣٤٨، ٣٤٩، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند الهند)



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات طبعی ہوئی

﴿سوال﴾:
کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبعی موت سے وفات پاگئے؟

﴿جواب﴾:
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر پوری کر کے وفات پائی اور آپ کی وفات کو موت سے تعبیر کرنا صحیح ہے۔ قرآن مجید میں ہے "**افان مات اوقتل**" (٢٩٧) اور "**انک میت وانهم میتون**" (٢٩٨).

اللہ کے نور سے پیدا ہونے کا یہ مطلب تو کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں کہ آپ کی بشریت مع اپنے لوازم جسمانیت وغیرہ کے نور سے پیدا ہوئی تھی۔ اور نہ آپ کی حیات کا یہ مطلب ہے کہ آپ پر موت طبعی وارد نہیں ہوئی ہے اور جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے اسی طرح اب بھی زندہ ہیں۔ کہ یہ بات صریح البطلان ہے۔ واللہ اعلم (کفایۃ المفتی، ج:١، ص:٨٥، ط، دارالاشاعت کراچی)



---

(٢٩٧): (سورۃ الزمر: ٣٠)

(٢٩٨): (سورۃ آل عمران: ١٤٤)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ووفات کس مہینے میں ہوئی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت کب ملی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت اور وفات کس مہینے میں ہوئی؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کو ماہ رمضان میں ٢١ر رمضان المبارک بروز پیر کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔[رحمۃ للعالمین ١/٦٢]

بارہ ربیع الاول بروز پیر غار ثور سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ہجرت کا سفر شروع کیا۔[انوار نبوت ١٠٣]

بارہ ربیع الاول گیارہ ہجری بروز پیر آپ علیہ الصلاۃ والسلام چاشت کے وقت رفیق الاعلیٰ سے جا ملے۔

قال ابو عمر: بعثه اللّٰه عزوجل نبياً يوم الاثنين لثمان من ربيع الأول. (اسد الغابه، دار الفكر ١/ ٢٥)

وكان قدوم رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم الى المدينة فى قول ابن اسحاق يوم الاثنين عشرة خلت من ربيع الأول. (اسد الغاب، ١/ ٢٨، مكتبه دار الفكر بيروت)

عن عروة عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: توفى رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم يوم الاثنين لثنتى عشرة ليلة خلت من ربيع الأول. (البداية والنهاية دار الفكر ٥/ ٢٥٦، تاريخ طبرى بيروت ٢/ ٢٤١)

وقبض يوم الاثنين ضحى فى الوقت الذى دخل فيه

المدينة لاثنتی عشرة خلت من ربيع الأول. (اسد الغابه، ١/ ٤١، مكتبه دار الفكر بيروت)

عن عائشةؓ قالت: توفى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يوم الاثنين لاثنتی عشرة خلت من ربيع الأول. (الطبقات الكبرى لابن سعد دار الكتب العلمية، ذكر كم مرض رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واليوم الذى توفى فيه ٢/ ٢٠٩) فقط والله سبحانه وتعالىٰ اعلم۔(فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ٣٤٦، ٣٤٧، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند الهند)



وفات کے بعد حضور ﷺ کو کس طرح غسل دیا گیا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور ﷺ کو غسل کس نے دیا تھا؟ کپڑا و لباس سمیت یا لباس کے علاوہ اور کفن کی کیا نوعیت ہوئی؟ یعنی کس طرح لباس مبارک اتارا تھا، تر لباس مبارک پر کفن کو زیب تن فرمایا تھا؟ تفصیل کے ساتھ جواب سے مطلع فرمائیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

وفات کے بعد حضور ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ نے غسل دیا اور فضلؓ بن عباس، قثمؓ بن عباس، اسامہؓ بن زیدؓ اور شقرانؓ ان کے ساتھ کروٹ بدلنے اور پانی دینے کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ آپ ﷺ کو اسی لباس اطہر میں غسل دیا گیا جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی، اس کے بعد اس لباس کو اتار کر تین کفن کے کپڑے زیب تن کیے گئے۔

ان علیؓ بن أبی طالب والعباسؓ بن عبد المطلب، والفضلؓ بن العباس، وقثمؓ بن العباس وأسامةؓ بن زیدؓ وشقرانؓ مولی رسول اللهﷺ هذ الذین ولو اغسله۔ الی قوله۔ قالت عائشة: فقالوا: الی رسول اللهﷺ فغسلوه وعلیه قمیصه یصبون الماء فوق القمیص ویدلکونه والقمیص دون أیدهم، قال ابن اسحاق: فلما فرغ من غسل رسول اللهﷺ کفن فی ثلاثة أثواب. (سیرة ابن هشام /٦٦٢، أصح السیر /٥٤١، سیرة المصطفیٰ ٢/ ٣٤٦) فقط واللّٰہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ٢، ص: ٩٧،٩٨، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



حضور ﷺ کی نمازِ جنازہ اور تدفین کس طرح ہوئی اور خلافت کیسے طے ہوئی

﴿سوال﴾:

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ان کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ اور آپ کے تدفین اور غسل میں کن کن حضرات نے حصہ لیا؟ اور آپ کے بعد خلافت کے منصب پر کس کو فائز کیا گیا اور کیا اس میں بالاتفاق فیصلہ کیا گیا؟

﴿جواب﴾:

٣٠ رصفر (آخری بدھ) کو آنحضرت ﷺ کے مرض الوصال کی ابتدا ہوئی (٢٩٩)،

(٢٩٩):فی الفتح: قوله: باب مرض النبیﷺ ووفاته..... وأما ابتداؤه فکان فی بیت میمونة کما سیأتی. ووقع فی السیرة لأبی معشر فی بیت زینب بن جحش وفی السیرة لسلیمان التیمی فی بیت ریحانة، والأول المعتمد. وذکر الخطابی أنه

۸ رربیع الاول کو بروز پنجشنبہ منبر پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں بہت سے امور کے بارے میں تاکید ونصیحت فرمائی (۳۰۰)۔ ۹ رربیع الاول شب جمعہ کو مرض نے شدت اختیار

ابتدأ به يوم الاثنين. وقيل يوم السبت، وقال الحاكم أبو أحمد: يوم الأربعاء. (فتح الباری بشرح صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب مرض النبیﷺ ووفاته، ج: ۷، ص: ۷۳۵، ۷۳٦)

(۳۰۰):فی البداية: وقد خطب عليه الصلاة والسلام فی يوم الخميس قبل أن يقبض عليه السلام بخمس أيام خطبة عظيمة بين فيها فضل الصديق من سائر الصحابة مع ما كان قد نص عليه أن يؤم الصحابة أجمعين كما سيأتی.... والمقصود أنه عليه السلام اغتسل ثم خرج فصلی بالناس ثم خطبهم كما تقدم فی حديث عائشة رضی الله عنها.

ذكر الأحاديث الواردة فی ذلک. قال: البيهقی أنبانا الحاكم أنبانا الأصم عن احمد بن عبدالجبار عن يونس بن بكير عن محمد بن اسحاق عن الزهری عن أيوب بن بشير. أن رسول اللهﷺ قال فی مرضه: أفيضوا علی من سبع قرب من سبع آبار شتی حتی أخرج فأعهد الی الناس. ففعلوا فخرج فجلس علی المنبر فكان أول ما ذكر بعد حمد الله والثناء عليه ذكر أصحاب احد فاستغفر لهم ودعا لهم. ثم قال: يامعشر المهاجرين انكم أصبحتم تزيدون والأنصار علی هيئتها لاتزيد وانهم عيبتی التی أويت اليها، فأكرموا كريمهم وتجاوزوا عن مسيئهم. ثم قال عليه السلام: أيها الناس ان عبداً من عباد الله قد خيره الله بين الدنيا وبين ما عندالله فاختار ما عندالله، ففهمها أبوبكر رضی الله عنه من بين الناس فبكی. وقال: بل نحن نفديک بأنفسنا وأبنائنا وأموالنا. فقال رسول اللهﷺ علی رسلک يا أبا بكر انظروا الی هذه الأبواب الشارعة فی المسجد فسدوها الا ما كان من بيت أبی بكر فانی لاأعلم أحداً عندی افضل فی الصحبة منه. هذا مرسل له شواهد كثيرة. (البداية والنهاية، ج: ٥، ص: ۲۲۸، ۲۲۹، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان/ السيرة النبوية، ج: ٤، ص: ۲۹۸، ۲۹۹، ط، دار الكتاب العربی بيروت لبنان)

کی، اور تین بار غشی کی نوبت آئی، اس لئے مسجد تشریف نہیں لے جاسکے، اور تین بار فرمایا کہ: ''ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں!'' چنانچہ یہ نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور باقی تین روز بھی وہی امام رہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سترہ نمازیں پڑھائیں، جن کا سلسلہ شب جمعہ کی نماز عشاء سے شروع ہوکر ۱۲؍ربیع الاوّل دوشنبہ کی نماز فجر پر ختم ہوتا ہے (۳۰۱)۔

---

(۳۰۱): في السيرة النبوية: قال الزهرى: وحدثنى حمزة بن عبدالله بن عمر، أن عائشةؓ قالت: لما استعز برسول اللهﷺ قال: مروا أبابكر فليصل بالناس. قالت: قلت: يانبى الله، ان ابابكر رجل رقيق، ضعيف الصوت، كثير البكاء اذا قرأ القرآن. قال: مروه فليصل بالناس. قالت: فعدت بمثل قولى، فقال: انكن صواحب يوسف، فمروه فليصل بالناس، قالت: فوالله ما أقول ذلك الا أنى كنت أحب أن يصرف ذلك عن أبى بكر، وعرفت أن الناس لايحبون رجلاً قام مقامه أبداً، وأن الناس سيتشاءمون به فى كل حدث كان، فكنت أحب أن يصرف ذلك عن أبى بكر. (السيرة النبوية، تمريض رسول اللهﷺ فى بيت عائشة، ج: ٤، ص: ٣٠٢، ط، دار الكتاب العربى بيروت لبنان)

وفى بذل القوة: وفيها لما اشتد عليه صلى الله عليه وسلم المرض ليلة الجمعة التى هى التاسعة من شهر ربيع الأول، فاغمى عليه صلى الله عليه وسلم ثلاث مرات، ولم يستطع الخروج الى صلاة العشاء، قال ثلاث: مروا أبابكر فليصل بالناس، فصلى أبوبكر رضى الله عنه مقام النبىﷺ تلك العشاء، ثم لم يزل يصلى بهم الصلاة الخميس فى تلك الأيام الثلاثة الباقية، حتى كانت صلاة أبى بكر رضى الله عنه التى صلاها بهم فى حياته صلى الله عليه وسلم سبع عشرة صلاة، مبدأها صلاة العشاء من ليلة الجمعة، ومنتهاها صلاة الفجر من يوم الاثنين عشر من شهر ربيع الأول. (بذل القوة فى حوادث سنى النبوة، ص: ٣٠٠، طبع جامعة السند، حيدر آباد پاكستان بحواله حاشيه آپ كے مسائل)

علالت کے ایام میں ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں (جو بعد میں آپ ﷺ کی آخری آرام گاہ بنی) اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو وصیت فرمائی:

''انتقال کے بعد مجھے غسل دو اور کفن پہناؤ اور میری چار پائی میری قبر کے کنارے (جو اسی مکان میں ہوگی) رکھ کر تھوڑی دیر کے لئے نکل جاؤ، میرا جنازہ سب سے پہلے جبریلؑ پڑھیں گے، پھر میکائیلؑ، پھر اسرافیلؑ، پھر عزرائیلؑ، ہر ایک کے ہمراہ فرشتوں کے عظیم لشکر ہوں گے، پھر میرے اہل بیت کے مرد، پھر عورتیں بغیر امام کے (تنہا تنہا) پڑھیں، پھر تم لوگ گروہ در گروہ آکر (تنہا تنہا) نماز پڑھو''۔

چنانچہ اسی کے مطابق عمل ہوا، اوّل ملائکہ نے آپ ﷺ کی نماز پڑھی، پھر اہل بیت کے مردوں نے، پھر عورتوں نے، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے، سب نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی، کوئی شخص امام نہیں تھا (٣٠٢)۔

---

(٣٠٢): في السيرة النبوية: فلما فرغ من جهاز رسول الله ﷺ يوم الثلاثاء، وضع في سريرة في بيته، وقد كان المسلمون اختلفوا في دفنه. فقال قائل: ندفنه في مسجده، وقال قائل: بل ندفنه مع أصحابه، فقال أبوبكر: اني سمعت رسول الله ﷺ يقول: ما قبض نبي الا دفن حيث يقبض، فرفع فراش رسول الله ﷺ الذي توفي عليه، فحفر له تحته، ثم دخل الناس على رسول الله ﷺ يصلون عليه أرسالاً، دخل الرجال، حتى اذا فرغوا أدخل النساء، حتى اذا فرغ النساء أدخل الصبيان، ولم يؤم الناس على رسول الله ﷺ أحد. (السيرة النبوية، الصلاة عليه ودفنه، ج: ٤، ص: ٣١٤، ٣١٥، ط، دار الكتاب العربي بيروت لبنان/ تاريخ الطبري، ذكر جهاز رسول الله ﷺ ودفنه، ج: ٣، ص: ٢١٣، ط، دار المعارف مصر)

وفي بذل القوة: وفيها في أيام مرضه صلى الله عليه وسلم وكونه صلى الله عليه وسلم في بيت عائشة رضي الله عنها، أوصىٰ لأصحابه فقال: اذا أنا مت فاغسلوني وكفنوني واجعلوني على سريري هذا، على شفير قبري في بيتي هذا ثم

آنحضرت ﷺ کو غسل حضرت علی کریم اللہ وجہہ نے دیا، حضرت عباس اوران کے صاحبزادے فضل اور قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی مدد کررہے تھے، نیز آنحضرت ﷺ کے دوموالی حضرت اسامہ بن زید اور حضرت شقران رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی غسل میں شریک تھے، آنحضرت ﷺ کو تین سحولی (موضع سحول کے بنے ہوئے) سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا(۳۰۳)۔

أخرجوا عني ساعة فأول من يصلي على جبريل، ثم ميكائيل، ثم اسرافيل، ثم ملك الموت، كل واحد منهم بجنوده، ثم يصلي على رجال أهل بيتي، ثم نسائهم، ثم ادخلوا أنتم فوجاً فوجاً فصلوا علي، فوقع كما قال صلى الله عليه وسلم، فصلى عليه صلى الله عليه وسلم أولاً الملائكة عليهم السلام، ثم رجال أهل بيته، ثم نسائهم، ثم رجال المهاجرين، ثم الأنصار، ثم النساء، ثم الغلمان، فصلوا كلهم افذاذا منفردين لايؤمهم أحد. (بذل القوة، ص: ۲۹۹، وأيضاً الروض الأنف، ج: ۲، ص: ۳۷۷ بحواله حاشيه آپ کے مسائل)

(۳۰۳):في تاريخ الطبري: عن عبدالله بن ابى بكر، وكثير بن عبدالله وغيرهما من أصحابه، عمن يحدثه، عن عبدالله بن عباس، أن على بن أبى طالب والعباس بن عبدالمطلب والفضل ابن العباس وقثم بن العباس وأسامة بن زيد وشقران مولى رسول الله ﷺ هم الذين ولوا غسله، وان أوس بن خولى أحد بنى عوف ابن الخزرج، قال لعلى بن أبى طالب: أنشدك الله يا على، وحظنا من رسول الله! وكان أوس من أصحاب بدر، وقال: ادخل، فدخل فحضر غسل رسول الله ﷺ، فأسنده على بن أبى طالب الى صدره، وكان العباس والفضل وقثم هم الذين يقلبونه معه، وكان أسامة بن زيد وشقران مولياه هما اللذان يصبان الماء، وعلى يغسله قد أسنده الى صدره، وعليه قميصه يدلكه من ورائه، لايفضى بيده الى رسول الله ﷺ وعلى يقول: بأبى أنت وأمى! ما أطيبك حيا وميتاً! ولم ير من رسول الله شيء مما يرى من الميت. (تاريخ الطبرى، ذكر جهاز رسول الله ﷺ ودفنه،

آنحضرت ﷺ کے وصال کے روز (۱۲ ربیع الاوّل) کو سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی، اوّل اوّل مسئلہ خلافت پر مختلف آراء پیش ہوئیں۔ لیکن معمولی بحث وتمحیص کے بعد بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتخاب پر اتفاق ہوگیا اور تمام اہل حل وعقد نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی (۳۰۴)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱، ص: ۱۹۰ تا ۱۹۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



ج: ٣، ص: ٢١١، ٢١٢، ط، دار المعارف بمصر)

وفی أسد الغابة: وغسله علی، والفضل بن العباس، والعباس، وصالح مولاه وهو شقران، وأوس بن خولی الأنصاری وفی رواية أسامة بن زيد، وعبدالرحمٰن بن عوف، وكان علی يلی غسله والعباس والفضل وقثم، وأسامة وصالح يصبون عليه.

قال علی: فما كنا نريد أن نرفع منه عضوا لنغسله الا رفع لنا ولم ينزعوا عنه ثيابه، وكفن فی ثلاثة أثواب بيض سحولية ليس فيها قميص ولاعمامة، ونزل فی قبره علی، والعباس، والفضل، وقثم، وشقران، وأسامة، وأوس بن خولی. (أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ذكر وفاته ومبلغ عمره ﷺ، ج: ١، ص: ١٤٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۳۰۴):فی البداية: فلما مات (صلى الله عليه وسلم)........فجاء الصديق من منزله حين بلغه الخبر فدخل علی رسول الله ﷺ منزله وكشف الغطاء عن وجهه وقبله وتحقق أنه مات...... ورجع الناس كلهم اليه وبايعه فی المسجد جماعة من الصحابة ووقعت شبهة لبعض الأنصار، حتى بين لهم الصديق أن الخلافة لاتكون الا فی قريش، فرجعوا اليه وأجمعوا عليه كما سنبينه وتنبيه عليه. (البداية والنهاية، ج: ٥، ص: ٢٤٤، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (البداية والنهاية، قصة سقيفة بنی ساعدة، ج: ٥، ص:

آپ ﷺ کی نماز جنازہ کس طرح ادا کی گئی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نبی کریم سرور دوعالم ﷺ کی نماز کس نے پڑھائی اور کتنے آدمی شریک جماعت تھے؟ اور جنازہ کی نماز کہاں کس جگہ پڑھائی گئی؟ کیا مرد عورتیں سب نے مل کر پڑھی یا صرف مردوں نے؟ نماز جنازہ کیا ایک مرتبہ ہوئی یا کئی بار ہوئی؟ اور کس سن اور کس دن کہاں جنازہ رکھ کر نماز پڑھائی گئی؟ اور جس نے پڑھائی ہے اس کا نام تحریر فرمائیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

آپ ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاوّل بروز پیر کو ہوئی۔ اور آپ ﷺ پر تمام صحابہ وصحابیات بچے اور غلام سبھوں نے نماز جنازہ انفراداً حجرۂ شریفہ میں ادا فرمائی، چنانچہ ایک جماعت حجرۂ شریفہ میں داخل ہوتی اور جب یہ فارغ ہو کر نکلتی تو دوسری جماعت داخل ہوتی اور یہ سلسلہ منگل سے لے بدھ کی رات تک جاری رہا، اس کے بعد تدفین عمل میں آئی، لیکن کسی نے کسی کی امامت نہیں کی، ہاں البتہ نماز جنازہ اس طرح سے پڑھی گئی کہ پہلے اہل بیت، پھر مہاجرین، پھر انصار، پھر عورتیں، پھر بچے، پھر غلاموں نے نماز جنازہ دا فرمائی۔
(مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۲۱۷، سیرۃ المصطفی ۳/ ۱۸۷)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فلما فرغ من جهازه يوم الثلثاء وضع على سريره في بيته، ثم دخل الناس على رسول اللہ ﷺ ارسالا يصلون عليه حتى اذا فرغوا ادخلوا النساء

---

۲۴۵ تا ۲۵۰، ط، مکتبة المعارف بيروت لبنان/ تاريخ الطبري، ذكر الخبر عما جرى بين المهاجرين والأنصار في أمر الامارة في سقيفة بني ساعدة، ج: ۳، ص: ۲۱۸ تا ۲۲۳، ط، دار المعارف مصر)

حتى اذا فرغوا ادخلوا الصبيان، ولم يؤم الناس على رسول الله ﷺ أحد...... ثم دفن رسول الله ﷺ وسط الليل من ليلة الأربعاء. الحديث (ابن ماجة، باب ذكر وفاته و دفنه ﷺ ١/١١٨، دارالسلام، رقم: ١٦٢٨، شمائل ترمذی، النسخة الهندية ٢٧، تاريخ الطبری ٢/٢٣٩، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٣٧، أسد الغابة، دارالفكر ١/٤١) فقط والله سبحانه وتعالیٰ علم۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ٢، ص: ١٠٠، ١٠١، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ١، ص: ١٨٨، ١٨٩، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضور ﷺ کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی تھی؟

﴿سوال﴾:

نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ ہوئی تھی یا نہیں؟ اور آپ ﷺ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی تھی؟ براہ کرم جواب عنایت فرمائیں، کیونکہ آج کل یہ مسئلہ ہمارے درمیان کافی بحث کا باعث بنا ہوا ہے۔

﴿الجواب﴾:

آنحضرت ﷺ کی نماز جنازہ عام دستور کے مطابق جماعت کے ساتھ نہیں ہوئی، اور نہ اس میں کوئی امام بنا۔ ابن اسحاق وغیرہ اہل سیر نے نقل کیا ہے کہ تجہیز و تکفین کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جنازہ مبارک حجرۂ شریف میں رکھا گیا، پہلے مردوں نے گروہ در گروہ نماز پڑھی، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے (٣٠٥)۔

---

(٣٠٥):في البداية: وقال محمد بن اسحاق حدثني الحسين بن عبدالله بن

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نشر الطیب میں لکھتے ہیں:

''اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب آپ کا جنازہ تیار کر کے رکھا گیا تو اوّل مردوں نے گروہ در گروہ ہو کر نماز پڑھی، پھر عورتیں آئیں، پھر بچے آئے، اور اس نماز میں کوئی امام نہیں ہوا(۳۰۶)۔'' (نشر الطیب ص:۲۴۴ مطبوعہ تاج کمپنی)

علامہ سہیلیؒ ''الروض الانف'' (ج:۲ ص:۳۷۷ مطبوعہ ملتان) میں لکھتے ہیں:

''یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، اور ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

عبیداللّٰہ بن عباس عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال: لما مات رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم أدخل الرجال فصلوا علیه بغیر امام أرسالاً حتی فرغوا، ثم أدخل النساء فصلین علیه، ثم ادخل الصبیان فصلوا علیه، ثم أدخل العبید فصلوا علیه أرسالاً، لم یأمهم علی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم أحد.

وقال الواقدی حدثنی أبی بن عیاش بن سهل بن سعد عن أبیه عن جده قال: لما أدرج رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فی أکفانه وضع علی سریره، ثم وضع علی شفیر حفرته، ثم کان الناس یدخلون علیه رفقاء رفقاء لایؤمهم علیه أحد. (البدایة و النهایة، کیفیة الصلاة علیه صلی اللہ علیہ وسلم، ج: ٥، ص: ٢٦٥، ط، مکتبة المعارف بیروت لبنان)

(۳۰۶):عن ابن عباسؓ قال لما أرادوا أن یحفروا لرسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثوا الی أبی عبیدة بن الجراح وکان یضرح کضریح أهل مکة وبعثوا الی أبی طلحة وکان هو الذی یحفر لأهل المدینة وکان یلحد فبعثوا الیهما رسولین وقالوا اللّٰهم خر لرسولک فوجدوا أبا طلحة فجیء به ولم یوجد أبوعبیدة فلحد لرسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فلما فرغوا من جهازه یوم الثلاثاء وضع علی سریره فی بیته ثم دخل الناس علی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم أرسالاً یصلون علیه حتی اذا فرغوا أدخلوا الصبیان ولم یؤم الناس علی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم أحد.الخ. (سنن ابن ماجة، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاته ودفنه صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ١١٧، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

کے حکم ہی سے ہوسکتا تھا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت فرمائی تھی"۔

علامہ سہیلیؒ نے یہ روایت طبرانی بزار کے حوالے سے، حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد (ج:۸ص:۴۲۷) میں بزار اور طبرانی کے حوالے سے (۳۰۷) اور حضرت تھانویؒ

---

(۳۰۷):عن عبداللّٰہ بن مسعودؓ قال نعی الینا حبیبنا ونبینا بأبی هو ونفسی له الفداء قبل موته بست فلما دنا الفراق جمعنا فی بیت أمنا عائشةؓ فنظر الینا فدمعت عیناه ثم قال مرحبا بکم وحیاکم وحفظکم اللّٰہ آواکم اللّٰہ ونصرکم اللّٰہ رفعکم اللّٰہ هداکم اللّٰہ رزقکم اللّٰہ وفقکم اللّٰہ سلمکم اللّٰہ قبلکم اللّٰہ أوصیکم بتقوی اللّٰہ وأوصی اللّٰہ بکم وأستخلفه علیکم انی لکم نذیر مبین أن لاتعلوا علی اللّٰہ فی عباده وبلاده فان اللّٰہ قال لی ولکم تلک الدار الآخرة نجعلها للذین لایریدون علوا فی الأرض ولافساداً والعاقبة للمتقین وقال ألیس فی جهنم للمتکبرین ثم قال قد دنا الأجل والمنقلب الی اللّٰہ والی سدرة المنتهی والی جنة المأوی والکأس الأوفی والرفیق الأعلی أحسبه قال فقلنا یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فمن یغسلک اذا قال رجال أهل بیتی الأدنی فالأدنی قلنا ففیم نکفنک قال فی ثیابی هذه ان شئتم أو فی حله یمینه أو فی بیاض مضر قال فقلنا فمن یصلی علیک منا فبکینا وبکی وقال مهلا غفر اللّٰہ لکم وجازاکم عن نبیکم خیراً اذا غسلتمونی ووضعتمونی علی سریری فی بیتی هذا علی شفیر قبری فاخرجوا عن ساعة فان أول من یصلی علی خلیلی وجلیسی جبریل صلی اللّٰہ علیه وسلم ثم میکائیل ثم اسرافیل ثم ملک الموت مع جنوده ثم الملائکة صلی اللّٰہ علیهم بأجمعها ثم ادخلوا علی فوجاً فوجاً فصلوا علی وسلموا تسلیما ولاتؤذونی بباکیة أحسبه قال ولاضارخة ولارانة ولیبدأ بالصلاة علی رجال أهل بیتی ثم أنتم بعد وأقرؤا أنفسکم منی السلام ومن غاب من اخوانی فأقرؤه منی السلام ومن دخل معکم فی دینکم بعدی فانی أشهدکم أنی أقرأ السلام أحسبه قال علیه وعلی کل من تابعنی علی دینی من یومی هذا الی یوم القیامة قلنا یارسول اللّٰہ

نے نشر الطیب میں واحدی کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

''ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر نماز کون پڑھے گا؟ فرمایا: جب غسل کفن سے فارغ ہوں، میرا جنازہ قبر کے قریب رکھ کر ہٹ جانا، اوّل ملائکہ نماز پڑھیں گے، پھر تم گروہ در گروہ آتے جانا اور نماز پڑھتے جانا، اوّل اہل بیت کے مرد نماز پڑھیں، پھر ان کی عورتیں، پھر تم لوگ۔'' (نشر الطیب ص:۲۰۲ طبع سہارنپور)

سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک گروہ کے ساتھ نماز پڑھنا نقل کیا ہے (۳۰۸)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱ص:۱۸۹، ۱۹۰، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



فمن يدخلك قبرك منا قال رجال أهل بيتي مع ملائكة كثيرة يرونكم من حيث لاترونهم. رواه البزار وقال روى هذا عن مرة عبدالله من غير وجه والأسانيد عن مرة متقاربة وعبدالرحمٰن لم يسمع هذا من مرة انما أخبره عن مرة ولانعلم رواه عن عبدالله غير مرة، قلت رجاله رجال الصحيح غير محمد بن اسماعيل بن سمرة الأحمسي وهو ثقة، ورواه الطبراني في الأوسط بنحوه الا أنه قال قبل موته بشهر، وذكر في اسناده ضعفاء منهم أشعث بن طابق قال الأزدي لايصح حديثه. والله اعلم. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب علامات النبوة، باب في وداعه صلى الله عليه وسلم، ج: ۹، ص: ۲۴، ۲۵، ط، دار الكتاب العربي بيروت لبنان)

(۳۰۸): في البداية: قال الواقدي حدثني موسى بن محمد بن ابراهيم قال وجدت كتاباً بخط أبي فيه انه لما كفن رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضع سريره، دخل أبوبكر وعمر رضي الله عنهما ومعهما نفر من المهاجرين والأنصار كما سلم أبوبكر وعمر ثم صفوا صفوفاً لايؤمهم أحد فقال أبوبكر وعمر وهما في الصف الأول حيال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللّهم انا نشهد أنه قد بلغ ما انزل عليه، ونصح لأمته، وجاهد في

حضور ﷺ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم میں سے جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو باقی مسلمان اس کی جنازہ پڑھتے ہیں، اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ کیا حضور ﷺ کی بھی نماز جنازہ پڑھی گئی؟ اگر آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو آپ کی نماز کس نے پڑھائی؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضور ﷺ کی نماز جنازہ ہوئی تھی لیکن مستقل امامت کسی نے نہیں کی بلکہ جنازہ حجرہ شریفہ میں رکھ دیا گیا تھا اور لوگ باری باری حجرہ شریفہ میں آتے اور انفرادی طور پر نماز پڑھ کر چلے جاتے۔

لما فی شمائل الترمذی (ص ٢٧): عن سالم بن عبید وكانت له صحبة رواية...... قالوا یاصاحب رسول الله ﷺ أتصلى على رسول الله ﷺ قال نعم قالوا وكيف قال يدخل قوم فيكبرون ويدعون ويصلون ثم يخرجون ثم يدخل قوم فيكبرون ويصلون ويدعون ثم يخرجون حتى يدخل

سبيل الله حتى اعز الله دينه وتمت كلمته، وأومن به وحده لاشريك له، فاجعلنا الهنا ممن يتبع القول الذى انزل معه، وأجمع بيننا وبينه حتى تعرفه بنا وتعرفنا به فانه كان بالمؤمنين رؤفا رحيما، لانبتغي بالايمان به بديلا ولانشترى به ثمناً أبدا فيقول الناس: آمين آمين ويخرجون ويدخل آخرون حتى صلى الرجال، ثم الصبيان. (البداية والنهاية، كيفية الصلاة عليه ﷺ، ج: ٥، ص: ٢٦٥، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

الناس......

فی سنن ابن ماجة (ص ١١٧): عن ابن عباس روایة...... ثم دخل الناس علی رسول الله ﷺ ارسالا یصلون علیه حتی اذا فرغوا ادخلوا النساء حتی اذا فرغوا ادخلو الصبیان ولم یؤم الناس علی رسول الله ﷺ احد.

وفی حاشیة النووی علی الصحیح لمسلم (١/ ٣١٢): والصحیح الذی علیه الجمهور انهم صلوا علیه فرادی فکان یدخل فوج یصلون فرادی ثم یخرجون ثم یدخل فوج اخر فیصلون کذلک ثم دخلت النساء بعد الرجال ثم الصبیان. (نجم الفتاوی، ج: ١، ص: ٢٥٩)



حضور ﷺ کے جنازہ میں کتنی تاخیر ہوئی؟

﴿سوال﴾:

مختلف کتب میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی نماز جنازۃ تین دن تک پڑھی جاتی رہی۔ کیونکہ جگہ تنگ تھی اس لئے لوگ باری باری پڑھتے تھے۔ یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔

١: جنازہ کو جلد دفن کرنے کا حکم ہے تو پھر جنازہ کو تین دن تک کیوں روکا گیا؟

٢: نماز جنازہ مکان کے اندر نہیں بلکہ کھلے میدان میں پڑھنے کا حکم ہے۔ پھر تنگ جگہ میں کیوں پڑھی گئی؟

٣: نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اگر ایک شخص بھی ادا کردے تو سب کے ذمہ سے ادا ہوجاتا ہے پھر تمام مسلمانوں کا انتظار کرتے کرتے تین دن تک جنازہ مبارک کو روکے رکھنا کیا بے حرمتی نہیں ہے؟

﴿الجواب﴾:

آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ دوشنبہ کے دن قریب دوپہر یا بعد زوال ہوئی۔

(کما فی البدایہ: ج ٥: ص ٢٤٤)

وتوفی رسول اللہ ﷺ حین اشتد الضحیٰ من ذلک الیوم (ای یوم الاثنین. ناقل) وقیل عند زوال الشمس.

چند صفحوں کے بعد پھر مصنف تحریر فرماتے ہیں۔ ص ۲۵۵ پر:

وھذا الحدیث فی الصحیح وھو یدل علی ان الوفاۃ وقعت بعد الزوال.

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ کسی اختلاف وانتشار سے پہلے امامت کی وحدت کو محفوظ رکھنے کی مؤثر تدبیر کی جائے۔ کیونکہ لامرکزیت مذہب وملت کے لئے سمِ قاتل ہے۔ چنانچہ جنگ جمل وصفین کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ معمولی اختلاف کو فتنہ پردازوں نے کن مہیب نتائج سے دوچار کرادیا۔

بہر حال انتخاب خلیفہ کی فکر ہوئی اور حضرات صحابہ کرامؓ نے کچھ بحث وتمحیص کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرلیا۔ اہل حل وعقد کے اجتماع، بحث وتمحیص، تمام صحابہؓ کی بیعت میں دوشنبہ کا باقی ماندہ حصہ (جو تقریباً چند گھنٹے ہوگا) اور سہ شنبہ کی رات گزر گئی اور سہ شنبہ کے دن میں آنحضرت ﷺ کی نماز جنازہ انفرادی طور پر پڑھی جاتی رہی اور یہ سلسلہ سہ شنبہ کی شام تک اور آئندہ متصل رات تک جاری رہا۔ اور سہ شنبہ اور چہار شنبہ کی درمیانی رات جو کہ شرعاً چہار شنبہ کی رات ہے میں آنحضرت ﷺ دفن فرمادیئے گئے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان رسول اللہ ﷺ توفی یوم الاثنین ودفن لیلۃ الاربعاء. (البدایہ والنہار: ج ٥: ص ٢٦٠)

اسی کے بارے میں ج ۵: ص ۲۷۱۔ پر تحریر فرماتے ہیں:

وهو الذی نص علیه غیر واحد من الائمة سلفا وخلفا منهم سلیمان طرخان التیمی وجعفربن محمد الصادق وأبن أسحق وموسٰی بن عقبة وغیر هم.

ان روایات سے ظاہر ہے کہ دفن میں تین دن کی تأ خیر واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ وفات شریفہ سے صرف تقریباً چھتیس (۳٦) گھنٹوں کے اندر اندر دفن مبارک سے فراغت ہوگئی تھی۔ تین دن کی تاخیر والی روایت معتمد نہیں۔ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

فقوله مکث ثلٰثة ایام لایدفن غریب والصحیح انه مکث بقیة یوم الاثنین ویوم الثلثاء بکماله ودفن لیلة الاربعاء کما قدمناه واللّٰه اعلم. (البدایه: ج ۵: ص ۲۷۱)

تفصیل بالا کے پیش نظر آپ کے سوالات کا بالترتیب جواب یہ ہے۔

۱: تین دن تک تاخیر واقع نہیں ہوئی۔لہٰذا جنازہ کو تین دن تک روکے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲: نماز جنازہ چونکہ انفرادی طور پر پڑھی گئی لہٰذا اس کے لئے حجرہ شریفہ جیسے متبرک مقام کو چھوڑ کر وسیع جگہ کی تلاش بے سود تھی۔ کیوں کہ وسیع جگہ میں بھی نماز انفرادی طور پر ہی پڑھی جاتی۔

اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی نماز جنازہ کے لئے یہی (انفرادی) طریقہ متعین تھا۔

۳: تین دن تک روکے رکھنا ہی غلط ہے پس اس سے العیاذ باللہ بے حرمتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ایک روایت کی رو سے جنازہ کا یہ طریقہ خود آنحضرت ﷺ کا تجویز فرمودہ تھا(۳۰۹) **کما رواه البیهقی عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه وان نظر فی**

---

(۳۰۹):عن عبداللّٰه بن مسعودؓ قال نعی الینا حبیبنا ونبینا بأبی هو ونفسی له الفداء قبل موته بست فلما دنا الفراق جمعنا فی بیت أمنا عائشةؓ فنظر الینا فدمعت عیناه ثم قال مرحبا بکم وحیاکم وحفظکم اللّٰه آواکم اللّٰه ونصرکم اللّٰه رفعکم اللّٰه

صحته ابن كثير و الله اعلم پس شبہ نہ کیا جاوے۔فقط اللہ اعلم۔(خیر الفتاوی، ج:۱، ص:۳۱۸تا ۳۲۰، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



هـداكـم الـلـه رزقـكـم الـلّه وفقكم الله سلمكم الله قبلكم الله أوصيكم بتقوى الله وأوصـى الـلّه بكم وأستخلفه عليكم انى لكم نذير مبين أن لاتعلوا على الله فى عباده وبـلاده فـان الله قال لى ولكم تلك الدار الآخرة نـجـعلها للذين لايريدون علوا فى الأرض ولافسـاداً والـعـاقبة لـلـمتقين وقال أليس فى جهنم للمتكبرين ثم قال قد دنا الأجـل والـمنقلب الى الله والى سدرة الـمـنتهى والى جنة المأوى والكأس الأوفى والـرفيق الأعلى أحسبه قال فقلنا يارسول اللهﷺ فمن يغسلك اذا قال رجال أهل بيتى الأدنى فالأدنى قلنا ففيم نكفنك قال فى ثيابى هذه ان شئتم أو فى حله يمينه أو فـى بـيـاض مـضـر قـال فقلنا فمن يصلى عليك منا فبكينا وبكى وقال مهلا غفر الله لـكـم وجـازاكـم عـن نبيكم خيراً اذا غسلتمونى ووضعتمونى على سريرى فى بيتى هـذا عـلـى شـفـير قبرى فاخرجوا عن ساعة فان أول من يصلى على خليلى وجليسى جبـريـل صلى الله عليه وسلم ثم ميكائيل ثم اسرافيل ثم ملك الموت مع جنوده ثم الـمـلائـكة صلى الله عليهم بأجمعها ثم ادخلوا على فوجاً فوجاً فصلوا على وسلموا تسـلـيما ولاتؤذونى بباكية أحسبه قال ولاضارخة ولارانة وليبدأ بالصلاة على رجال أهـل بيتـى ثم أنتم بعد وأقرؤا أنفسكم منى السلام ومن غاب من اخوانى فأقرؤه منى الـسـلام ومـن دخل معكم فى دينكم بعدى فانى أشهدكم أنى أقرأ الـسـلام أحسبه قال عـلـيـه وعـلـى كل من تابعنى على دينى من يومى هذا الى يوم القيامة قلنا يارسول الله فـمـن يـدخـلـك قبرك منا قال رجال أهل بيتى مع ملائكة كثيرة يرونكم من حيث لاتـرونهـم. رواه البـزار وقـال روى هـذا عن مرة عبدالله من غير وجه والأسانيد عن مرة متـقاربة وعبدالرحمٰن لم يسمع هذا من مرة انما أخبره عن مرة ولانعلم رواه عن عبـدالله غير مرة، قـلـت رجـالـه رجـال الصحيح غير محمد بن اسماعيل بن سمرة الأحـمـسـى وهـو ثقة، ورواه الطبرانى فى الأوسط بنحوه الا أنه قال قبل موته بشهر،

آپ ﷺ کے مرض الموت کا ایک واقعہ

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض الموت میں قلم اور کاغذ منگوایا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھا کر کہا کہ (العیاذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکواس کررہے ہیں۔ کیا واقعی مرض الموت میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اصل جواب سے پہلے ضروری ہے کہ اس واقعہ کے پس منظر کو سمجھ لیا جائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو نبی کریم ﷺ سے حد درجہ محبت تھی جس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ جب تک آپ کو دیکھ لیتے اس وقت تک ان کو سکون وچین نہیں آتا تھا۔ اب کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا یہاں تک کہ یہ محبت ان کو مکہ سے مدینہ لے گئی اور صحابہ نے آپ کے لئے اپنا گھربار اور آل واولاد تک کو چھوڑ دیا، نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے اور بعض غزاوت میں مقابلے پر اتر آئے تو انہوں نے اپنی اولاد یا قرابت کسی چیز کی پروہ نہ کی۔ اتنی شدید محبت میں کافی عرصہ گزرنے کے بعد جب آپ ﷺ کا آخری وقت قریب آگیا اور مرض کی شدت میں اضافہ ہوگیا تو ایک طرف آپ کی تکلیف صحابہ سے دیکھی نہ جاتی تھی اور دوسری طرف آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کا غم انہیں کھائے جارہا تھا۔

اسی دوران جبکہ آپ کے مرض نے شدت اختیار کرلی تو آپ نے فرمایا کہ ''قلم اور

وذكر في اسناده ضعفاء منهم أشعث بن طابق قال الأزدي لايصح حديثه. والله اعلم. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب علامات النبوة، باب في وداعه ﷺ، ج: ۹، ص: ۲۴، ۲۵، ط، دار الكتاب العربي بيروت لبنان)

دوات لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے لکھوادوں‘‘۔اب اس موقع پر اختلاف ہو گیا، بعض صحابہ قلم دوات لانا چاہتے تھے اور بعض نہیں لانا چاہتے تھے۔ جو لانا چاہتے تھے اسکی وجہ آپ کے ارشاد کی تعمیل تھی اور جو نہیں لانا چاہتے تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ کو شدید تکلیف میں آرام کی ضرورت ہے ایسے موقع پر آپ کو لکھواتے ہوئے زیادہ تکلیف ہو گی اس لئے انہوں نے قلم دوات نہ لانے میں بھلائی سمجھی۔

ایسے موقع پر یہ جملہ بولا گیا’’ **اھجر استفھموہ** ‘‘ جس کے مطلب میں علماء نے فرمایا:

ا...... یہ جملہ ان صحابہ نے بولا جو قلم دوات لانا چاہتے تھے۔تو مطلب یہ ہوگا کہ قلم دوات لے آؤ اگرچہ شدت بیماری کی وجہ سے بتقاضائے بشریت آپ شدید تکلیف میں ہیں لیکن ایسی حالت نہیں ہے کہ آپ کی بات نہ سمجھی جاسکے۔

۲...... جب صحابہ نے آپ کو شدت تکلیف میں دیکھا اور آپ نے قلم دوات بھی منگوانا چاہی گویا آخری وصیت لکھی جارہی ہے تو شدت غم میں صحابہ نے کہا کہ آپ سے پوچھ لو کیا آپ ہمیں چھوڑ کر جارہے ہیں۔اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس جملہ کی نسبت کی جائے تو آپ نے اس وجہ سے فرمایا تاکہ آپ ﷺ کو تکلیف نہ ہو چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت اس کی مؤید ہے جس میں فرمایا کہ ہمارے پاس کتاب اللہ موجود جو ہمارے لئے کافی ہے لہٰذا آپ کو تکلیف نہ دی جائے۔

یہ تھا اصل معاملہ، لیکن شریعت مطہرہ کو جس طرح دنیا سے مٹانے کی کوششیں کی گئیں اسی طرح ان کوششوں اور طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے براہ راست شاگرد اور دنیائے اسلام کو اسلام کی اصل روح پہنچانے والی جماعت پر اعتراضات کر کے ان کی عدالت کو مجروح کر دیا گیا تاکہ لوگوں کا ان پر اعتماد ختم ہو جائے اور جب ان پر اعتماد ختم ہو جائے گا تو اسلام بھی مٹ جائے گا کیونکہ اگر انہیں ہٹا دیا جائے تو قرآن کی تشریح جو سنت نبوی سے کی گئی اور آپ کے عملی نمونوں کی شکل میں موجود ہے ختم

ہوجائے گی اس طرح آہستہ آہستہ قرآن کی من مانی تشریحات شروع ہوجائیں گی۔ پھر امت کا وہی حال ہوگا جو پہلی امتوں کا ہو چکا چنانچہ یہ اعتراض بھی ان ہی کوششوں اور طریقوں کا ایک حصہ ہے جس کی اصل حقیقت واضح ہوچکی لیکن ان کی کوششوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اس شریعت مطہرہ کے بارے میں اعلان فرمایاویأبی اللہ الاان یتم نورہ ولو کرہ الکفرون. اللہ تعالیٰ اس روشنی کوان ملحدین کے دلوں تک پہنچادیں۔ آمین

لمافي الصحيح البخارى (٢/ ٦٣٩): حدثنا عبد الله بن يوسف ...... عن عائشة قالت مات النبى صلى الله عليه وسلم وانه لبين حاقنتي وذاقنتي فلا اكره شدة الموت لاحد بعد النبي ﷺ.

وفيها ايضا (٢/ ٦٣٨):حدثنا قتيبة قال.... قال ابن عباس يوم الخميس ومايوم الخميس اشتد برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وجعه فقال ائتونى اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده ابدا فتنازعوا ولا ينبغي عند نبى تنازع فقالوا ماشانه أهجر استفهموه فذهبوا يردون عنه فقال دعونى......
وفى رواية عن ابن عباس قال: لما حضر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وفى البيت رجال فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هلموا اكتب لكم كتابا لاتضلو بعده قال بعضهم ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قد غلبه الوجع وعندكم القرآن حسبنا كتاب الله فاختلف اهل البيت فاختصموا فمنهم من يقول قربوا يكتب كتابا لاتضلوا بعده ومنهم من يقول غير ذلک فلما اكثروا اللغوا والاختلاف

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قوموا...... (وھکذا نقل فی الصحیح (۱/ ۴۲۹)فی باب جوائز الوفد والفاظھا فقالو أھجر رسول اللّٰہ ا قال دعونی......)

وفی عمدۃ القاری (۴/۲۹۸): أھجر بھمزۃ الاستفھام الانکاری ای انکروا علی من قال لاتکتبوا ای لاتجعلوہ کامر من ھذی فی کلامہ.

وفیھا ایضا (۲/ ۱۷۱): قال البیھقی قصد عمر رضی اللّٰہ عنہ تخفیف علی النبی ﷺ حین غلبہ الوجع ولو کان مرادہ علیہ الصلوۃ والسلام ان یکتب مالایستغنون عنہ لم یترکھم لاختلافھم.

وعلی ھامش البخاری (۲/۶۳۸): وان صح بدون الھمزۃ فھو انہ لما اصابہ الحیرۃ والدھشۃ یعظم ماشاھدہ من ھذہ الحالۃ الدالۃ علی وفاتہ وعظم المصیبۃ.... او ھو الھجر ضد الوصل ای یھجر من الدنیا. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۵۷، ۲۵۸)



حضور ﷺ کا پردہ فرمانے کے بعد دنیا میں کسی سے ملاقات کے لئے آنا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں (الف) حضور پاک ﷺ کیا بعد وفات اپنی قبر سے اٹھ کر دنیا میں تشریف لا کر کسی اللہ کے نیک بندے کو پانی پلا جائیں یہ ممکن ہے؟ ایسا عقیدہ رکھنا شرک تو نہیں؟

(ب): ایسے جبرئیل علیہ السلام کسی غیر نبی حضور اکرم ﷺ کے امتی کو پانی پلا جائیں یا کچھ اور کام کر جائیں، کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ اگر ہاں تو فبہا ورنہ ایسا عقیدہ رکھنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضور ﷺ کا بعد الوفات دنیا میں تشریف لا کر کسی کی ضرورت پوری کرنے کے سلسلے میں بندہ کو کوئی صریح روایت نہیں مل سکی، اس لئے بندہ اس سلسلے میں کچھ لکھنے سے قاصر ہے، البتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا حدیث صحیح سے ثابت ہے، چنانچہ بحکم خدا کسی خاص شخص کی اعانت ومدد کر سکتے ہیں۔

عن أنس بن مالک۔ رضی اللہ عنہ۔ قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذا کان لیلة القدر نزل جبرئیل علیه السلام فی کبکبة من الملائکة. (شعب الایمان، باب فی الصیام: فی لیلة العیدین ویومهما، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/٣٤٣، رقم: ٣١٧١٧، مشکوة شریف ١/١٨٤) فقط واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ٢، ص: ١٤٦، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



آپ ﷺ کے دست اقدس کو حضرت رفاعیؒ نے بوسہ دیا

﴿سوال﴾:

حضرت سید احمد کبیر رفاعیؒ مدینہ تشریف لے گئے اور آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کی تو سرورکائنات ﷺ کا دست مبارک نمودار ہوا اور حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ یہ حقیقت کہاں تک سچی ہے۔ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

﴿الجواب﴾:

حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ''شرف مختم'' میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ وہ روایت کرتے ہیں کہ شیخ کمال الدینؒ سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور وہ شیخ مراغی سے اور وہ شیخ عزالدین احمد فاروقی کے واسطے اور وہ اپنے والد شیخ ابو اسحاق ابراہیم سے اور وہ اپنے باپ شیخ عزالدین عمر سے رحمہم اللہ تعالیٰ کہ میں ۵۵۵ھ میں سید احمد رفاعی کے ساتھ سفر حج میں تھا۔ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضہ شریف پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا۔ السلام علیکم یا جدی (اے نانا جان! آپ پر سلام) وہاں سے جواب عطا ہوا وعلیک السلام یا ولدی (تجھ پر سلام اے میرے بیٹے) کہ اس کو تمام اہل مسجد نے سنا۔ حضرت سید احمد رفاعی پر وجد شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک رویا کئے اور شدت شوق میں عرض کیا۔ یا جداہ

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وهی نائبتی
وهذه دولة الاشیاح قد حضرت
فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی

یعنی! اے نانا جان! حالت بعد میں اپنی روح کو حضور ﷺ میں بھیج دیا کرتا تھا وہ

نائب بن کر زمین بوس ہوجاتی تھی۔اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے سوذرا اپنا دایاں دست مبارک دیجئے تا کہ میرا لب اس کے بوسہ سے مشرف ہوجائے! پس فوراً آپ ﷺ کا دست مبارک چمک اور مہک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی۔اور سید رفاعیؒ نے اس کا بوسہ لیا۔(مجمع الجورص١٨٢)

اس عظیم الشان واقعہ کی تفصیل بالسند کتب معتبرہ میں نقل کی گئی ہے شک وشبہ کی ضرورت نہیں۔ اولیاء اللہ سے کرامت کا ظاہر ہونا، عقل اور نقل دونوں طریقہ سے ثابت ہے۔قرآن اور حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔اصل فعل باری تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ بندہ کو اس کے ظہور کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور اس طرح بارگاہ رب العزت میں اس کے تقرب اور اس کی مقبولیت کی شہادت مہیا کی جاتی ہے(٣١٠)۔

---

(٣١٠):في شرح العقيدة الطحاوى: ونؤمن بما جاء في كرامة الأولياء، لأنه قد ورد في القرآن قصة عرش بلقيس، وقول ذلك الولى وهو آصف بن برخيا، وهو رجل من أصحاب سليمان عليه السلام لم يكن نبياً على ما حكى الله تعالىٰ بقوله: ﴿قال الذى عنده علم من الكتاب أنا اٰتيک به قبل أن يرتد اليک طرفک فلما راٰه مستقرا عنده قال هٰذا من فضل ربى﴾ [النمل: ٤٠]

وقصة مريم وما ظهر لها من خوارق من رزق الشتاء في الصيف، ورزق الصيف في الشتاء، وظهور النخلة في الصخر وتساقط الرطب عليها من أعظم الكرامات لمريم على ما حكى الله بقوله: ﴿كلما دخل عليها زكريا المحراب وجد عندها رزقا﴾ [آل عمران: ٣٧]، و بقوله: ﴿وهزى اليک بجذع النخلة تساقط عليک رطبا جنيا﴾ [مريم: ٢٥]

والآثار والأخبار في كرامات الأخيار مستفيضة.

وكل كرامة ظهرت على يدى ولى فهى معجزة لنبى، لأنه انما أكرم الله الولى بتلک الكرامات ببركة متابعة النبى، فكل مايظهر في يده يكون دليلاً على صدق النبى، فلاتكون الكرامة قط قادحة في المعجزة بل هى مؤيدة لها دالة عليها

مرغی کا بیضہ چاروں طرف سے قلعہ کی طرح بند ہوتا ہے۔ اس میں ذرا بھی سوراخ نہیں ہوتا مگر پھر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی بند قلعہ سے اچانک ایک بچہ نکل آتا ہے جو بہت کمزور ہوتا ہے۔ اگر قادر ذوالجلال کی یہی قدرت کارفرما ہو اور نبی کریم ﷺ کا دست مبارک (جن کی حیات مسلمہ حقیقت ہے) قبر شریف سے باہر نکلے تو اس میں خلاف عقل کیا بات ہے؟ البتہ خلاف عادت ضرور ہے۔ اسی لئے اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔ اولیائے کرام رحمہم اللہ سے جو باتیں ظاہر ہوں وہ کرامت کہلاتی ہیں۔ مگر ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا معجزہ ہوتا جس کا یہ امتی ہے اور جن کی اتباع اور پیروی کے صلہ میں اس کو یہ کمال حاصل ہوا ہے۔ اس طرح پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا وغیرہ بھی کرامتیں ہیں جن کو حسی کرامت کہا جاتا ہے (یعنی جو آنکھوں سے نظر آئیں) یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عموماً کرامتوں ہی کو کمال سمجھا جاتا ہے۔ مگر اہل کمال کے نزدیک "کرامت معنوی" کمال ہے، یعنی شریعت مصطفوی ﷺ پر مضبوطی سے ثابت قدم رہنا زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر ایک موقع پر سنت اور غیر سنت کے فرق کو سمجھ کر سنت رسول ﷺ کی مکمل اتباع اس کا شوق اور اس کی لگن اور دل سے توجہ الی اللہ اور اشتغال باللہ کہ ایک دم اور ایک سانس بھی غفلت میں نہ گذرے۔ حضرت محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک بزرگ چشتیہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ:

مجھ کو کئی سال نسبت حق میں قبض تھا۔ آپ کے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قبض کی شکایت کی تو حضرت خواجہ کی توجہ ودعا سے میری حالت قبض بسط سے بدل گئی۔ آپ بھی کچھ توجہ فرمائیں کیونکہ حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے حوالہ کردیا ہے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ان کے جواب

خلافاً لما زعمت المعتزلة من حيث انه لايبقى فرق بين الولي والنبي لو جوزنا ظهور المعجزة في يد الولي. (شرح عقيدة الامام الطحاوى، بيان أن النبوة أفضل من الولاية والايمان بكرامات الأولياء، ص: ١٥٧، ١٥٨)

میں فرمایا کہ میرے پاس تو اتباع سنت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ سنتے ہی ان بزرگ پر حال طاری ہوا اور کثرت نسبت اور قوت باطنی کے اثرات سے سرہند شریف کی زمین جنبش کرنے لگی۔ حضرت امام ربانیؒ نے ایک خادم سے فرمایا کہ طاق میں سے مسواک اٹھالاؤ۔ آپ نے مسواک کو زمین پر پٹک دیا اسی وقت زمین ساکن ہوگئی اور ان بزرگ کی کیفیت جذبی بھی جاتی رہی۔ اس کے بعد آپ نے ان بزرگ سے فرمایا کہ تمہاری کرامت سے زمین سرہند جنبش میں آگئی اور اگر فقیر دعا کرے تو ان شاء اللہ سرہند شریف کے مردے زندہ ہوجائیں۔ لیکن میں تمہاری اس کرامت (جنبش زمین سے اور اپنی اس کرامت سے کہ دعا سے سرہند شریف کے تمام مردہ زندہ ہوجائیں) اثناء وضو میں بطریق مسواک کرنا بدرجہا افضل جانتا ہوں۔ (دیباچہ درلا ثانی شاہ محمد ہدایت علی جیپوری ج ۳ ص ۲۔۷)

حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ کامل متقی اور متبع سنت اور بدعت کے سخت دشمن تھے۔ آپ کی بنیادی تعلیم یہ تھی کہ خدا کی تلاش رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ کرو۔ (البنیان المشید ص ۴) اور اس محمدی ﷺ طریقہ کی اساس کو سنت کو زندہ کرکے اور بدعات کو مٹا کر مضبوط کرو۔ (ایضاً ص ۸)

کرامت اتباع سنت کا ثمرہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی اتباع کے بغیر کوئی کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک فضیلت اور ہر ایک کمال آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ کی شریعت کی تابعداری ہی پر موقوف ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۳۵)

لہٰذا طریقہ سنت کی اتباع کے بغیر جو کوئی بھی تعجب کی بات دیکھنے میں آئے وہ ہرگز کرامت نہیں استدراج اور شیطانی حرکت ہے۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری نظروں میں ایسا کمال والا آدمی ہو جو ہوا پر مربعاً چوکڑی مار کر آلتی پالتی لگا کر بیٹھتا ہو اور پانی پر چلتا ہو تو جب تک تم امتحان نہ کرلو کہ احکام اسلام اور شرعی حدود کی پابندی میں کیسا ہے، ہرگز اس کو نظر میں

نہ لاؤ۔

حضرت بسطامیؒ سے کہا گیا کہ فلاں آدمی ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے تو آپؒ نے فرمایا کہ شیطان تو ایک جھپک میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جاتا ہے حالانکہ وہ لعنۃ اللہ میں گرفتار ہے۔ (بصائر العشائر ص ٦١٢)

پیشواء طریقت حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ واصل الی اللہ ہونے کی بے شمار طریقے اور راستے ہیں مگر مخلوق کے لئے تمام راستے بند ہے۔ اس کے لئے صرف وہی راستہ کھلا ہوا ہے جو اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہراہ ہے۔

حضرت ابو حفص کبیر حدا درحمۃ اللہ علیہ جو اہل طریقت میں بڑے بزرگ تھے، فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اقوال، حالات اور امور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی میزان میں نہیں تولے اور خواہشات نفس کو برا نہ سمجھا تو اس کو بزرگوں کی فہرست میں داخل نہ کرو۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ:۔ اے فرزند! آنچہ فردا بکار خواہد آمد متابعت صاحب شریعت است علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ، احوال ومواجید علوم ومعارف واشارات ورموز اگر باآں متابعت جمع شوند فبہا ونعمت والا جز خرابی واستدراج ہیچ نیست۔

یعنی اے فرزند جو چیز کل کو (قیامت میں) کارآمد ہوگی، وہ صاحب شریعت ﷺ کی متابعت اور پیروی ہے۔ درویشانہ حالات اور عالمانہ وجد، علوم ومعارف، صوفیانہ رموز واشارات اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کے ساتھ ہوں تو بے شک بہت بہتر ہیں؟ اور اگر یہ باتیں پابندی شریعت اور اتباع سنت کے جوہر کے بغیر ہوں تو خرابی اور استدراج کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۸۵ مطبع مرتضوی دہلی)

اور فرمایا باوجود مخالفت شریعت اگر چہ برابر سر موئے باشد اگر بالفرض احوال ومواجید دست دہد داخل استدراج است آخر وار سوا خواہند ساخت۔ خلاصی بے اتباع محبوب رب

العالمین علیہ وعلی الہ من الصلوٰۃ افضلھا ومن التسلیمات اکملھا ممکن نیست.(مکتوبات امام ربانی ج ا ص ١٠٠) یعنی شریعت کے خلاف کرنے کے باوجود چاہے وہ بال برابر ہی ہو، اگر مان لو کہ احوال اور کوائف حاصل ہو جاویں تو وہ سب استدراج شمار ہوں گے، کار پردازان قضاوقدر آخر کار اس کو شرمندہ اور ذلیل کریں گے۔ محبوب رب العالمین ﷺ کی اتباع کے بغیر خلاصی اور نجات ممکن نہیں۔(مکتوب امام ربانی ج ا ص ١٠٠)

اس زمانہ میں پیرزادے یا ایسے لوگ جن سے کوئی تعجب خیز بات ظاہر ہوئی ہو، غوث، قطب یا پیر تسلیم کر لئے جاتے ہیں، چاہے ان کے عقائد واعمال کتنے ہی خلاف شرع ہوں چاہے وہ داڑھی منڈے اور سینما کے ایکٹر ہوں (انا اللہ الخ) یہ کتنی بڑی گمراہی ہے حق تعالیٰ فہم سلیم وتوفیق صحیح نصیب فرمائے۔ آمین۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہر گز بمنزل نخواہ رسید

جس نے پیغمبر ﷺ کے طریقہ کے خلاف کوئی راستہ اختیار کیا وہ کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچے گا۔

پسندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پے مصطفےٰ

سعدی! یہ گمان کرنا کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابعداری کے بغیر راہ راست حاصل ہو جائے گا فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔(فتاوی رحیمیہ، ج:٣، ص:٤٤ تا ٤٧، ط، دار الاشاعت کراچی)



رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارکہ کی زیارت کا کیا حکم ہے؟

﴿سوال﴾:

کیا غیر مقلدوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ کا سفر نا جائز ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو بحوالہ کتب جواب دیجئے؟ اس بارے میں علماء دیوبند کا نظریہ کیا ہے؟ جائز مانتے ہیں یا نا جائز؟

﴿جواب﴾:

ہاں غیر مقلدین آنحضرت ﷺ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو نا جائز کہتے ہیں ان کے مذہبی مقتدی مولانا نور الحسن خاں صاحب کی کتاب ”عرف الجادی“ میں ہے:

”وجہ منع از سفر زیارت خواہ قبور انبیاء باشد وغیر ایشاں آنست کہ دلیلے بر جواز آن از کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس قائم نیست واز سلف ثابت نشدہ“ (ص ۲۵۷)

علمائے دیوبند کا نظریہ ایسا نہیں ہے، علمائے دیوبند کا اعتقاد یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے مزار مبارک کی زیارت افضل المستحبات بلکہ قریب بواجب ہے، اور بڑی فضیلت اور اجر عظیم کا موجب ہے۔ علمائے دیوبند کے جلیل القدر عالم و بزرگ مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی ثم المدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ ﷺ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے“۔

”عندنا وعند مشائخنا زيارة قبر سيد المرسلين (روحی فداه) من اعظم القربات واهم المندوبات و انجح

لنيل الدرجات بل قريبة من الواجبات ".

اور آگے چل کر فرماتے ہیں:

"وينوى وقت الارتحال زيارته عليه الف الف تحية وسلام وينوى معها زيارة مسجده ﷺ وغيره من البقاع والشاهد الشريفة بل الاولى ما قال العلامة الهمام بن الهمام ان يجرد النية لزيارة قبره عليه الصلوٰة والسلام ثم يحصل له اذا قدم زيارة المسجد لان فى ذلک زيارة تعظيمه واجلاله ﷺ ويوافقه قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من جاء نى زائراً لاتحمله حاجة الا زيارتى كان حقا على ان اكون شفيعاً له يوم القيامة (٣١١).

(ترجمہ) اور سفر کے وقت آنحضرت ﷺ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات وزیارت گاہاے متبرکہ کی بھی نیت کرے بلکہ بہتر وہ ہے جو علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد نبوی ﷺ کی بھی زیارت حاصل ہوجائے گی۔ اس صورت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضرت کے ارشاد سے ہورہی ہے کہ جو میری زیارت کو آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں"۔ (التصدیقات ص ۵)

اور دوسرے جلیل القدر بزرگ ومحدث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ روضہ پاک کی زیارت کے فضائل بیان کرنے کے بعد ہدایت فرماتے ہیں کہ:

(٣١١): (المهند على المفند، ص: ٣٠، نفيس منزل كريم پارك لاهور)

''جب مدینہ کا عزم ہو تو بہتر یہ ہے کہ روضہ اطہر ﷺ کی زیارت کی نیت کر کے جائے''۔ (زبدۃ المناسک ''جدید'' ص ۱۱۳)

اور تیسرے بزرگ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:

''مدینہ منورہ کی حاضری محض سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہئے......اسی وجہ سے میرے نزدیک بہتر یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیے اور آنحضرت ﷺ کے توسل سے نعمت قبولیت حج وعمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے، مسجد کی نیت خواہ وہ تبعاً کرلی جائے مگر اولی یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی جائے تاکہ لاتحملہ الا زیارتی والی روایت پر عمل ہو جائے۔

مکتوب نمبر ۴۵ مکتوبات شیخ الاسلام (صفحہ ۱۲۹۔۱۳۰ ج ۱) فقط واللہ بالصواب۔

(فتاوی رحیمیہ، ج:۳،ص:۳۷، ۳۸، ط، دارالاشاعت کراچی)



روضہ رسول اللہ ﷺ خلاف شریعت نہیں ہے

﴿سوال﴾:

ایک صاحب کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا روضہ مبارکہ غلط اور خلاف شریعت بنایا گیا ہے کیونکہ قبروں پر آبادی ممنوع ہے تو ایسے شخص کے قول کے بارے میں کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا.

﴿الجواب﴾:

لایخفی ان النبی ﷺ نهی عن البناء علی القبور کما رواه مسلم (۳۱۲) وغیره وقال ابوبکر الصدیق رضی الله عنه

(۳۱۲):عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه. (صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبر و البناء

سمعت رسول اللہ ﷺ قال ما قبض اللہ نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ ادفنوہ فی موضع فراشہ رواہ الترمذی (٣١٣). ولا ریب فی ان النبی ﷺ توفی فی البیت والبناء فلا بدان یکون قبرہ مخصوصا من سائر القبور ویکون البناء علی قبرہ المبارک جائزاً ومن تمسک بالحدیث المحرم ولم ینظر الی الحدیث العارض فھو مسلم نجدی ولاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم. وھو الموفق (فتاوی فریدیہ، ج: ١، ص: ٤٦٦)



روضۂ اقدس ﷺ سے دستِ مبارک کا نکلنا

﴿سوال﴾:

سرور کائنات احمد مجتبیٰ ﷺ کا دست مبارک قبر مبارک سے کسی کے مصافحہ کے واسطے نکلنا صحیح ہے؟ اور از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

سرور کائنات حضرت رسول مقبول محمد ﷺ کا دست مبارک مزار اقدس سے نکلنا

علیہ، ص: ٣٩٠، رقم: ٢٢٤٥، ط، دار السلام ریاض)

(٣١٣): عن عائشة رضی اللہ عنھا قالت: لما قبض رسول اللہ ﷺ اختلفوا فی دفنہ، فقال أبوبکر: سمعت من رسول اللہ ﷺ شیئاً ما نسیتہ، قال: ما قبض اللہ نبیاً الا فی الموضع الذی یحب أن یدفن فیہ، ادفنوہ فی موضع فراشہ. (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی وفاۃ رسول اللہ ﷺ، ص: ٤٦١، ٤٦٢، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

بعض اولیاء کے لئے شرعاً ممکن ہے محال نہیں، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''الحاوی للفتاوی'' میں ایسا واقعہ بھی نقل کیا ہے(۳۱۴)۔قبر اطہر میں حیات بھی احادیث سے ثابت ہے(۳۱۵)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۳۹۰)



(۳۱۴):فی الحاوی للفتاوی: وقال الشیخ تاج الدین عطاء اللّٰہ فی لطائف المنن: قال رجل للشیخ أبی العباس الموسی: یا سیدی! صافحنی بکفک ھذہ، فانک لقیت رجالاً وبلاداً، فقال: واللّٰہ ما صافحت بکفی ھذہ الا رسول اللّٰہ ﷺ. وفی المجامیع: حج سیدی أحمد الرفاعی، فلما وقف تجاہ الحجرۃ الشریفۃ أنشد:

فی حالۃ البعد روحی کنت أرسلھا

تقبل الأرض عنی وھی نائبتی

وھذہ دولۃ الأشباح قد حضرت

فامدد یمینک کی تحظی بھا شفتی

فخرجت الید الشریفۃ من القبر الشریف فقبلھا. (الحاوی للفتاوی، کتاب البعث، تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک، ج: ۲، ص: ۳۱۲، ۳۱٤، دار الکفر)

(۳۱۵):عن أوس بن أوس عن النبی ﷺ قال: ان من أفضل أیامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم علیہ السلام، وفیہ قبض، وفیہ النفخۃ، وفیہ الصعقۃ، فأکثروا علی من الصلاۃ فان صلاتکم معروضۃ علی، قالوا: یارسول اللّٰہ! وکیف تعرض صلاتنا علیک وقد أرمت؟ أی یقولون! قد بلیت؟ قال: ان اللّٰہ عزوجل قد حرم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء علیھم السلام. (سنن النسائی، کتاب الجمعۃ، باب اکثار الصلاۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ، ص: ۱۹٤، رقم: ۱۳۷۵، ط، دار السلام ریاض)

الانبیاء أحیاء فی قبورھم یصلون. (ع) عن أنس. وفی حاشیۃ التنویر: أخرجہ أبو یعلی (۳۴۲۵)، قال ابن حجر: فی الفتح (۶/ ۴۸۷): أخرجہ البیھقی فی کتاب حیاۃ الأنبیاء فی قبورھم وصححہ، وصححہ الألبانی فی صحیح الجامع (۲۷۹۰).

حضرت عیسیٰؑ کی طرح آنحضرت ﷺ کو آسمان پر کیوں نہ اٹھالیا گیا

﴿سوال﴾:

خلاصہ سوال یہ ہے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کی وفات کیوں ہوئی؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر کیوں نہ اٹھائے گئے؟

﴿الجواب﴾:

حق تعالیٰ کے معاملات ہر شخص کے ساتھ جداجدا اگانہ ہیں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرے کہ جو معاملہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کیا وہی موسیٰ علیہ السلام

(التنوير شرح الجامع الصغير، ج: ٤، ص: ٥٠٧، رقم: ٣٠٧٤، ط، مكتبة دار السلام رياض)

وفى المهند: عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة ﷺ حى فى قبره الشريف و حيٰوته ﷺ دنيوية من غير تكليف وهى مختصة به ﷺ وبجميع الأنبياء صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هى حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطى فى رسالته انباء الاذكياء بحيٰوة الانبياء حيث قال قال الشيخ تقى الدين السبكى "حيٰوة الانبياء والشهداء فى القبر كحيٰوتهم فى الدنيا ويشهد له صلوة موسىٰ عليه السلام فى قبره فان الصلٰوة تستدعى جسداً حياً" الى اٰخر ما قال "فثبت بهذا ان حيٰوته دنيوية برزخية لكونها فى عالم البرزخ" ولشيخنا شمس الاسلام والدين محمد قاسم العلوم على المستفيدين قدس الله سره العزيز فى هذا المبحث رسالة مستقلة دقيقة الماخذ بديعة المسلك لم ير مثلها قد طبعت و شاعت فى الناس واسمها "آب حيات" اى ماء الحيٰوة. (المهند على المفند، ص: ٣٦،٣٧،ط، قديمى كتب خانه كراچى)

کے ساتھ کیوں نہ کیا اور جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا وہی ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیوں نہ کیا اور نہ صرف ان معاملات وواقعات سے ایک نبی کو دوسرے نبی پر کوئی ترجیح وتفضیل دی جاسکتی ہے جب تک دوسری صحیح وصریح روایات تفضیل پر دلالت نہ کریں انبیاء علیہ السلام کی تاریخ پڑھنے والوں پر مخفی نہیں کہ بعض انبیاء کو آروں کے ذریعہ دو ٹکڑے کردیا گیا اور بعض کو آگ میں ڈالا گیا اور بعض کو خندق وغیرہ (۳۱۶) میں پھر کسی پر آفات

---

(۳۱۶): **فی البداية: وقد اختلفت الرواية عن وهب بن منبه هل مات زكريا عليه السلام موتاً أو قتل قتلاً على روايتين فروى عبدالمنعم بن ادريس بن سنان عن أبيه عن وهب بن منبه أنه قال هرب من قومه فدخل شجرة فجاؤا فوضعوا المنشار عليهما فلما وصل المنشار الى أضلاعه أن فأوحى الله اليه لئن لم يسكن أنينك لأقلين الارض ومن عليها فسكن انينه حتى باثنتين.** (البداية والنهاية، ج: ۲، ص: ٥٢، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

وفي تفسير الخازن: يروى أن اليهود قتلت سبعين نبياً في أول النهار، وقامت الى سوق بقلها في آخره وقتلوا زكريا ويحيى وشعياء وغيرهم من الأنبياء. (تفسير الخازن المسمى لباب التأويل في معاني التنزيل، سورة البقرة، الآية: ١، ج: ١، ص: ٥٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي تفسير الثعالبي: روى أن بني اسرائيل كانوا يقتلون في اليوم ثلاثمائة نبي، ثم تقوم سوقهم آخر النهار، وروى سبعين نبياً، ثم تقوم سوق بقلهم آخر النهار. (تفسير الثعالبي المسمى بالجواهر الحسان في تفسير القرآن، سورة البقرة، الآية: ٨٧، ج: ١، ص: ٢٧٧، ط، دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

وفي الدر المنثور: أخرج أبو داؤد الطيالسي، وابن أبي حاتم، عن ابن مسعودؓ قال: كانت بنو اسرائيل في اليوم تقتل ثلاثمائة نبي، ثم يقيمون سوق بقلهم في آخر النهار. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة البقرة، الآية: ٦١، ج: ١، ص: ٣٨٨/ تفسير ابن كثير، سورة البقرة، الآية: ٦١، ج: ١، ص: ٢٨٣، ط، دار طيبه)

ومصائب اول جاری کردیئے پھر آخرالامر بچالیا اور کسی کو اول ہی سے محفوظ رکھا اب یہ سوال کرنا کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر زندہ رکھا گیا ہے ایسے ہی حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ معاملہ کیوں نہ کیا گیا یہ تو ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ جو معاملہ موسیٰ علیہ السلام اور لشکر فرعون کے ساتھ بنص قرآن کیا گیا وہی معاملہ نبی کریم ﷺ اور کفار مکہ کے ساتھ کیوں نہ ہوا کہ جنگ احد میں حضور ﷺ کا دندان مبارک شہید ہونے اور چہرہ انور زخمی ہونے کی نوبت آئی آپ کو ہجرت کر کے وطن اور مکہ چھوڑنا پڑا غار میں چھپنا پڑا (۳۱۷) سب کفار قریش پر ایک دفعہ ہی آسمانی بجلی کیوں نہ آگئی یا دریا میں غرق کیوں نہ

---

(۳۱۷):في السيرة النبوية: قال ابن اسحاق: وانكشف المسلمون، فأصاب فيهم العدو، وكان يوم بلاء وتمحيص، أكرم الله فيه من أكرم من المسلمين بالشهادة، حتى خلص العدو الى رسول اللهﷺ. فدث بالحجارة حتى وقع لشقه، فأصيبت رباعيته، وشج في وجهه، وكلمت شفته، وكان الذى أصابه عتبة بن أبي وقاص.

قال ابن اسحاق: فحدثني حميد الطويل، عن أنس بن مالك، قال: كسرت رباعية النبيﷺ يوم أحد، وشج في وجهه، فجعل الدم يسيل على وجهه، ويجعل يمسح الدم وهو يقول: كيف يفلح قوم خضبوا وجه نبيهم، وهو يدعوهم الى ربهم؟ فأنزل الله عزوجل في ذلك ﴿ليس لك من الامر شيء أو يتوب عليهم أو يعذبهم فانهم ظالمون﴾. (السيرة النبوية، ج: ۳، ص: ۴۲، ۴۳، ط، دار الكتاب العربي)

وفيه ايضاً: هجرة الرسولﷺ: وأقام رسول اللهﷺ بمكة بعد أصحابه من المهاجرين ينتظر أن يؤذن له في الهجرة، ولم يتخلف معه بمكة أحد من المهاجرين الا من حبس أو فتن، الا علي بن أبي طالب، وأبوبكر بن أبي قحافة الصديق رضي الله عنهما، وكان أبوبكر كثيراً ما يستأذن رسول اللهﷺ في الهجرة، فيقول له رسول اللهﷺ: لاتعجل لعل الله يجعل لك صاحباً....قال: وخرج عليهم رسول اللهﷺ، فأخذ حفنة من تراب في يده، ثم قال: أنا أقول ذلك، أنت أحدهم. وأخذ

ہوگئے، جیسے یہ سوال حضرت حق تعالیٰ کے معاملات میں بے جا ہیں ایسے ہی یہ بھی بالکل بے جا اور نا معقول سوال ہے کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھا آپ کو بھی زندہ آسمان پھر رکھنا چاہئیے تھا۔ کیونکہ زیادہ دنوں تک زندہ رہنا یا آسمان پر رہنا ان سے کوئی فضیلت نبی کریم ﷺ پر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ زیادتی عمر فضیلت ہوتی تو بہت سے صحابہ کرامؓ اور عوام امت کی عمریں آپ سے دوگنی چوگنی ہوئی ہیں ان کو بھی افضل کہہ سکیں گے اور اسی طرح اگر آسمان میں رہنا یا چڑھنا ہی مدار فضیلت ہو تو فرشتوں کو حضور ﷺ سے افضل ماننا لازم آئے گا جو نصوص شرعیہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ (امداد المفتین ،ص:۱۲۸ تا ۱۳۰، ط، دار الاشاعت کراچی)



اللّٰہ تعالی علی أبصارهم عنه، فلا یرونه، فجعل ینشر ذلک التراب علی رؤوسهم وهو یتلو هؤلاء الآیات من یٓس: ﴿یٓس. والقرآن الحکیم. انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم. تنزیل العزیز الرحیم﴾.....الی قوله: ﴿فأغشیناهم فهم لایبصرون﴾ حتی فرغ رسول اللّٰہ ﷺ من هؤلاء الآیات، ولم یبق منهم رجل الا قد وضع علی رأسه تراباً، ثم انصرف الی حیث أراد أن یذهب، فأتاهم آت ممن لم یکن معهم، فقال: ماتنتظرون هناهنا؟ قالوا: محمداً: قال: خیبکم اللّٰہ! قد واللّٰہ خرج علیکم محمد، ثم ما ترک منکم رجلاً الا وقد وضع علی رأسه تراباً.....قال ابن اسحاق: فلما أجمع رسول اللّٰہ ﷺ الخروج، أتی أبا بکر بن أبی قحافة، فخرجا من خوخة لأبی بکر فی ظهر بیته، ثم عمداً الی غار ثور۔ جبل بأسفل مکة۔ فدخلاه وأمر أبو بکر ابنه عبداللّٰہ بن أبی بکر أن یتسمع لهما ما یقول الناس فیهما نهاره، ثم یأتیهما اذا أمسی بما یکون فی ذلک الیوم من الخبر، وأمر عامر بن فهیرة مولاه أن یرعی غنمه نهاره، ثم یریحها علیهما، یأتیهما اذا أمسی فی الغار. وکانت أسماء بنت أبی بکر تأتیها من الطعام اذا أمست بما یصلحهما. (السیرة النبویة، هجرة الرسول ﷺ، ص:١٢١ تا ١٢٧، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

کیا حضور ﷺ نے دنیاوی کاموں میں امت کو اختیار دیا ہے؟

﴿سوال﴾:

رسول اللہ ﷺ نے دنیاوی کاموں میں امت کو اختیار دیا ہے۔

﴿جواب﴾:

جو امور کہ خالص دنیوی حیثیت رکھتے ہیں اور شریعت سے کسی طرح ٹکرائے نہیں ان میں امت کو اختیار ہے کہ جو چاہے اپنے لئے پسند کرے (۳۱۸)۔ (کفایۃ المفتی، ج:۱،ص: ۸۵،ط، دارالاشاعت کراچی)



حضور ﷺ کی خدمت میں سلام بھیجنا اور مدینہ بلوانے کی درخواست کروانا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل چند زائرین مدینہ منورہ سے یا چند ساکنان مدینہ منورہ سے زبانی یا تحریری یہ عرض کرے کہ آپ صاحبان بارگاہ رسالت ﷺ میں میری جانب سے درود وسلام پیش کریں، بعدہٗ یہ عرض کریں کہ یارسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیے کہ اللہ رب العالمین عبد العزیز بن حبیب

---

(۳۱۸): عن أنس، أن النبی ﷺ مر بقوم یلقحون، فقال: لو لم تفعلوا لصلح قال: فخرج شیصاً، فمر بھم فقال: مالنخلکم؟ قالوا: قلت: کذا وکذا، قال: أنتم أعلم بأمر دنیاکم. (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قاله شرعاً، دون ما ذکره ﷺ من معایش الدنیا، علی سبیل الرأی، ص: ۱۰۳۹، رقم: ٦١٢٨، ط، دار السلام ریاض)

اللہ مراد آبادی کی تمام جائز دعائیں قبول فرمائے اور تمام جائز تمنائیں قبول فرمائے، کیا یہ شرعا جائز ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

جائز ہے۔ (مستفاد: فتای رشیدیہ قدیم ۱۰۲، جدید زکریا: ۷۴، فتاوی عزیز ۱/۸۹،۲/۱۰۸)

نسألک ان تسأل اللّٰہ تعالیٰ أن لا یقطع آثارنا من زیارۃ حرمک، وأن یعیدنا سالمین غانمین الی أوطاننا، وأن یبارک لنا فیما وھب لنا، وأن یرزقنا الشکر علی ذلک. الخ. (وفاء الوفاء ٢/٤٥٢، بحواله تسکین الصدور، مطبع نصرة العلوم گوجرانواله: ٣٧٥)

السلام علیک یارسول اللّٰہ! من فلان بن فلان یستشفع بک الی ربک. (غنیة خاتمة فی زیارة قبر الرسول، جدید ٣٧٩، قدیم ٢٠٤) فقط واللّٰہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

(فتاوی قاسمیه، ج: ٢، ص: ١٥٠، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ”نبی پاک“ کیوں کہتے ہیں؟

﴿سوال﴾:

ایک دفعہ امام صاحب نے دوران تقریر فرمایا کہ: ”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”نبی پاک“ اس لئے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا پیشاب بھی پاک تھا، آپ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لعابِ دہن بھی پاک تھا، حتیٰ کہ آپ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پاخانہ بھی پاک تھا“ بے شک یہ سب کچھ مانتے

ہیں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر پاک تھا تو پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طہارت کیوں فرماتے تھے؟

﴿جواب﴾:

طہارت کے لئے اور نظافت کے لئے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص: ۱۹۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضور ﷺ کے قیام کی کیفیت

﴿سوال﴾:

کیا آپ ﷺ کے کھڑے رہنے کے متعلق کچھ تفصیل مروی ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

محض کھڑا رہنا کوئی اہم مقصدِ زندگی نہیں ہے، میری نظر سے اس طرح کا کوئی ذکر نہیں گزرا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۴۸)



رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ ''سیدنا'' کا استعمال

﴿سوال﴾:

آں حضور ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ سیدنا کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں ہے(۳۱۹)؛ لہٰذا آپ ﷺ کے لئے لفظ سیدنا کا استعمال کرنا درست ہے۔ فقط واللہ

(۳۱۹):عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أنا سید ولد آدم یوم القیامة.

اعلم۔(فتاوی دارالعلوم وقف دیوبند، ج:۱،ص:۱۹۶، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی/ فتاوی رحیمیہ، ج:۳،ص:۴۲، ط، دارالاشاعت کراچی)



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے حقوق کی تفصیل

﴿سوال﴾:

بعض واعظ حضرات اپنی تقریروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی نسبی شرافت کا پرزور انکار کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے جو اہل بیت کرام کی تکریم ہے اس کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ اگر کسی سید مومن سے معصیت کا ارتکاب ہو جائے تو اس کیلئے عام اجلاس میں کنجر، کتے وغیرہ کے الفاظ مذمومہ خود بھی استعمال کرتے اور سامعین کو بھی مذکورہ الفاظ استعمال کراتے ہیں۔ کہ ساداتِ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی تعلق بالکل مفید نہیں ہے۔ تمام تر دارو مدار عمل صالح پر ہے۔ اور حتی کہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارا سید و شاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ہم پر ان کا کوئی احترام و تکریم ضروری نہیں ہے۔ ہم تو دین کے ہیں۔ سین (سید) شین (شاہ) کے نہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ بھائی خاندان نبوی سے تعلق رکھنا کوئی حکم شرعی نہیں۔

خلاصہ ان کی کلام کا یہ ہے کہ سید بحیثیت سید ہونے کے کوئی مستحقِ تکریم نہیں محض عمل ہی سبب تعظیم ہے۔ غرض اہل بیتِ کرام کی محبت ان حضرت کی تقریروں سے کم ہوتی جارہی ہے۔ اور اپنے خیال کے جو مؤیدات پیش فرماتے ہیں بعض حسب ذیل ہیں۔ مثلاً بعض

وأول من ينشق عنه القبر وأول شافع وأول مشفع. وفی تکملة فتح الملهم تحت هذا الحديث: ثم قد ورد هذا اللفظ عند الترمذی وغيره عن أبی سعيد الخدریؓ وعن ابن عباسؓ، وزاد فيه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم "ولافخر" ..الخ. (تكملة فتح الملهم، كتاب الفضائل، باب تفضيل نبينا صلی اللہ علیہ وسلم على جميع الخلائق، ج: ٤، ص: ٤١٤، ٤١٥، ط، دار احياء التراث العربی بيروت لبنان)

وقت ابولہب وابوجہل، کنعان وآذر کے قصص بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے اسلام ہی قبول نہیں کیا۔ اور لوگوں کو کہتے ہیں کہ دیکھو کنعان کو نوح علیہ السلام کے خاندان نبوت سے ہونے نے اور ابولہب وغیرہ کو حضور ﷺ نے اور آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی فائدہ نہ دیا۔

اور بعض اوقات آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں مثلاً ''سورۃ والعصر'' پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ''خسر'' کا تعلق مجموعہ ایمان وعمل صالح سے ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ جمیع اعمال صالح کے ساتھ ہے یا بعض کے ساتھ اگر بعض کے ساتھ ہے تو خود حضرات واعظین بھی ''خسر'' میں ہیں۔ اور الفاظ کنجر، کتے وغیرہ کے مستحق ہیں تو پھر سیّدوں کی تخصیص کیوں۔ اور بھی آیات مثل یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی الخ وغیرہ پڑھتے ہیں۔

اور کبھی حدیث ''اعملی'' پیش کرتے ہیں۔ غرض حضور اکرم ﷺ کے خاندانی شرف کے ختم ہونے کے واسطے جو آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں۔ ان کا تعلق مجموعۂ ایمان وعمل کے منتفی ہونے سے ہے۔ ایمان کے بعد شرف نسبی منتفی ہونے پر کوئی آیت بطور دلیل نہیں لاتے۔

اب امر طلب یہ ہے کہ خاندانِ نبوی ﷺ کی نسبی شرافت اسلام لانے کے بعد ہے یا نہیں؟ باتفاق علماء اگر جواب نفی میں ہے تو نفی کے صحیح دلائل کیا ہیں؟ اور پھر جن میں نسبی شرافت کا ثبوت ملتا ہے جو حسب ذیل ہیں ان کا کیا جواب ہے؟

ا: بخاری میں کتاب التفسیر **قوله الا المودة فی القربی عن ابن عباس** کے تحت حضرت مولانا احمد سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں:

> ''**قربی ال محمد ﷺ فحمل الآية علی امر المخاطبين بان تودوا اقاربه ﷺ وهو عام لجميع المكلفين الخ**''.

۲: حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے نسب منقطع ہوجائیں گے مگر میرا نسب منقطع

نہیں ہوگا۔ (نقل از مرقات حاشیہ مشکوٰۃ) جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رشتہ کیا۔

۳: مسئلہ زکوٰۃ وکفو میں متقی وفاسق کا کوئی فرق نہیں۔ اس سے فقہاءِ کرام کا نسبی شرافت کو باقی رکھنا مفہوم ہوتا ہے۔

۴: حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ نابالغی کی حالت میں فوت ہو چکے ہیں عدم شرافت نسبی کے ماتحت عام کلیہ کی بنا پر آ جائیں گے کہ اعراف میں ہوں گے یا خدّام میں۔ حالانکہ حدیث سے اس کے خلاف مفہوم ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ الی الدلائل العشرۃ جن میں شرافت نسبی کا ثبوت ملتا ہے

﴿الجواب﴾:

اہل بیت کرام کی محبت واتباع میں اس درجہ غلو کہ شریعت عظمیٰ کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے رفض وتشیع ہے اور ان سے بغض ودشمنی باعث خسران اور علامت خروج ہے پس اعتدال واجب ہے جو کہ اہل السنۃ والجماعت کا مسلک حق ہے۔ لہٰذا اس کی قدرے تفصیل متنازعہ فیہ امور کے بارے میں کی جاتی ہے۔ امور مذکورہ کی تنقیح یہ ہے۔

۱: اہل بیت کرام کی نسبی شرافت شرعاً معتبر ہے یا کہ نہ؟

۲: اگر معتبر ہے تو اہل اسلام کو اس کی رعایت کے بارے میں شارع علیہ السلام کی طرف سے کیا ہدایت دی گئی ہیں اور اہل بیت کرام کے کیا حقوق ہیں؟

۳: اور معصیت کی وجہ سے ان کے حقوق پر کوئی اثر پڑتا ہے یا کہ نہیں؟

تنقیحات بالا کا جواب نمبروار درج ذیل ہے۔

۱: آنحضرت **صلی اللہ تعالی علیہ وسلم** کے خاندان اور آپ **صلی اللہ تعالی علیہ وسلم** کی آل کی نسبی شرافت کا بعض احکام میں شرعاً اعتبار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ **نحن اهل بيت لا تحل لنا الصدقه** (۳۲۰). **بخاری** (بحر، ج

(۳۲۰): **في المرقات: روى البخاري عنه عليه الصلاة و السلام نحن أهل**

۲:ص:۲٦٥)(۳۲۱)۔ نیز ارشاد فرمایا ان اللّٰہ حرم علیکم یا بنی ہاشم غسالۃ ایدی الناس (۳۲۲)۔ تمام امت کے لئے زکوۃ کا مال لینا درست ہے (بشرط فقر) خواہ وہ کسی خاندان ہی سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ لیکن خاندان نبوت اور آپ کی آل کے لئے یہ

لاتحل لنا الصدقة. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب من لاتحل له الصدقة، الفصل الاول، ج: ٤، ص: ٢٩٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۳۲۱):(البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، ج: ٢، ص: ٤٢٩، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔ وقال الشيخ زكريا عميرات فى حاشية البحر: رواه الترمذى فى كتاب الزكاة، باب ٢٢، ٢٣۔ النسائى فى كتاب الزكاة، باب ٨٠، ٩٠۔ ابن ماجه فى كتاب الزكاة، باب ٢٦۔ الموطأ فى كتاب الزكاة حديث ٢٩۔ أحمد فى مسنده ٢/ ١٦٤، ١٩٢)

(۳۲۲):**فى نصب الرأية: قال عليه السلام: يا بنى هاشم ان اللّٰه تعالىٰ حرم عليكم غسالة الناس، وأوساخهم، وعوضكم منها بخمس. (قال الزيلعى)قلت: غريب بهذا اللفظ.** (نصب الرأية لأحاديث الهداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة اليه ومن لايجوز، ج: ٢، ص: ٤٠٣، ط، مؤسسة الريان بيروت لبنان)

وعنه (أى: ابن عباسؓ) قال بعث نوفل ابن الحارث ابنيه الى رسول اللّٰهﷺ فقال لهما انطلقا الى ابن عمكما لعله يستعين بكما على الصدقات لعلكما تصيبان شيئاً فتزوجان فلقيا عليا رضوان اللّٰه عليه وسلم بحاجتهما لعائشةؓ ارخى عليك سجفك أدخل على ابنى عمى فحدثا النبىﷺ بحاجتهما فقال نبى اللّٰهﷺ لايحل لكما أهل البيت من الصدقات شىء ولاغسالة أيدى الناس ان لكم فى خمس الخمس لما يغنيكم۔ أو يكفيكم. رواه الطبرانى فى الكبير وفيه حسين بن قيس الملقب بحنش وفيه كلام كثير وقد ثقه ابو محصن. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب الزكاة، باب الصدقة لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولآله ولمواليهم، ج: ٣، ص: ٩١، ط، دار الكتاب العربى بيروت لبنان)

مال حرام قرار دیا گیا ہے۔

مخفی نہیں کہ یہ مسئلہ تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔پس فقہاء کرام کی کلام سے اس بارے میں اقتباسات نقل کرنا تحصیلِ حاصل ہے البتہ بطور نمونہ ایک عبارت ''بدائع'' سے نقل کی جاتی ہے۔تحریمِ صدقہ کی احادیث نقل کرنے کے بعد اس کی علت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔

والمعنی ما اشار الیہ انھا من غسالۃ الناس فیتمکن فیھا الخبث فصان اللہ تعالیٰ بنی ھاشم من ذلک تشریفا لھم واکراما الخ (ج۲ ص۴۹) **(۳۲۳)**۔

مسئلہ کفائت میں بھی شرافت، نسب اور اس کی دنائت کا فی الجملہ اعتبار کیا گیا ہے۔ کمالا یخفٰی۔نیز امامت کے لئے اولیٰ ہونے میں بھی ایک درجہ کے اندر فقہاء نے شرافت نسب کا اعتبار کیا ہے (۳۲۴) کما فی درمختار شامی: ج۲:ص۵۲۱)۔پس معلوم ہوا کہ شرافتِ نسب کا بعض احکام میں شرعاً اعتبار کیا گیا ہے۔

۲: اہل بیت نبوی کے یہ حقوق ہیں کہ ان کے ساتھ محبت رکھی جائے۔مشکوٰۃ میں ہے کہ:

قال رسول اللہ ﷺ احبو اللہ لما یغذوکم من نعمتہ

---

(۳۲۳):(البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الزکاۃ، باب فصل وأما الذی یرجع الی المؤدی الیہ، ج: ۲، ص: ۴۹، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

(۳۲۴):فی الدر المختار: **(والأحق بالامامۃ) تقدیماً بل نصباً. مجمع الأنھر (الأعلم بأحکام الصلاۃ).....(ثم الأشرف نسباً).** (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، ج:۲، ص:۲۹۴، ۲۹۵، ط، دار عالم الکتب ریاض /مجمع الانھر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلاۃ، فصل فی الامامۃ، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

واحبوني لحب الله وأحبوا أهل بيتي لحبي (۳۲۵). (رواه الترمذي)

عترتِ رسول ﷺ سے محبت رکھنے کی ایک دوسری نفسیاتی وجہ بھی ہے جس کی طرف حدیثِ بالا میں اشارہ موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی محبت کا مامور بہا ہونا اور آپ کا جمیع امت کے لئے محبوب ہونا اظہر من الشمس ہے۔ تو اس محبت کی وجہ سے آپ کے متعلقین اور آپ کی آل کا محبوب ہونا ایک طبعی تقاضا ہے اور ایک ضروری امر ہے کہ جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے در و دیوار اور گلی کوچوں تک سے اُنس و محبت کا تعلق ہو جاتا ہے۔ پس جب آنحضرت ﷺ محبوب امت ہیں تو آپکی آل کا محبوب ہونا بھی لازم ہے یعنی آپ کی آل سے لازمی طور پر محبت ہونی چاہئے۔ تو ایک حق یہ ہوا کہ ان سے محبت رکھی جائے۔

۲: اہل بیت کا دوسرا حق یہ ہے کہ معاشرت میں ان کے ادب و احترام کا خصوصی لحاظ رکھا جائے۔ حدیث میں ہے۔

انی تارک فیکم ما ان تمسکم به لن تضلوا بعدی الخ کی شرح میں ملّا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔ **والمراد بالاخذ بهم التمسک بمحبتهم و محافظة حرمتهم الخ وقال ابن المبارک ومعنى التمسک محبتهم والاهتداء بهديتهم وسيرتهم زاد السيد جمال الدين اذالم يكن مخالفا للدين الخ.**

(مرقاة: ج ٥: ص ٦٠٠: طبع قديم) (۳۲۶)۔

---

(۳۲۵): (مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب أهل بيت النبي ﷺ رضي الله عنهم، الفصل الثالث، ص: ٥٧٣، ط، قديمي كتب خانه كراچي)

(۳۲۶): (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب أهل بيت النبي ﷺ ورضي الله عنهم، الفصل الثاني، ج: ١١، ص: ٣٠٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

۳: شارحین کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محافظتِ احترام کے علاوہ اہل بیت کا تیسرا حق یہ بھی ہے کہ ان کا اتباع بھی کیا جائے جب کہ وہ دین کے مخالف نہ ہوں۔

۴: ان کا چوتھا حق یہ ہے کہ ان کو ایذء دینے سے خصوصیت کے ساتھ بچا جائے۔ البتہ شرعی ضرورت کی صورتیں اس سے مستثنیٰ ہوں گی۔اور حدیث **اذکر کم اللہ فی اھل بیتی الخ** کی شرح میں ملا علی قاری نقل کرتے ہیں۔ **قال الطیبی ای احذرکم اللہ فی شان اھل بیتی واقول اتقوا اللہ ولا تؤذوھم واحفظواھم الخ (۳۲۷)۔**

اسی طرح اہل بیت کی فضیلت اور ان سے تعلق رکھنے کی ضرورت کو آنحضرت ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔ارشاد فرمایا ہے کہ۔

"الا ان مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا ھلک. (رواہ احمد) **(۳۲۸)۔**

اس حدیث سے مراد بھی یہی ہے کہ اہل بیت کی محبت اور متابعت کو لازم پکڑا جائے۔کما فی الشروح پس تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ خانوادۂ نبوت بہت سے فضائل کا حامل ہے اور ان کے خصوصی حقوق امت کے ذمہ ثابت ہیں۔

۳: "کیا ان کی معصیّت ان کے حق پر اثر انداز ہوتی ہے"؟ یعنی اگر ان سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو اہل اسلام کے ذمہ نہ تو ان کی محبت کا حکم باقی رہے اور نہ ان کی توقیر و تعظیم وغیرہ کا، کیا ایسا ہوگا؟

---

(۳۲۷):(مرقات المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب أھل بیت النبی ﷺ ورضی اللہ عنھم، الفصل الاول، ج: ۱۱، ص: ۲۹۵، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

(۳۲۸):(مشکاۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب أھل بیت النبی ﷺ رضی اللہ عنھم، الفصل الثالث، ص: ۵۷۳، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی معصیت سے ان کے حقوق امت کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوں گے۔ قواعد شرعیہ اور اکابر کی کلام سے یہ ہی مفہوم ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر مطلق معصیت کو مسقط حقوق کہا جائے تو کون سا انسان ہے باستثناء انبیاء علیہم السلام جس سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا۔ اور اہل بیت سے نبی کوئی ہوا نہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اہل بیت کا امت کے ذمہ کوئی حق نہیں۔ حالانکہ یہ خلاف منصوص ہے۔ اور اگر معصیت میں کوئی تحدید و تعیین کی جائے تو اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے جو اس وقت تک ہمارے علم میں موجود نہیں پس اہل بیت سے محبت اور ان کا اکرام واحترام باوجود معمولی معصیت کے بھی مامور بہ ہوگا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حکیم ترمذی سے نقل کیا ہے کہ نسبتِ طینی کا احترام باقی رہنا چاہئے اگرچہ نسبتِ دینی میں کمزوری ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

”ہر کہ جامع ایں دو صفت افتاد نسبت دینی را با نسبت طینی جمع گردا نید اتم واکمل شد از غیر خود چنانچہ بعضے از اولیاء کہ جامع اند میانِ علم وسیادت وولایت وباوجود آں رعایت ادب وتعظیم وتقدیم واداۓ حقوق نسبت طینی واجب ولازم است ھکذا قال الحکیم۔“ (اشعۃ اللمعات: ج ۴: ص ۶۹۶)۔

اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت نے ہر شخص کو اپنی ذمہ داریوں کا مکلّف بنایا ہے ترکِ معصیت ان کی ذمہ داری ہے اور اداۓ حقوق امت کے ذمہ واجب ہے۔ تو ان کی تقصیر سے ہماری کوتاہی قابل عفو نہیں سمجھی جاوے گی۔ تعلیماتِ شرعیہ سے یہی ظاہر ہے۔ چنانچہ اولاد و والدین مصدق ورب المال مولاۃ وولی وغیرہ کے لئے باہمی حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں شارع علیہ السلام نے اس قسم کی ہدایات دی ہیں کہ ہر فریق کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اگرچہ فریق ثانی اس کے زعم میں ظلم ہی کر رہا ہو۔ اس صورت میں بغض فی اللہ جو مامور بہ ہے اس پر عمل کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ قلب میں

ان کے اہل بیت اور مومن ہونے کی وجہ سے محبت واحترام رکھے لیکن اپنے طرز عمل سے ان کے معاصی کا مبغوض ہونا بھی کرتا ہے۔

واضح رہے کہ حکم بالا اس صورت میں ہوگا جب کہ سید پر معصیت اور فسق وفجور کا غلبہ نہ ہو۔ یا اس کی تعظیم وتکریم سے عوام کے دینی ضرر کا اندیشہ نہ ہو۔ یا وہ سید کسی بدعت کا داعی نہ ہو۔ اور مبتدعین کا سرغنہ نہ ہو، ورنہ ایسا کی صورت میں وہ مستحق تعظیم نہیں ہے۔ کیونکہ فرمان نبوی ہے۔

من وقّر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام او کما قال. (مشکوۃ ص ۳۱) (۳۲۹)۔

نیز یہ امر اس ارشاد نبوی سے بھی یہی ثابت ہے۔ **احبو اهل بیتی لحبی** کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیت سے محبت کرنے کا حکم ان کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے محبوب نبوی ہونے کی وجہ سے ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا فاسق مجاہر اور مبتدع محبت نبوی کے شرف سے سرفراز ہونے کا ہرگز مستحق نہیں۔ پس وہ قابل محبت اور لائق تعظیم نہیں۔ اس کی طرف اشارہ کیا ہے سید جمال الدین رحمہ اللہ نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے " **اذا لم یکن مخالفا للدین** " کی قید بڑھا کر۔ جیسا کہ پہلے مفصل مذکور ہوا۔

الحاصل ایسی صورت میں وہ سید مستحقِ تعظیم نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مستحقِ تذلیل ولائق توہین ہے ہرگز نہیں بلکہ ایسے فاسق اور مبتدع کے خیالات وعقائد کی تردید کی جائے لیکن اسے ذلیل نہ کیا جائے۔ سوال میں جو الفاظ تقریر کے درج کیے گئے ہیں ان کا استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

نوٹ! مخفی نہ رہے کہ محبت واکرام اور ہے اور اتباع اور چیز ہے۔ عاصی کی تکریم وتعظیم کی تو گنجائش ہے لیکن دینی احکام کے بارے میں اتباع صرف شریعت مقدسہ ہی کا کیا

---

(۳۲۹): (مشکاة المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثالث، ص: ۳۱، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

جائے گا۔فقط واللہ اعلم۔(خیر الفتاوی، ج:۱،ص:۳۱۳ تا ۳۱۸، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



حضور علیہ صلی اللہ وسلم کی شفاعت کس کے لئے؟ اور حصول کا طریقہ

﴿سوال﴾:

ابھی پچھلے دنوں ٹی وی میں صبح کی نشریات میں کسی عالم نے جن کا مجھے نام یاد نہیں، شفاعت کے مسئلے پر تقریر کی تھی، یہی وہ عقیدہ ہے جسے آج کے مسلمان نے عمل سے عاری کر دیا ہے کہ ہم جیسے بھی ہیں، جتنے بھی گنہگار سہی! ہیں تو نبی کی امت میں، ہماری شفاعت تو یقینی ہے۔مولانا محترم نے بھی اپنی تقریر کا سارا زور اس بات پر ہی لگایا کہ حضور علیہ صلی اللہ وسلم نے ساری امت کی شفاعت کا ذمہ لیا ہے۔بے شک یہ صحیح ہے، لیکن کن لوگوں کے حق میں؟ کس حد تک؟ یہ نہیں بتایا۔ برائے کرم آپ شفاعت کے بارے میں تفصیل سے بتایئے کہ کیا واقعی اب مسلمان کو نیک عمل کرنے کی ضرورت نہیں رہی، کیونکہ ہمارے پیارے رسول علیہ صلی اللہ وسلم نے ہماری شفاعت کا ذمہ لیا ہے؟ پلیز آپ اس مسئلے کا حل ضرور دیجئے گا، یہ میرا ہی نہیں اور کتنے ہی لوگوں کا مسئلہ ہے۔

﴿جواب﴾:

آنحضرت علیہ صلی اللہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام، ملائکہ، صدیقین، شہداء اور صالحین کی شفاعت برحق ہے(۳۳۰)، اور یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرت علیہ صلی اللہ وسلم نے تمام امت

---

(۳۳۰):وعن عثمان بن عفان رضی اللہ عنه، قال: قال رسول اللہ علیہ صلی اللہ وسلم: یشفع یوم القیامة ثلاثة: الأنبیاء، ثم العلماء، ثم الشهداء.(مشکاة المصابیحکتاب أحوال القیامة وبدء الخلق، باب الحوض والشفاعة، ص: ۴۹۵، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

وفی الصحیح لمسلم فی حدیث طویل عن أبی سعید الخدری رضی اللہ

(بلکہ تمام امتوں کی) شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے اور ان شاء اللہ یہ وعدہ پورا ہوگا۔ الغرض شفاعت کا عقیدہ صحیح ہے اور یہ اہل حق سنت والجماعت کے قطعی عقائد میں شامل ہے(۳۳۱)۔ رہا آپ کا یہ خیال کہ اسی عقیدے نے مسلمانوں کو عمل سے عاری کردیا ہے،

عنه: وكان أبو سعيد الخدريؓ يقول: ان لم تصدقوني بهذا الحديث فاقرأوا ان شئتم: ﴿ان الله لايظلم مثقال ذرة وان تک حسنة يضٰعفها ويؤت من لدنه أجرا عظيما﴾ [النساء: ۴۰] فيقول: الله تعالیٰ: شفعت الملائكة وشفع النبيون وشفع المؤمنون...الخ. (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب معرفة طريق الرؤية، ص: ٩٥، رقم: ٤٥٤، دار السلام رياض)

(۳۳۱):في بيان السنة والجماعة: ونقول الشفاعة العظمى لرسول اللهﷺ يوم القيامة في كافة الخلق لاراحتهم من الموقف، وهي التي ادخرها الله لهم بسؤالهﷺ ذلک من ربه كما روى ذلک في صحيح الأخبار ففي الجامع الصغير رامزاً للطبرانبي عن ابن مسعود رضي الله عنه: ان لكل نبي دعوة واني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي يوم القيامة. قال ابن قاضي عجلون في شرح الشيبانية: ان مما خص الله تعالیٰ به نبينا محمداًﷺ الشفاعة في الحشر، ما روى في الصحيحين من طريق: وأنا أول شافع وأول مشفع. وهذه الشفاعة لأهل الجمع في تعجيل الحساب والاراحة من طول الوقوف والغم، وهي الشفاعة العظمى في فصل القضاء يوم القيامة وهي مختصة بنبينا محمدﷺ ولم ينكرها أحد وهي المقام المحمود في قوله تعالى: ﴿عسى أن يبعثک ربک مقاما محمودا﴾ [الاسراء: ٧٩] وهي المقام الذي يحمده فيه الأولون والآخرون، وقد ورد في الحديث الصحيح الأمر بأن ندعو بذلک عقيب الآذان والحكمة في سؤال ذلکﷺ مع كونه واجب الوقوع بوعد الله تعالى باظهار شرفهﷺ وعظيم منزلته وفي شرح الجزائرية للسنوسي رحمه الله: لاشک أن مما يجب الايمان به لتواتره ووقوع الاجماع عليه ثبوت الشفاعة لسيدنا محمدﷺ في اراحة الناس من الموقف واختصاصها بهﷺ أمر مستفيض

یہ خیال صحیح نہیں۔صحابہ کرامؓ، ائمہ دین اورا کابرامت ہم سے بڑھ کرعقیدۂ شفاعت پرایمان رکھتے تھے، مگر ان کے عمل پر کوئی سستی اور کمزوری نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو

مشهور فی الصحاح.

وفی شرح الجوهرة لـلمصنف ولهﷺ شفاعات ذكر القاضی والنووی منها خمساً:

أحـدهـا: وهـی أعـظـمهـا وأعـمها شفاعته عليه الصلاة والسلام بعد أن يكلم النـاس الأنبيـاء حيـن يعـايـنـون مـن شدائد الموقف وأهواله، وطول القيام فيه لرب العـالـميـن وزيـادة القلق وتصاعد العرق مايذهب الأكباد وينسى الأولاد مدة ثلاثة آلاف سنة فيتـرادونهـا مـن آدم الـى عيسٰی، فی خمسة آلاف سنة أيضاً، اذ بين كل سؤال نبی وآخـر ألف سنة، كـمـا قـال ابـن حـجر والقرطبی وغيرهما، فاذا انتهوا اليـهﷺ قـال: أنا لها أنا لها، أمتی أمتی. وكل من قبله لايقول: الا نفسی، اذهبوا الی غيـری. وهـذه مـخـتـصـة بـهﷺ وتسـمـی الشفاعة العظمی، وهذه مجمع عليها لم يـنـكـرهـا أحـد مـمـن يقول بالحشر، اذ هی للاراحة من طول الوقوف حين يتمنون الانصراف من موقفهم، ولو الی النار.

وثـانيهـا: فـی ادخال قوم الجنة بغير حساب، وهذه أيضاً خاصة به علی ماقاله القـاضـی والـنـووی، وتـردد ابـن دقيـق العيد فی الاختصاص وتبعه ابن حجرؒ قائلاً: لادليل عليه وقد ذكر حدثيها مسلم.

وثالثها: فی قوم استوجبوا النار. فيشفع لهم فلايدخلونها، وهذه جزم القاضی وابن السبكی اختصاصها به، وتردد النووی.

ورابعها: فيمن دخل النار من المؤمنين المذنبين. وهذه وفع اطباق القوم علی عدم اختصاصها به.

وخـامسهـا: الشـفـاعة فـی رفـع الـدرجـات فـی الـجـنة وهذه لاينكرها أيضاً الـمـعـتـزلة كالأولی الی أن قال: وقد بقيت شفاعات أخر وردت بها آثار لاتخلو عن مقال. (شرح العقائد الطحاوية المسماة: بيان السنة والجماعة، ٧٨ تا ٨٠، ط، دار الفكر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیں، مگر اس سلسلے میں چند امور پیش نظر رہنے چاہئیں۔

ا:... بعض گستاخانہ عمل ایسے ہیں جن میں مسلمان کثرت سے مبتلا ہیں، اور شفاعت سے محروم کرنے والے ہیں، ان سے توبہ کئے بغیر شفاعت کی توقع رکھنا کار عبث اور شیطان کا دھوکا ہے۔

۲:... جو شخص اس خیال سے سنگین جرائم کا ارتکاب کرتا ہو کہ مجھے فلاں کی شفاعت جیل سے چھڑا لے گی، ایسا شخص احمق خیال کیا جائے گا۔ اسی طرح جو شخص شفاعت کے بھروسے دھڑ ادھڑ گناہ کئے جاتا ہے، اس کے احمق ہونے پر بھی کوئی شک نہیں۔

۳:... ایک صحابی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''مانگو کیا مانگتے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ''جنت میں آپ کی رفاقت!'' فرمایا: ''بس یہی؟ یا کچھ اور بھی؟'' عرض کیا: ''بس یہی!'' فرمایا: ''بہت اچھا! مگر کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کرنا'' (۳۳۲)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شفاعت حاصل کرنے کے لئے بھی نیک اعمال کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریقے سے، آپ کی شکل وشباہت سے نفرت کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے دیدہ ودانستہ بغاوت کرتا ہے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہے، وہ آخر کس منہ سے شفاعت کی توقع رکھتا ہے....؟

المعاصر بیروت لبنان)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، بحث في أن الشفاعة من الانبياء والصالحين حق، ص: ۸۳، ۸٤، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

(۳۳۲): **وعن ربيعة بن كعب قال كنت ابيت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتيته بوضوئه وحاجته فقال لي سل فقلت اسئلك مرافقتك في الجنة قال او غير ذلك قلت هو ذاك فاعني على نفسك بكثرة السجود. رواه مسلم.** (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب السجود وفضله، ص: ۸۳، ط، قديمي كتب خانه كراچی)

۴:..... بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو نہ جانے کتنی مدّت جلنے کے بعد کوئلے ہوجائیں گے، تب کہیں ان کو شفاعت نصیب ہوگی۔ کیا کوئی شخص تحمل رکھتا ہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے جہنم کی آگ میں جھلسایا جائے؟ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ میں رکھیں) اب کون ہوگا جو کروڑوں برس جہنم میں جلنے کی اور جنت کی نعمتوں سے محروم رہنے کو پسند کرے....؟ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱، ص: ۱۹۵، ۱۹۶، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی

﴿سوال﴾:

ہمارے ہاں ایک صوفی پیر ہیں، ایک دن انہوں نے مجھے اور میرے دوست کو کہا کہ: ایک خوبصورت لڑکی ہو، جس سے ایک لڑکا محبت کرتا ہو، اور آپ بھی اس سے محبت کرنے لگیں تو نتیجہ کیا ہوگا؟ ہم نے کہا: انجام لڑائی اور دشمنی! تو کہنے لگا: ظاہر ہے کہ جو لڑکی سے محبت کرتا ہے وہ کیونکر چاہے گا کہ میری محبوبہ سے کوئی محبت کرے؟ پھر کہنے لگا کہ: ''تم اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہیں اور تم نبی علیہ السلام سے محبت کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارا دشمن ہوجائے گا، وہ کیسے چاہے کہ میری محبت سے کوئی دوسرا محبت کرے؟ اس کے باوجود بھی اگر بندہ نہ مانے تو اللہ تعالیٰ کافی سزائیں دیتے ہیں، اگر کافی سزائیں سہنے کے بعد بھی بندہ اپنے نبی سے محبت کرے تو اللہ تعالیٰ پھر اپنے بندے کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں، یعنی خدا بندے کے سامنے جھک جاتا ہے۔'' اس کی وضاحت فرمادیں کہ یہ انسان کن عقائد کا مالک ہے؟

﴿جواب﴾:

یہ صوفی جی بے علم اور ناواقف ہیں، ان کا یہ کہنا کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر ہم

محبت کریں تو خدا تعالیٰ دشمن ہو جائے گا اور سزا دے گا'' یہ کلمۂ کفر ہے، اور اس کا یہ کہنا کہ: ''خدا بندے کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے'' یہ بھی کلمۂ کفر ہے(۳۳۳)۔ایسے بے دین اور جاہل کے پاس نہیں بیٹھنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱ص:۱۹۶، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



کیا آپ ﷺ کا کسی کو بددعا دینا رحمۃ اللعالمین ہونے کے منافی ہے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ: یقیناً حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، اللہ نے بنایا ہے، لیکن بعض مقامات میں حضور اکرم ﷺ سے بدعا بھی منقول ہے(۳۳۴)، مختلف قبائل پر جیسا کہ ترمذی جلد ثانی کے آخر میں مذکور ہے اور بعض مقامات

---

(۳۳۳):في مجمع الانهر: اذا وصف الله تعالىٰ بما لايليق به، أو سخر باسم من أسمائه، أو بأمر من أوامره، وأنكر صفة من صفات الله تعالىٰ، أو انكر وعده، أو وعيده....يكفر. (مجمع الانهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ج: ٢، ص: ٥٠٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا في المحيط البرهاني كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين و أحكامهم، نوع آخر فيما يقال في ذات الله وصفاته، ج: ٥، ص: ٢٢٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۳۳۴):عن أنس بن مالك رضي الله عنه: أن رعلاً وذكوان وعصية وبني لحيان استمدوا رسول الله ﷺ على عدو فامدهم بسبعين من الأنصار كنا نسميهم القراء في زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار، ويصلون بالليل، حتى كانوا ببئر معونة

میں اپنے نفس کے لئے بھی بددعا کی ہے جیسا کہ بخاری کی روایات سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی بیٹی کی منگنی کے سلسلے میں ابولہب کے بیٹے کو بددعا دی تھی، کہ خدا درندوں اور کتوں سے تم کو پھاڑ ڈالے (۳۳۵)، یہ اپنی ذات کے لئے ہوا ہے، لہٰذا یہ رحمۃ

قتلوهم وغدروا بهم. فبلغ النبی ﷺ ذلک فقنت شهرا يدعو فی الصبح علی أحياء من أحياء العرب، علی رعل وذكوان وعصية وبنی لحيان. قال أنس: فقرأنا فيهم قرآنا ثم ان ذلک رفع: بلغوا عنا قومنا أنا قد لقينا ربنا فرضی عنا وأرضانا. (صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب غزوة الرجيع، ورعل، وذكوان الخ، ص: ۸۴۲، رقم: ۴۰۹۰، ط، دار السلام رياض)

عن علی رضی الله عنه قال: لما كان يوم الأحزاب قال رسول الله ﷺ: ملأ الله بيوتهم وقبورهم ناراً، شغلونا عن صلاة الوسطی حتی غابت الشمس.

عن اسماعيل بن أبی خالد أنه سمع عبدالله بن أبی أوفی رضی الله عنهما يقول: دعا رسول الله ﷺ يوم الأحزاب علی المشركين فقال: اللهم منزل الكتاب، سريع الحساب. اللهم اهزمهم وزلزلهم.

عن عبدالله رضی الله عنه قال: كان النبی ﷺ يصلی فی ظل الكعبة فقال أبو جهل وناس من قريش، ونحرت جزور بناحية مكة، فأرسلوا فجاء وا من سلاها وطرحوا عليه. فجاء ت فاطمة فألقته عنه، فقال: اللهم عليک بقريش، اللهم عليک بقريش، اللهم عليک بقريش: لأبی جهل بن هشام، وعتبة بن ربيعة، وشيبة بن ربيعة، والوليد بن عتبة، وأبی بن خلف و عقبة بن أبی معيط. قال عبدالله: فلقد رأيتهم فی قليب بدر قتلی. قال أبو اسحاق: ونسيت السابع. قال أبو عبدالله، قال يوسف بن أبی اسحاق، عن أبی اسحاق: امية بن خلف. وقال شعبة: امية أو أبی، والصحيح أمية. (اخرجهم البخاری فی صحيحه، كتاب الجهاد والسير، باب الدعاء علی المشركين بالهزيمة والزلزلة، ص: ۴۹۴، ط، دار السلام رياض)

(۳۳۵):عن قتادة بن دعامة قال: تزوج أم كلثوم بنت رسول الله ﷺ عتيبة

للعالمین کے منافی نظر آرہے ہیں اور عقل اس کو نہیں مانتی کہ رحمت اور زحمت ایک جگہ جمع ہوں۔

﴿الجواب باسم الملک الوھاب﴾:

رحمت کا مفہوم خود حضور ﷺ نے جو بیان فرمایا ہے شرعاً وہی معتبر ہوگا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "انا رحمة لهداية برفع قوم وخفض آخرين" کہ میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں تاکہ (اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے والی) ایک قوم کو سر بلند کروں اور دوسری قوم (جو اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے والی نہیں ہے) ان کو پست کروں، اس سے معلوم ہوا کہ کفر و شرک کو مٹانے کے لیے کفار کو پست کرنا اور ان کے مقابلہ میں جہاد کرنا (اور یہ مذکورہ قبائل پر بددعائیں بھی اسی جہاد کا حصہ ہیں) بھی عین رحمت ہے، جس کے ذریعے سرکشوں کو ہوش آکر ایمان اور عمل صالح یا پابند ہوجانے کی امید کی جاسکتی ہے، لہٰذا یہ جہاد اور قنوت نازلہ وغیرہ پڑھنا رحمت

بن أبی لهب فلم يبن بها حتى بعث النبیﷺ وكانت رقية عند أخيه عتبة بن أبی لهب فلما أنزل الله عزوجل (تبت يدا أبی لهب) قال أبو لهب لابنيه عتيبة وعتبة: رأسی من رأسكما حرام ان لم تطلقا ابنتی محمد، وقالت أمهما بنت حرب بن أمية وهی حمالة الحطب: طلقاهما يا بنی فانهما قد حبتا، فطلقاهما ولما طلق عتيبة أم كلثوم جاء الی النبیﷺ حيث فارق أم كلثوم فقال: كفرت بدينک وفارقت ابنتک لاتحبنی ولاأحبک. ثم سطا عليه فشق قميص النبیﷺ وهو خارج نحو الشام تاجراً، فقال رسول اللهﷺ: أما انی أسال الله ان يسلط عليک كلبه، فخرج فی تجر من قريش حتى نزلوا بمكان من الشام يقال له الزرقاء ليلا فأطاف بهم الأسد فی تلک الليلة، فجعل عتيبة يقول: يا ويل أمی هو والله آكلی كما دعا علی محمد فأبكی ابن أبی كبشة وهو بمكة وأنا بالشام، فعدا عليه الاسد من بين القوم فأخذ برأسه فضغمه ضغمة فقتله. (المعجم الكبير للطبرانی، ج: ۲۲، ص: ۴۳۵، ۴۳۶، رقم: ۱۰۶۰، ط، مكتبة ابن تيمية القاهرة)

کے منافی نہیں ہے، اور یہی حال ابولہب کے قصے کا ہے۔

”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین قال سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال کان محمد ﷺ رحمة لجمیع الناس فمن آمن به وصدق به سعد ومن لم یؤمن به سلم مما لحق الامم من الخسف والغرق قال ابن زید اراد بالعالمین المؤمنین خالصة“... (احکام القرآن القرطبی: ٣٥٠/١١)

”والمعنی ان مابعثت به سبب لاسعادهم وموجب لصلاح معاشهم ومعادهم فمن لم یستعد به وابی من ان یصیر مرحوما فهو ظالم علی نفسه وذا لاینافی کونه رحمة وقال ابن عباس هو رحمة للکافر فی الدنیا بتاخیر العذاب علیهم ورفع المسح والخسف والاستصال“.... (تفسیر المظهری: ٤/١٧٠)

”والظاهر ان المراد بالعالمین مایشمل الکفار ووجه ذلک علیه انه علیه الصلاة والسلام ارسل بماهو سبب لسعادة الدارین ومصلحة النشأتین الا ان الکافر فوت علی نفسه الانتفاع بذلک واعرض لفساد استعداده عما هنالک فلا یضر ذلک فی کونه ﷺ ارسل رحمة بالنسبة الیه ایضا کما لا یضر فی کون العین العذبة مثلاً نافعة عدم انتفاع الکسلان بها لکسله وهذا ظاهر“. (روح

المعانی:۱۷/۱۰۷)واللّٰہ اعلم بالصواب۔ (ارشاد المفتین، ج: ۲، ص: ۱٤٤، ۱٤٥، ط، مکتبة الحسن لاھور)



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی کا نام

﴿سوال﴾:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی کا نام کیا ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

سیرت حلبیہ اردو جلد اول صفحہ ۳۰ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی کا فاطمہ تھا(۳۳۶)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۵۵۵)



نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے عقیقہ کی تحقیق

﴿سوال﴾:

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ کیا تھا یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

بعض ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ فرمایا تھا لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایات ضعیف اور غیر ثابت ہیں اگر صحیح مان لیں تو مطلب یہ ہوگا

---

(۳۳٦):فی السیرة النبویة: أولاد عبدالمطلب و أمهاتهم:.....وأم عبداللّٰه، وأبی طالب والزبیر وجمیع النساء غیر صفیة: فاطمة بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظة بن مرة بن کعب بن لؤی بن غالب بن فهر بن مالک بن النضر.

(السیرة النبویة، ج: ۱، ص: ۱۲٦، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

کہ آپ ﷺ کو علم نہیں تھا اس لیے دوبارہ کیا جیسا کہ فتاوی محمودیہ میں ہے یا یہ مطلب ہوگا پہلے کو غیر معتبر سمجھ کر فرمایا ورنہ سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب نے آپ کی طرف سے عقیقہ کیا تھا حوالہ جات حسب ذیل ملاحظہ ہوں۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

شرح سفر السعادۃ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو اپنے عقیقہ کا علم نہیں تھا اسلئے اپنا عقیقہ کیا تھا۔ (فتاوی محمودیہ ۱۱/۳۴۶)

وحدیث "ان النبی ﷺ عق عن نفسه بعد النبوة".

روی من طریقین عن أنس رضی الله عنه: الأولیٰ: عن عبدالله بن المحرر عن قتادة عنه. أخرجه عبدالرزاق فی "المصنف" (٧٩٦٠/٣٢٩/٤) والبزار فی "مسنده" (٢/ ٧٢٨١/٣٤٥) وابن عدی "الکامل فی ضعفاء الرجال" (٩٧٣/١٣٣/٤) وابن حبان فی "المجروحین" (٢٣/٢) والبیهقی فی "السنن الکبری" (٣٠٠/٩)، وقال: "منکر"، وقال عبدالرزاق: انما ترکوا عبدالله بن محرر لحال هذا الحدیث. قال البیهقی: وقد روی من وجه آخر عن قتادة، ومن وجه آخر عن أنس رضی الله عنه ولیس بشیء.

قال ابن حجر رحمه الله فی "التلخیص" (٣٦٢/٤): قلت :أما لوجه الآخر عن قتادة: فلم أره مرفوعاً، وانما ورد أنه کان یفتی به، کما حکاه ابن عبدالبر، بل جزم البزار وغیره بتفرد عبدالله بن محرر به عن قتادة.

أما الآخر عن أنس رضی الله عنه: فأخرجه أبو الشیخ فی "الأضاحی"، وابن أیمن فی "مصنفه"، والخلال من طریق

عبدالله بن المثنى، عن ثمامة بن عبدالله بن أنس، عن أبيه.

قلت: وهى الطريقة الأخرى: عن الهيثم بن جميل: حدثنا عبدالله بن المثنى بن أنس عن ثمامة بن أنس عن أنس رضى الله عنه به، أخرجه الطبرانى فى "الأوسط" (۹۹۸/٥٢٩/١)، والطحاوى فى "مشكل الآثار" (رقم: ١٠٥٣)، ذكره الهيثمى فى "المجمع" (٥٩/٤)، وقال: رواه البزار والطبرانى فى "الأوسط" ورجال الطبرانى رجال الصحيح خلا الهيثم بن جميل وهو ثقة، وشيخ الطبرانى أحمد بن مسعود الخياط المقدسى ليس هو فى الميزان.

وقد قال فى " مقدمة المجمع" (٨/١): "ومن كان من مشايخ الطبرانى فى الميزان نبهت على ضعفه، ومن لم يكن فى الميزان ألحقته بالثقات الذين بعده، والصحابة لايشترط فيهم أن يخرج لهم أهل الصحيح فانهم عدول، وكذلك شيوخ الطبرانى الذين ليسوا فى الميزان.

قال الضياء المقدسى فى "الأحاديث المختارة" (١٨٣٢/٣٥١/٢): "اسناده [الطبرانى] صحيح".

خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن محرر کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، لیکن دوسرے طریق کو علامہ ہیثمیؒ اور ضیاء مقدسیؒ نے ٹھیک قرار دیا ہے، اگرچہ اس طریق میں بھی عبداللہ بن مثنیٰ مختلف فیہ راوی ہے، بعض حضرات نے جرح کی ہے، تاہم یہ روایت حسن لغیرہ سے کم درجہ نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں روایت پر تفصیلی کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ويحتمل أن يقال: ان صح هذا الخبر كان من

خصائصه صلی الله علیه وسلم کما قالوا فی تضحیته عمن لم یضح من أمته. (فتح الباری: ۵۹۵/۹، باب اماطة الاذی عن الصبی فی العقیقة)

اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہوگی (جیسا کہ اوپر کی عبارت میں مذکور ہوا) نیز حافظ صاحب نے ایک روایت ذکر کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے جس کا عقیقہ نہ ہو تو اس کے لئے اس کی قربانی کفایت کر جائے گی۔ ملاحظہ ہو:

عن عبدالرزاق عن معمر عن قتادة: من لم یعق عنه أجزأته اضیحته. (فتح الباری: ۵۹۵/۹، باب اماطة عن الصبی فی العقیقة)

سیرۃ المصطفیٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے عبدالمطلب نے عقیقہ کیا تھا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ص ۶۱۔ از حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دارالعلوم زکریا، ج:۱، ص:۷۷تا۷۹، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



حضور ﷺ کا غصہ

سوال:

کیا آپ ﷺ کبھی غضبناک ہوتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دین کے خلاف کسی بھی کام کو آپ ﷺ دیکھتے، تو لوجہ اللہ غضب ناک ہو جاتے، ورنہ عام احوال میں آپ ﷺ کی بردباری کا یہ عالم تھا کہ روایات میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کی خاطر کسی سے انتقام نہیں لیا (۳۳۷)۔ کچھ ایسے لوگ جو

(۳۳۷): عن عائشة رضی اللہ عنها أنها قالت: ما خیر رسول الله ﷺ بین

دین سے ناواقف ہیں، غصہ کو مطلقاً معیوب سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے، جب دینی امور کی اعلانیہ پردہ دری ہورہی ہو اور مفاہمت کسی طرح کارآمد ثابت نہ ہو، اس وقت غصے کا اظہار کرنا اور حسب استطاعت اس منکر کو روکنے میں اپنی مقدور بھر طاقت صرف کرنا ایمانی تقاضہ ہے، روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غضب ناک ہوتے، تو آپ ﷺ کا چہرۂ انور ایسا سرخ ہوجاتا گویا ان پر انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہوں (۳۳۸)۔

ایک طویل حدیث میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ کے سامنے تورات کا کوئی مضمون پڑھ رہے تھے، جس سے آپ ﷺ غضب ناک ہوئے، حضرت ابوبکرؓ نے فوراً محسوس کرلیا اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمر آپ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھتے نہیں کہ آپ کے تورات پڑھنے سے آپ ﷺ پر کیا اثر ہو رہا ہے؟ چناں چہ حضرت عمرؓ فوراً متنبہ ہوئے اور پڑھنا بند کردیا معذرت کے ساتھ یہ عرض کرنے لگے کہ "رضينا بالله ربا، وبالاسلام دينا، وبمحمد- ﷺ- نبيا" . (یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر، دین اسلام کو اپنا دین مان کر اور حضرت محمد ﷺ کو اپنا نبی مان کر خوش

أمرين الا أخذ أيسرهما ما لم يكن اثماً، فان كان اثماً كان أبعد الناس منه. وما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه الا أن تنتهک حرمة الله فينتقم لله بها. (صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب صفة النبی، ص: ۷۳۰، ط، رقم: ۳۵۶۰، ط، دار السلام رياض)

(۳۳۸): عن ابی هريرةؓ قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نتنازع فی القدر فغضب حتى احمر وجهه حتى كانما فقیء فی وجنتيه حب الرمان فقال ابهٰذا امرتم ام بهٰذا ارسلت اليكم انما هلک من كان قبلكم حين تنازعوا فی هذا الامر عزمت عليكم ان لاتنازعوا فيه. رواه الترمذی وروى ابن ماجة نحوه عن عمر بن شعيب عن ابيه عن جده. (مشكاة المصابيح، كتاب الايمان، باب الايمان بالقدر، ص: ۲۲، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

ہیں) یہ سن کر آپ ﷺ کا غصہ ختم ہوا(۳۳۹)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں اس کے متعلق مستقل باب قائم فرمایا ہے اور اس کے ماتحت تین روایتیں ذکر فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ جب کوئی استاذ درس کے دوران اپنے شاگرد کی کسی ناشائستہ حرکت کو دیکھے، تو اس کے لئے تنبیہ کے خاطر غضب کا اظہار کرنا درست ہے(۳۴۰)۔

---

(۳۳۹): وعن جابر، أن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنھما أتی رسول اللّٰہ ﷺ بنسخة من التوراة، فقال: یارسول اللّٰہ! ھذہ نسخة من التوراة، فسکت، فجعل یقرأ ووجہ رسول اللّٰہ ﷺ یتغیر. فقال أبوبکر: ثکلتک الثواکل! ما تری ما بوجہ رسول اللّٰہ ﷺ؟ فنظر عمر الی وجہ رسول اللّٰہ ﷺ فقال: أعوذ باللّٰہ من غضب اللّٰہ وغضب رسولہ، رضینا باللّٰہ رباً، وبالاسلام دیناً، وبمحمدٍ نبیاً. فقال رسول اللّٰہ ﷺ: والذی نفس محمد بیدہ، لو بدا لکم موسی فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل، ولو کان حیا وأدرک نبوتی لاتبعتنی. رواہ الدارمی.
(مشکاة المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثالث، ص: ۳۲، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۳۴۰): فی الصحیح البخاری: باب الغضب فی الموعظة والتعلیم اذا رأی ما یکرہ: حدثنا محمد بن کثیر قال: أخبرنا سفیان عن أبی خالد، عن قیس بن أبی حازم، عن أبی مسعود الأنصاری قال: قال رجل: یارسول اللّٰہ، لاأکاد أدرک الصلاة مما یطول بنا فلان، فما رأیت النبی ﷺ فی موعظة أشد غضباً من یومئذ، فقال: یا أیھا الناس، انکم منفرون، فمن صلی بالناس فلیخفف، فان فیھم المریض والضعیف وذا الحاجة.

حدثنا عبداللّٰہ بن محمد قال: حدثنا أبو عامر، قال: حدثنا سلیمان بن بلال المدینی، عن ربیعة بن أبی عبدالرحمٰن عن یزید مولی المنبعث عن زید بن خالد الجھنی أن النبی ﷺ سألہ رجل عن اللقطة، فقال: اعرف وکاء ھا ۔ أو قال: وعاء ھا

اس سے ثابت ہوا کہ دینی امور کے پیش نظر حدود میں رہ کر نیک نیتی کے ساتھ غصہ کرنا جائز ہے، لیکن ساتھ میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ آپ ﷺ کا ایسا فعل جو بہ حالت غضب صادر ہوا ہو، وہ بھی ادلۂ شرعیہ میں شمار ہوگا (۴۴۱)۔ یہ مرتبہ افراد امت میں سے کسی کے لیے نہیں ہے، لہٰذا فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کے لیے بہ حالت غضب کوئی فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے (۴۴۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۴۹، ۱۵۰)



ـ وعفاصها، ثم عرفها سنة ثم استمتع بها، فان جاء ربها فأدها اليه، قال: فضالة الابل؟ فغضب حتى احمرت وجنتاه ـ أو قال: أحمر وجهه ـ فقال: ومالك ولها؟ معها سقاؤها وحذاؤها، ترد الماء وترعى الشجر، فذرها حتى يلقاها ربها، قال: فضالة الغنم؟ قال: لك أو لأخيك أو للذئب.

حدثنا محمد بن العلاء قال: حدثنا أبو أسامة عن بريد، عن أبي بردة، عن أبي موسى قال: سئل النبي ﷺ عن أشياء كرهها، فلما أكثر عليه غضب ثم قال للناس: سلوني عما شئتم، قال رجل: من أبي؟ قال: أبوك حذافة، فقام آخر فقال: من أبي يارسول الله؟ فقال أبوك سالم مولى شيبة، فلما رأى عمر ما في وجهه قال: يا رسول الله، انا نتوب الى الله عزوجل. (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب الغضب في الموعظة والتعليم اذا رأى ما يكره، ص: ٢٥، ٢٦، ط، رقم: ٩٠، ٩١، ٩٢، ط، دار السلام رياض)

(۴۴۱):عن عبدالله بن عمرو قال: كنت أكتب كل شيء أسمعه من رسول الله ﷺ أريد حفظه، فنهتني قريش وقالوا: أتكتب كل شيء تسمعه ورسول الله ﷺ بشر يتكلم في الغضب والرضا، فأمسكت عن الكتاب، فذكرت ذلك الى رسول الله ﷺ، فأومأ باصبعه الى فيه فقال: اكتب فوالذي نفسي بيده مايخرج منه الا حق. (سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب كتابة العلم، ص: ٥٢٣، ٥٢٤، رقم: ٣٦٤٦، ط، دار السلام رياض)

رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا

﴿سوال﴾:

ہمارے یہاں جو شخص آں حضور ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے نہیں چومتا اس کو مسلمانوں سے علیحدہ کردیا جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسلمان نہیں ہے جب کہ وہ شخص نمازوں کا پابند اور تلاوت قرآن کا پابند ہے رمضان کے روزے اور زکوٰۃ فطرہ وغیرہ سب ادا کرتا ہے ان کا یہ کہنا کیسا ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی آئے تو درود پڑھنا ضروری ہے(۳۴۳)۔ انگوٹھے چومنے کا کوئی ثبوت شریعت میں نہیں ہے، جو کوئی انگوٹھے چومتا ہو

---

(۳۴۲):عن أبی بکرۃ قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: لایقضین حاکم بین اثنین وھو غضبان، رواہ الجماعۃ، کذا فی المنتقی. (نیل: ۸/ ۵۲۳)

وفی اعلاء السنن تحت ھذا الحدیث: قولہ: لایقضین الخ أقول: قال الشوکانی فی النیل: قال المھلب: سبب ھذا النھی أن الحکم حالۃ الغضب قد یتجاوز بالحکم الی غیر الحق فمنع، وبذلک قال فقھاء الأمصار...الخ. (اعلاء السنن، کتاب القضاء، باب فی القضاء فی حالۃ الغضب، ج: ۱۵، ص: ۱۲۵، ۱۲۶، ط، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراتشی)

(۳۴۳):عن أبی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: رغم أنف رجل ذکرت عندہ فلم یصل علی، ورغم أنف رجل دخل علیہ رمضان ثم انسلخ قبل أن یغفر لہ ورغم أنف رجل أدرک عندہ أبواہ الکبر أو أحدھما فلم یدخلاہ الجنۃ. وفی المرقات تحت ھذا الحدیث: (أنف رجل ذکرت عندہ فلم یصل علی) وھو اما خبر أو دعاء أی لحقہ ذل مجازاۃ بترک تعظیمی، وقیل: خاب وخسر من قدر بأن یتفوہ بأربع کلمات فیوجب لنفسہ عشر صلوات من اللہ، ویرفع بھا عشر درجات،

اورکوئی غلط عقیدہ رکھتا ہو اس پر اس طریقہ کا چھوڑنا اور توبہ کرنا لازم ہے پس صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کو کافر کہنا بالکل غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج:۱،ص:۱۹۲، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



حضور نبی کریم علیہ وسلم کے اسم کے ساتھ صرف ’’م‘‘ لکھنا

﴿سوال﴾:

کچھ عرصہ قبل کسی صاحب نے آپ سے ایک سوال پوچھا تھا کہ کچھ لوگ انگلش میں لفظ ’’محمد‘‘ کو Mohammad کے بجائے صرف mohd لکھ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم نے ’’محمد‘‘ کو شارٹ کر کے لکھ دیا ہے، اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ انگریزوں کے نزدیک لفظ ’’محمد‘‘ کی اہمیت خواہ کتنی ہی کم ہو، ایک مسلمان کے لئے لفظ ’’اللہ‘‘ کے بعد تمام ذخیرۂ الفاظ میں سب سے اہم لفظ ’’محمد‘‘ ہے، اس لفظ میں تخفیف کا مطلب تو یہ

ویحط عنه عشر خطیآت فلم یفعل. (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی النبی ﷺ وفضلها، الفصل الثانی، ج: ۳، ص: ۱۱، ۱۲، رقم: ۹۲۷، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی الموسوعة الفقهیة: تستحب الصلاة علیه ﷺ خارج الصلاة فی کل الأوقات، تتأکد فی مواطن منها: یوم الجمعه ولیلتها، وعند الصباح، وعند المساء، وعند دخول المسجد، والخروج منه، وعند قبره ﷺ وعند اجابة المؤذن، وعند الدعاء، وبعده وعند السعی بین الصفا والمروة، وعند اجتماع القوم، وتفرقهم، وعند ذکر اسمه ﷺ، وعند الفراغ من التلبیة، وعند استلام الحجر، وعند القیام من النوم، وعقب ختم القرآن، وعند الهم والشدائد، وطلب المغفرة، وعند تبلیغ العلم الی الناس، وعند الوعظ، والقاء الدرس، وعند خطبة الرجل المرأة فی النکاح.

(الموسوعة الفقهیة، ج: ۲۷، ص: ۲۳۷)

ہوا کہ لکھنے والے کو... نعوذ باللہ... گویا اس لفظ سے نفرت ہے۔ لفظ ''محمد'' کو مخفف کر کے لکھنے کا رواج غالبا فرنگی سازش ہے اور مسلمان اس مسئلے کی سنگینی کو سمجھ نہیں سکے۔ Mohammad کے بجائے mohd (موہڈ) ایک مہمل اور بے معنی لفظ ہے، اور آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کو ایک مہمل اور بے معنی لفظ میں تبدیل کر دینا کسی مسلمان کے لئے ہرگز روا نہیں ہوسکتا۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ: چند حضرات صرف ''m'' لکھ دیتے ہیں، یہ بھی انگریزی فیشن ہے۔

محترمی! میں نے اس مسئلے اور آپ کے جواب کو زیادہ سے زیادہ ناواقف لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں کئی طالب علموں نے وعدہ کیا کہ آئندہ ہم ''محمد'' کو Mohd یا صرف M نہیں لکھیں گے، بلکہ پورے حروفِ تہجی Mohammad لکھا کریں گے۔ اب مجھے ٹنڈو آدم سے اپنے ایک طالب علم بھائی کا خط موصول ہوا ہے، جس میں اسکول میں اپنے نام سے پہلے M لکھنے سے گریز کیا، ماسٹر صاحبان نے وجہ پوچھی تو اس طالب علم نے آپ کا جواب دُہرایا اور کہا کہ: صرف M لکھنا انگریزی فیشن ہے۔ تو اس کے جواب میں ماسٹر صاحبان نے کہا کہ: اگر ''محمد'' کو انگریزی میں پورا لکھنے کی بجائے صرف M لکھنا غلط ہے تو پھر اخبارات، کتابوں میں ''ﷺ'' پورا لکھنے کی بجائے صرف (ؐ) لکھ دیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟''

﴿جواب﴾:

صرف ''ؐ'' کا نشان کافی نہیں، بلکہ پورا درود شریف لکھنا چاہیے اور اس میں کسی بخل سے کام نہیں لینا چاہئے (۳۴۴)۔ ظاہر ہے کہ ہماری تحریر سے درود شریف کی اہمیت زیادہ

---

(۳۴۴): عن علیؓ بن أبی طالب قال: قال رسول اللہ ﷺ: البخیل الذی من ذکرت عندہ فلم یصل علی. رواہ الترمذی وروہ احمد عن الحسین بن علی وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب. (مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب

ہے، اس کو کیوں نہ لکھا جائے؟ میں جب بھی آنحضرت ﷺ کا اسم مقدس لکھتا ہوں پورے اہتمام کے ساتھ ''ﷺ'' لکھتا ہوں، اور اس میں کبھی بخل نہیں کرتا۔ لیکن اخبار کے کاتب ''ﷺ'' کی جگہ صرف ''ؐ'' لکھ دیتے ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



الصلاة علی النبی ﷺ، الفصل الثانی، ص: ۸۷، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وفی کتاب علوم الحدیث: المعروف بمقدمة ابن الصلاح: التاسع ینبغی له أن یحافظ علی کتبه الصلاة والتسلیم علی رسول اللّٰه تعالیٰ صلی اللّٰه علیه وآله وسلم عند ذکره ولایسأم من تکریر ذلک عنده تکرره، فان ذلک من أکبر الفوائد التی یتعجلها طلبة الحدیث وکتبته ومن أغفل ذلک حرم حظا عظیما.... ثم لیجتنب فی اثباتها نقیضین: أحدهما: أن یکتبها منقوصة صورة رامزا الیها بحرفین أو نحو ذلک، والثانی: أن یکتبها منقوصة بأن لایکتب (وسلم).... سمعت حمزة الکتانی یقول: کنت أکتب الحدیث وکنت أکتب عند ذکر النبی ﷺ ولاأکتب وسلم فرأیت النبی ﷺ فی المنام، فقال لی: مالک لاتتم الصلاة علی؟ قال: فما کتبت بعد ذلک ﷺ الا کتبت وسلم، قلت: ویکره أیضاً الاقتصار علی ''قوله علیه السلام'' واللّٰه اعلم بالصواب. (ص: ۷۶، ۷۷، النوع الخامس والعشرون معرفة کتابة الحدیث وکیفیة ضبط الکتاب وتقییده، مطلب بیان أمور ومعارف مهمة رائقة بحواله المسائل المهمه فیما ابتلت به العامة، ج: ۸، ص: ۲۶)

خطوط میں بسم اللہ نہ لکھنا بہتر ہے اور لفظ ''محمد'' کو مخفف کرنا جائز نہیں

﴿سوال﴾:

آج کل سرکاری خط اور تمام کاغذوں پر بسم اللہ پوری لکھی ہوتی ہے، یہاں تک کہ ان کاغذوں پر بھی لکھی ہوتی ہے جن پر خط لکھنے سے پہلے مضمون یا خط لکھ کر ماتحت اپنے بڑے سے دریافت کرتا ہے، اس کو ڈرافٹ کا کاغذ کہتے ہیں، خط یا مضمون لکھنے کے بعد پہلے کاغذ کو ہاتھ سے مسل کر ردّی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا ہے، اس طرح وہ لفظ ''بسم اللہ'' بھی ردّی کی ٹوکری میں چلا جاتا ہے، پھر بھنگی لے جاتا ہے، اس طرح لفظ بسم اللہ کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر یہ گناہ ہے تو اس کا کیا علاج ہے؟

عام طور پر انگریزی میں لفظ محمد کو ''mohammad'' لکھنے کے بجائے ''mohd'' لکھتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ: ہم نے ''محمد'' کو شارٹ لکھ دیا ہے۔ اس سے لفظ ''محمد'' کو بگاڑ کر لکھنے کا گناہ تو نہیں ہوگا؟

﴿جواب﴾:

خطوط پر بسم اللہ شریف لکھنے کا رواج نہیں، کیونکہ خطوط کی عام طور سے حفاظت نہیں کی جاتی، اور اس سے بسم اللہ شریف کی بے حرمتی ہے۔ سرکاری خطوط میں اگر بسم اللہ شریف لکھی جاتی ہے تو یا تو ان خطوط کو ردّی کی ٹوکری کی نذر اور بھنگی کے حوالے نہیں کرنا چاہئے، یا حکومت کو بسم اللہ شریف کا رواج بند کر دینا چاہئے۔

لفظ ''محمد'' کو انگریزی میں مخفف لکھنے کا رواج غالباً انگریزوں نے نکالا ہے، اور اہل اسلام اس کی سنگینی کو نہیں سمجھ سکے۔ اوّل تو کسی لفظ کو مخفف کرنا اس کی اہمیت کے کم ہونے کی علامت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کی اہمیت انگریزوں کے نزدیک خواہ

کتنی ہی کم ہو، ایک مسلمان کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے بعد تمام ذخیرۂ الفاظ میں سب سے اہم لفظ ''محمد'' ہے۔ اس لئے اس کو مخفف کر کے لکھنا ایک مسلمان کے لئے کسی طرح بھی روانہیں ہوسکتا۔

ثانیا:...طویل طویل تحریروں میں تخفیف کا نزلہ صرف اس ایک لفظ پر کیوں گرایا جاتا ہے؟ یہ طرز عمل تو اس امر کا غماز ہے کہ......نعوذ باللہ......لکھنے والے کو اس لفظ سے گویا نفرت ہے۔

ثالثا:...تخفیف کے بعد جب اس کا تلفظ ''موہڈ'' ہوگا تو یہ مہمل اور بے معنی لفظ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو ایک مہمل اور لایعنی لفظ میں تبدیل کر دینا، کسی طرح درست نہیں۔ اس لئے میں تمام اہل اسلام سے درخواست کروں گا کہ اس رواج کو تبدیل کریں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے حروف تہجی پورے لکھا کریں۔ جن حضرات کو اس کی طرف التفات نہیں تھا، وہ تو خیر معذور تھے، لیکن اس تنبیہ کے بعد امید ہے کہ اسم مبارک کی بے ادبی کے گناہ اور وبال سے احتراز کریں گے۔ بعض حضرات صرف ''M'' لکھ دیتے ہیں، یہ بھی انگریزی فیشن ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک سے اعراض کی دلیل ہے، اس سے بچنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۸، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ محض ''صلعم'' لکھنا

﴿مسئلہ﴾:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ اردو یا عربی میں محض ''صلعم'' یا انگریزی میں (A,S) لکھنا، یا اسی طرح کا کوئی دوسرا مخفف کلمہ لکھنا جو درود کی طرف اشارہ کرے، کنجوسی اور خلاف ادب ہے، اور اس سے درود شریف کا فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا، اس لیے

آپ ﷺ کے نام کے ساتھ پورا درود شریف لکھنے اور پڑھنے کا اہتمام ہونا چاہیے(۳۴۵)۔(المسائل المہمہ فیما ابتلت بہ العامۃ، ج:۸،ص:۲۶/آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱،ص:۱۹۸، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۳۴۵):عن علیؓ بن أبی طالب قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: البخیل الذی من ذکرت عنده فلم یصل علی. رواه الترمذی ورواه احمد عن الحسین بن علی وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح غریب. (مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی النبی ﷺ، الفصل الثانی، ص: ۸۷، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

وفی کتاب علوم الحدیث: المعروف بمقدمة ابن الصلاح: التاسع ینبغی له أن یحافظ علی کتبه الصلاة والتسلیم علی رسول اللّٰہ تعالیٰ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم عند ذکره ولایسأم من تکریر ذلک عنده تکرره، فان ذلک من أکبر الفوائد التی یتعجلها طلبة الحدیث وکتبته ومن أغفل ذلک حرم حظا عظیما.... ثم لیجتنب فی اثباتها نقیضین: أحدهما: أن یکتبها منقوصة صورة رامزا الیها بحرفین أو نحو ذلک، والثانی: أن یکتبها منقوصة بأن لایکتب (وسلم).... سمعت حمزة الکتانی یقول: کنت أکتب الحدیث وکنت أکتب عند ذکر النبی ﷺ ولاأکتب وسلم فرأیت النبی ﷺ فی المنام، فقال لی: مالک لاتتم الصلاة علی؟ قال: فما کتبت بعد ذلک ﷺ الا کتبت وسلم، قلت: ویکره أیضاً الاقتصار علی "قوله علیه السلام" واللّٰہ اعلم بالصواب. (ص: ۷۶، ۷۷، النوع الخامس والعشرون معرفة کتابة الحدیث وکیفیة ضبط الکتاب وتقییده، مطلب بیان أمور ومعارف مهمة رائقة بحواله المسائل المهمه فیما ابتلت به العامة، ج: ۸، ص: ۲۶)

حضور اکرم ﷺ اور حضرت آدم علیہ السلام کے ناموں پر ''ص''، ''عم'' لکھنا

﴿سوال﴾:

عام طور پر حضور ﷺ اور حضرت آدم علیہ السلام کے اسماء مبارکہ پر ''ص'' وغیرہ لگادیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

﴿جواب﴾:

پورا درود وسلام لکھنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:١،ص:١٩٩، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضور ﷺ کے نام کے ساتھ کیا ''وآلہ وسلم'' لکھنا ضروری ہے؟

﴿سوال﴾:

حضور ﷺ کے نام کے ساتھ ''ﷺ'' لکھا جائے یا ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' لکھا جائے؟

﴿الجواب﴾:

''وآلہ وسلم'' لکھ دیں تو اور بھی اچھا ہے (٣٤٦)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:١،ص:١٩٩، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(٣٤٦): فی غنیة المستملی: (و) فی تسمیته رسول اللّٰه ونبی اللّٰه ثم اتبع الصلاة علیه الصلاة والسلام بالصلاة علی (آله) ای اهله والمراد من آمن منهم (اجمعین) تأکید للشمول ورعایة للسجع والصلاة علیهم تبعاً له علیه السلام

''علی احمدؐ'' یا ''محمد علیؐ'' نام لکھتے وقت اُوپر ''ؐ'' لکھنا

﴿سوال﴾:

اکثر لوگوں کو میں نے اپنا نام اس طرح لکھتے ہوئے دیکھا ہے: ''محمد علیؐ''، ''علی احمدؐ'' کیا اس طرح سے اپنے نام کے ساتھ ''ؐ'' لکھنا صحیح ہے؟

﴿جواب﴾:

لفظ ''محمد'' یا ''احمد'' جب کسی کے نام کا جزو ہو تو اس پر ''ؐ'' کی علامت نہیں لکھی جاتی (۳۴۷)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱، ص:۱۹۹، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



کلمہ پڑھنے کے بعد ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھنا

﴿سوال﴾:

جب ہم کلمہ شریف پڑھتے ہیں تو ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے بعد ''ﷺ'' بھی کہتے ہیں، میں نے سنا ہے کہ ''ﷺ'' کلمے کا حصہ نہیں ہے، مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے ساتھ ''ﷺ'' کہنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

کلمے کا حصہ تو نہیں، لیکن عام حالات میں آنحضرت ﷺ کے نام مبارک پر درود شریف پڑھ لینا چاہئے (۳۴۸)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱، ص: ۲۰۰، ط، مکتبہ

مشروعية بل مندوبة. (حلبي كبير، ص: ۳)

(۳۴۷):في الموسوعة الفقهية: وقال الجمهور من العلماء: لايجوز افراد غير الأنبياء بالصلاة، لأن هذا شعار للأنبياء اذا ذكروا، فلايلحق بهم غيرهم.

(الموسوعة الفقهية، ج: ۲۷، ص: ۲۳۹)

(۳۴۸):في الموسوعة الفقهية: تستحب الصلاة عليه ﷺ خارج الصلاة في

لدھیانوی کراچی)



کیا بیت الخلا میں اسم ''محمد'' سن کر درود پڑھنا چاہئے؟

﴿سوال﴾:

اگر کوئی بیت الخلا میں ہو تو ''محمد'' کا نام سن کر وہاں بھی درود پڑھیں یا خاموش رہیں؟

﴿جواب﴾:

بیت الخلا میں کچھ بھی پڑھنے کی اجازت نہیں (۳۴۹)۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱،ص:۲۰۰،ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)



کل الأوقات، تتأکد فی مواطن منها: یوم الجمعه ولیلتها، وعند الصباح، وعند المساء، وعند دخول المسجد، والخروج منه، وعند قبرهﷺ وعند اجابة المؤذن، وعند الدعاء، وبعده وعند السعی بین الصفا والمروة، وعند اجتماع القوم، وتفرقهم، وعند ذکر اسمهﷺ، وعند الفراغ من التلبیة، وعند استلام الحجر، وعند القیام من النوم، وعقب ختم القرآن، وعند الهم والشدائد، وطلب المغفرة، وعند تبلیغ العلم الی الناس، وعند الوعظ، والقاء الدرس، وعند خطبة الرجل المرأة فی النکاح. (الموسوعة الفقهية، ج: ٢٧، ص: ٢٣٧)

(۳۴۹):فی الموسوعة الفقهية: وقد صرح الحنفية بأن الکراهة فی حال قضاء الحاجة سواء کانت بولا أو غائطاً، وأنه یکره التکلم کذلک فی موضع الخلاء ولو فی غیر حال قضاء الحاجة. (الموسوعة الفقهية، ج: ٣٤، ص: ١٠/ الفتاوى الهندية، قبیل کتاب الصلاة، ج: ١، ص: ٥٠)

صیغۂ خطاب کے ساتھ صلاۃ وسلام پڑھنا

﴿سوال﴾:

قرآن مجید میں صلوا علیہ ہے، کیا ''صلی اللہ علیک یا رسول اللہ'' پڑھنے سے درود کا حق ادا ہو جاتا ہے؟

﴿جواب﴾:

خطاب کے صیغے کے ساتھ صلوٰۃ وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر کہنا چاہئے، دوسری جگہ غائب کے صیغے سے کہنا چاہئے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف کے جو صیغے امت کو تعلیم فرمائے ہیں، وہ غائب کے صیغے ہیں (۳۵۰)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱،ص:۲۰۱، ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)



''حضور'' کا لفظ استعمال کرنا

﴿سوال﴾:

مؤدّبانہ عرض کی جاتی ہے کہ آپ یہ بتادیجئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ''حضور'' کا لفظ استعمال کرنا کیسا ہے؟ بعض علمائے کرام سے سنا ہے کہ یہ الفاظ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

---

(۳۵۰):وعن أبی حمید الساعدی قال: قالوا: یارسول اللہ! کیف نصلی علیک؟ فقال رسول اللہ ﷺ: قولوا: اللّٰھم صل علی محمد وأزواجه وذریته کما صلیت علی آل ابراھیم وبارک علی محمد وأزواجه وذریته کما بارکت علی آل ابراھیم انک حمید جمید. متفق علیه. (مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی النبی ﷺ، ص: ٨٦، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

﴿جواب﴾:

''حضور'' ادب واحترام کا لفظ ہے(۳۵۱)، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کے لئے اس کا استعمال اردو محاورے میں عام ہے، اس کو شرک وکفر کہنا غلط اور نافہمی ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۲۰۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حق تعالیٰ کے آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کا معنیٰ

﴿سوال﴾:

اللہ تعالیٰ کس طرح نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں وہ الفاظ صحیح حدیث سے بیان فرمائیں۔

﴿الجواب﴾:

ہماری طرف سے درود شریف کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے رحمت خاصہ کے نزول کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے درود کے یہ معنی ہیں کہ حق جل شانہ اپنی رحمت خاصہ آنحضرت ﷺ پر نازل فرماتے ہیں (۳۵۲)۔ پس انسانوں کے درود کے لئے الفاظ کی حاجت ہے اور اللہ تعالیٰ کے درود کے لئے الفاظ کی حاجت نہیں۔ لہٰذا یہ سوال غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درود شریف کے الفاظ کون سے ہیں۔ فقط

---

(۳۵۱):حضرت: اسم مذکر۔ نزدیکی، درگاہ، قریب، جناب، حضور، قبلہ، تعظیم وعزت کا لقب۔ (رابعہ اُردو لغت جامع، ص: ٤٩٢)

(۳۵۲):فی الجامع لأحکام القرآن: والصلاة من الله رحمته ورضوانه، ومن الملائكة الدعاء والاستغفار، ومن الأمة الدعاء والتعظيم لأمره. (الجامع لاحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ٥٦، ج: ١٧، ص: ٢١٤، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج:۱،ص:۳۱۲،۳۱۳، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



درود شریف میں ''آل محمد'' سے کون لوگ مراد ہیں؟

﴿سوال﴾:

درود شریف میں ''آل محمد علیہ السلام'' سے کیا مراد ہے؟ آج کل کے بعض سیّد حضرات بھی اپنے آپ کو اس آل میں شامل سمجھتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ اگر ''آل'' سے مراد حضور علیہ السلام کی بیٹیوں کی اولاد ہے تو یہ نسل کہاں پہ ختم ہوتی ہے؟ آج کل بعض ڈوم، ڈنگر، مراثی حضرات بھی شیعہ بن کر سادات برادری میں داخل ہو رہے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾:

''آل محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی داخل ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ اور متبعین بھی (۳۵۳)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱،ص:۲۰۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



---

(۳۵۳): فی غنیة المستملی: (و) فی تسمیته رسول اللّٰہ ونبی اللّٰہ ثم اتبع الصلاة علیه الصلاة والسلام بالصلاة علی (آله) ای اهله والمراد من آمن منهم (اجمعین) تأکید للشمول ورعایة للسجع والصلاة علیهم تبعاً له علیه السلام مشروعیة بل مندوبة. (حلبی کبیر، ص: ۳)

وفی الشامیة: قوله: (وعلی آله) اختلف فی المراد بهم فی مثل هذا الموضع: فالأکثرون أنهم قرابته صلی اللہ علیہ وسلم الذین حرمت علیهم الصدقة علی الاختلاف فیهم. وقیل جمیع أمة الاجابة، والیه مال مالک، واختاره الأزهری والنووی فی شرح مسلم. وقیل غیر ذلک. شرح التحریر. وذکر القهستانی أن الثانی مختار المحققین.

عزوجل، علیہ السلام، ﷺ اور رضی اللہ عنہ کا صحیح استعمال کیا ہے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل کے بارے میں (۱) کیا عزوجل اللہ کے نام کے ساتھ ہی خاص ہے؟

(۲) کیا عزوجل انبیاء علیہم لسلام کے نام کے ساتھ بھی کہہ سکتے ہیں؟

(۳) کیا ﷺ حضرت محمد ﷺ کے نام کے ساتھ ہی خاص ہے؟

(۴) حضرت محمد ﷺ کے نام کے ساتھ صرف محمد ﷺ یا علیہ السلام کہہ سکتے ہیں؟

(۵) ﷺ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ بھی کہہ سکتے ہیں؟

(۶) علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ ہی خاص ہے؟

(۷) کیا علیہ السلام کا لفظ انبیاء کے علاوہ کسی اور کے نام کے ساتھ کہنا صحیح ہے؟

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا صحیح ہے؟

(۹) رضی اللہ عنہ صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام کے ساتھ ہی خاص ہے؟

(۱۰) کیا رضی اللہ عنہ کا لفظ غیر صحابہ کے نام کے ساتھ لکھنا اور کہنا صحیح ہے؟

﴿الجواب باسم الملک الوھاب﴾:

(۱) عزوجل اللہ تعالیٰ کے نام ہی کے ساتھ کہنا چاہیئے۔

"کما ان قولنا عزوجل مخصوص باللّٰہ تعالیٰ"......(شامی: ۵/ ۵۳۱)

"کما ان قولنا عزوجل مخصوص باللّٰہ سبحانہ

(ردالمحتار علی الدرالمختار، مقدمۃ المؤلف، ج: ۱، ص: ۸۵، ۸۶، ط، دار عالم الکتب ریاض)

تعالی" ..... (تفسرابن کثیر: ۲۲۸/ ۵)

(۲) اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی کے نام کے ساتھ عزوجل کہنا جائز نہیں۔

" فلا یقال محمد عزوجل وان کان عزیزا جلیلا"......

(شامی: ۵/۵۳۱)

" فکما لایقال محمد عزوجل وان کان عزیزا جلیلا"......(تفسیر ابن کثیر: ۲۲۸/ ۵)

(۳) ﷺ حضور کے ساتھ خاص ہے۔

" وامیل الیه ماقاله مالک وسفیان واختاره غیر واحد من الفقهاء والمتکلمین انه یجب تخصیص النبی ﷺ وسائر الانبیاء بالصلوٰة والتسلیم کما یختص الله سبحانه عند ذکره بالتقدیس والتنزیة" ...... (شامی: ۵/۵۳۱)

(۴) حضرت محمد ﷺ کے نام کے ساتھ ﷺ پورا کہنا چاہیئے صرف علیہ السلام نہ کہنا چاہیئے۔

"بان یقول اللّٰهم صل علی محمدو آله وصحبه وسلم لان فیه تعظیم النبی ﷺ". (شامی: ۵/۵۳۱)

" قال النووی اذا صلی علی النبی ﷺ فلیجمع بین الصلوة والتسلیم فلا یقتصر علی احدهما فلا یقول ﷺ فقط ولا علیه السلام فقط وهذا الذی قاله منتزع هذه الآیة الکریمة وهی قوله یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما، فالاولی ان یقال ﷺ وسلم تسلیما" ......(تفسیر ابن کثیر: ۲۲۹/ ۵)

(۵) انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ کسی پر صلوٰۃ ودرود بطریق استقلال جائز نہیں ہے۔

” وسائر الانبياء بالصلوٰة والتسليم كما يختص الله سبحانه عند ذكره بالتقديس والتنزيه “...... (شامی: ۵/۵۳۱)

”وقال الجمهور من العلماء لايجوز افراد غير الانبياء بالصلوة لان هذا قد صار شعارا للانبياء اذا ذكروا فلا يلحق بهم غيرهم، وقال آخرون لايجوز ذلک لان الصلوة على غير الانبياء قد صارت من شعار اهل الاهواء يصلون على من يعتقدون فيهم فلايقتدى بهم فى ذلک ...... والصحيح الذى عليه الاكثرون انه مكروه كراهة تنزيه لانه شعار اهل البدع وقد نهينا عن شعارهم ...... والمعتمد فى ذلک ان الصلوة صارت مخصوصة فى لسان السلف بالانبياء صلوات الله وسلامه عليهم“.(تفسیر ابن کثیر:۵/ ۲۲۸)

”والظاهر ان العلة فى منع الاسلام ما قاله النووى فى علة منع الصلوة ان ذلک شعار اهل البدع ولان ذلک مخصوص فى لسان السلف بالانبياء عليهم الصلوة والسلام كما ان قولنا عزوجل مخصوص بالله تعالىٰ فلايقال محمد عزوجل وان كان عزيزا جليلا...... واميل اليه ماقاله مالک وسفيان واختاره غير واحد من الفقهاء والمتكلمين انه يجب تخصيص النبى ﷺ وسائر الانبياء بالصلوة والتسليم كما يختص الله سبحانه عند ذكره بالتقديس والتنزيه ...... واما السلام فنقل اللقانى فى شرح جوهرة التوحيد عن الامام الجونى انه فى معنى الصلوة فلايستعمل فى الغائب ولا يفرد به غير الانبياء“... (شامی: ۵/ ۵۳۱)

" وقال الجمهور من العلماء لايجوز افراد غير الانبياء بالصلوة لان هذا قد صار شعارا للانبياء اذا ذكروا فلا يلحق بهم غيرهم فلا يقال قال ابوبكر ﷺ اوقال على ﷺ وان كان المعنى صحيحا كما لايقال قال محمد عزوجل".

(تفسیرابن کثیر: ۲۲۸/ ۵)

(۶) اورصرف سلام غیر نبی پراگر اس میں شیعہ اور اہل الھواء اور اہل البدع کے ساتھ قصد تشبیہ نہ ہوتو پھر جائز ہے ورنہ بصورت دیگر جائز نہیں ہے۔

" ولا يصلى على غير الانبياء ولا غير الملائكة الابطريق التبع (قوله ولا يصلى على غير الانبياء) لان فى الصلوة من التعظيم ما ليس في غير بها من الدعوات وهى زيادة الرحمة والقرب من الله تعالىٰ ولا يليق ذلك بمن يتصور منه خطايا والذنوب الا تبعا بان يقول اللّٰهم صل على محمد وآله وصحبه وسلم لان فيه تعظيم النبى ﷺ ".(شامی: ۵۳۱/ ۵)

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا صحیح نہیں ہے۔

" واما السلام فنقل اللقانى فى شرح جوهرة التوحيد ين الامام الجونى انه فى معنى الصلوة فلا يستعمل فى الغائب ولا يفرد به غير الانبياء فلا يقال على عليه السلام، وسواء فى هذه الاحياء والاموات الا فى الحاضر فيقال السلام اوسلام عليك او عليكم وهذا مجمع عليه"...... (شامی: ۵۳۱/ ۵)

"وقال الجمهور من العلماء لايجوز افراد غير الانبياء بالصلوة لان هذا قدصار شعارا للانبياء اذا ذكروا فلا يلحق

بهم غيرهم فلا يقال قال ابوبكر ﷺ اوقال على ﷺ وان كان المعنى صحيحا كمالا يقال قال محمد عزوجل".
(تفسير ابن كثير: ٢٢٨ /٥)

" قال آخرون لا يجوز ذلك لان الصلوة على غير الانبياء قد صارت من شعار اهل الاهواء يصلون على من يعتقدون فيهم فلا يقتدى بهم فى ذلك ...... والصحيح الذى عليه الاكثرون انه مكروه كراهة تنزيه لانه شعاراهل البدع ونهينا عن شعارهم"...... (تفسيرابن كثير: ٢٢٨/٥)

" والظاهر ان العلة فى منع الاسلام ما قاله النووى فى علة منع الصلوة ان ذلك شعار اهل البدع ولان ذلك مخصوص فى لسان السلف بالانبياء عليهم الصلوة والسلام كما ان قولنا عزوجل مخصوص بالله تعالىٰ فلا يقال محمد عزوجل وان كان عزيزا جليلا"...... (شامى: ٥٣١/ ٥)

(٨) علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ ہی خاص ہے۔

"واميل اليه ما قاله مالك وسفيان واختاره وغيره واحد من الفقهاء والمتكلمين انه يجب تخصيص النبى ﷺ وسائر الانبياء بالصلوٰة والتسليم كما يختص الله سبحانه عند ذكره بالتقديس والتنزية" ...... (شامى: ٥٣١/٥)

"ولان ذلك مخصوص فى لسان السلف بالانبياء عليهم الصلوة والسلام كما ان قولنا عزوجل مخصوص بالله تعالىٰ فلا يقال محمد عزوجل وان كان عزيزا جليلا" ......
(شامى: ٥٣١/ ٥)

"والمعتمد فی ذلک ان الصلوة صارت مخصوصة فی لسان السلف بالانبیاء صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہم".
(تفسیر ابن کثیر:۲۲۸/ ۵)

(۹) رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام کے ساتھ ہی خاص ہے۔

"کما قال اللّٰہ تعالیٰ رضی اللّٰہ عنہم ورضوا عنہ"...... (شامی: ۵۳۱/ ۵)

" قولہ یستحب الترضی للصحابة لانھم کانوا یبالغون فی طلب الرضا من اللّٰہ تعالیٰ ویجتھدون فی فعل ما یرضیہ ویرضون بما یلحقھم من الابتلاء من جھتہ اشد الرضا فھؤلاء احق بالرضا وغیرھم لایلحق ادناھم ولو انفق ملء الارض ذھبا"...... (شامی: ۵۳۲/ ۵)

" علی الراجح ذکرہ القرمانی وقال الزیلعی الاولی ان یدعوا للصحابة بالترضی وللتابعین بالرحمة ولمن بعدھم بالمغفرت والتجاوز"...... (در علی الشامی: ۵۳۲/ ۵)

(۱۰) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے علاوہ تابعین اور علماء کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہنا چاہیے اور اس کا عکس بھی جائز ہے۔

" والترحم للتابعین ومن بعدھم من العلماء والعباد وسائر الاخیار وکذا یجوز عکسہ للترحم للصحابة والترضی للتابعین ومن بعدھم علی الراجح ذکرہ القرمانی وقال الزیلعی الاولی ان یدعو للصحابة بالترضی وللتابعین بالرحمة ولمن بعدھم بالمغفرة والتجاوز "...... (در علی

الشامی: ٥/٥٣٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔(ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۲۹۵تا ۲۹۹ ،ط، مکتبة الحسن لاھور)



انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ کیا لکھا جائے؟

﴿سوال﴾:

آٹھویں جماعت کی انگریزی کی کتاب (انگلش میڈیم) میں ایک سبق ہے: ''حضرت علی'' اور بریکٹ میں Peace Be Upon Him لکھا ہوا ہے، جو ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا انگلش ترجمہ ہے۔اسی طرح فارسی کی ہشتم جماعت کی کتاب میں حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کے ساتھ ''علیہ لسلام'' لکھا ہوا ہے۔کیا پیغمبروں کے علاوہ صحابہ کبارؓ کے ساتھ یہ الفاظ استعمال کئے جاسکتے ہیں؟ اگراس کا جواب نفی میں ہے تو آپ اپنے مؤقر جریدے کی وساطت سے اسے نصاب کمیٹی اور اعلیٰ حکام وعمال حکومت کے نوٹس میں لائیں۔

﴿جواب﴾:

اہل سنت والجماعت کے یہاں ''صلی اللہ علیہ وسلم''،اور''علیہ لسلام'' انبیائے کرام کے لئے لکھا جاتا ہے،صحابہ کے لئے''رضی اللہ عنہ'' لکھنا چاہئے،اور حضرت علی کے نام نامی پر''کرّم اللہ وجہہ'' بھی لکھتے ہیں(۳۵۴)،متعلقہ حضرات کوآپ کی اس تنبیہ پرشکریہ کے

(۳۵۴):فی تفسیر ابن کثیر:وقال الجمهور من العلماء: لایجوز افراد غیر الأنبیاء بالصلاة، لأن هذا قد صار شعاراً للأنبیاء اذا ذکروا، فلایلحق بهم غیرهم، فلایقال: قال أبوبکر صلی اللّٰه علیه. أو قال: علی صلی اللّٰه علیه. وان کان المعنی صحیحاً، کما لایقال: قال محمد عزوجل، وان کان عزیزاً جلیلاً، لأن هذا من شعار

ساتھ غور کرنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۲۰۱، ۲۰۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



ذکر اللّٰہ، عزوجل. وحملوا ما ورد فی ذلک من الکتاب والسنة علی الدعاء لهم، ولهذا لم یثبت شعاراً لآل أبی أوفی، ولا لجابر وامراته. وهذا مسلک حسن.

وقال آخرون: لایجوز ذلک، لأن الصلاة علی غیر الأنبیاء قد صارت من شعار أهل الأهواء، یصلون علی من یعتقدون فیهم، فلایقتدی بهم فی ذلک. واللّٰہ اعلم.

ثم اختلف المانعون من ذلک: هل هو من باب التحریم، أو الکراهة التنزیهیة، أو خلاف الأولی؟ علی ثلاثة اقوال، وحکاها الشیخ أبو زکریا النووی فی کتاب الأذکار. ثم قال: والصحیح الذی علیه الأکثرون أنه مکروه، کراهة تنزیة، لأنه شعار أهل البدع، وقد نهینا عن شعارهم، والمکروه هو ما ورد فیه نهی مقصود. قال أصحابنا: والمعتمد فی ذلک أن الصلاة صارت مخصوصة فی اللسان بالأنبیاء، صلوات اللّٰہ وسلامه علیهم، کما أن قولنا عزوجل، مخصوص باللّٰہ سبحانه وتعالی، فکما لایقال: محمد عزوجل، و ان کان عزیزا جلیلا، لایقال أبوبکر أو علی صلی اللّٰہ علیه. هذا لفظه بحروفه. قال:وأما السلام، فقال الشیخ أبو محمد الجوینی من أصحابنا: هو فی معنی الصلاة، فلایستعمل فی الغائب، ولایفرد به غیر الأنبیاء، فلایقال: علی علیه السلام، و سواء فی هذا الأحیاء والأموات. وأما الحاضر فیخاطب به فقال: سلام علیک، والسلام علیک، أو علیکم، وهذا مجمع علیه، انتهی ما ذکره. قلت: وقد غلب هذا فی عبارة کثیر من النساخ لکتب أن یفرد علی رضی اللّٰہ عنه بأن یقال: علیه السلام من دون سائر الصحابة، أو کرم اللّٰہ وجهه. وهذا وان کان معناه صحیحاً، ولکن ینبغی أن یسوی بین الصحابة فی ذلک، فان هذا من باب التعظیم والتکریم، فالشیخان وأمیر المؤمنین عثمان أولی بذلک منه رضی اللّٰہ عنهم أجمعین. (تفسیر ابن کثیر، سورة الاحزاب، الآیة: ٥٦، ج:

اجداد نبی ﷺ کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہنے والے امام کا حکم

﴿سوال﴾:

محترم المقام جناب مفتی صاحب دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک! عرض یہ ہے کہ گزشتہ جمعہ کو ہمارے پیش امام صاحب نے وعظ کے دوران حضور اکرم ﷺ کے دادا عبد المطلب کے نام کیساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔ مزید یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ہاشم کی پشت سے تلبیہ کی آواز آرہی تھی۔ میں نے ان امام صاحب کو عبد المطلب کے نام کیساتھ رحمۃ اللہ علیہ پڑھنے سے منع کیا۔ اور دوسری بات کے متعلق بھی توجہ دلائی کہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ باتیں تواریخ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں اور صحیح ہیں اس سلسلے میں میں نے مولانا محمد یوسف بنوری صاحب، مفتی محمد شفیع صاحب کورنگی اور احتشام الحق تھانوی

٦، ص: ٤٧٨، ط، دار طيبة)

وفي الدر المختار: (ويستحب الترضي للصحابة) وكذا من اختلف في نبوته كذي القرنين ولقمان، وقيل يقال صلى الله على الأنبياء وعليه وسلم كما في شرح المقدمة للقرماني.

(والترحم للتابعين ومن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الأخيار، وكذا يجوز عكسه) الترحم للصحابة والترضي للتابعين ومن بعدهم. (على الراجح) ذكره القرماني. وقال الزيلعي: الأولى أن يدعو للصحابة بالترضي وللتابعين بالرحمة ولمن بعدهم بالمغفرة والتجاوز.

وفي الشامية تحته: قوله: (ويستحب الترضي للصحابة) لأنهم كانوا يبالغون في طلب الرضا من الله تعالى ويجتهدون في فعل ما يرضيه، ويرضون بما يلحقهم من الابتلاء من جهته أشد الرضاء، فهؤلاء أحق بالرضا وغيرهم لايحلق أدناهم ولو أنفق ملء الأرض ذهباً. زيلعي. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الخنثى، ج: ١٠، ص: ٤٨٥، ط، دار عالم الكتب رياض)

صاحب سے رجوع کیا۔ جس میں مولانا محمد یوسف بنوری صاحب نیوٹاؤن کا جواب موصول ہوا۔ انہوں نے دونوں باتوں کو غلط قرار دیا ہے۔ میں نے وہی فتویٰ امام صاحب کو دکھایا۔ لیکن امام صاحب نے نہیں مانا تو اس صورت میں واقعی اگر دونوں باتیں غلط ہوں تو اس امام کے پیچھے اقتداء کرنا کیسا ہے؟ اوران باتوں کا کیا بنے گا، بینوا توجروا

﴿الجواب﴾:

صحیح مسلم وغیرہ کے روایات میں مصرح ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام نے ابوطالب کو اسلام کی طرف بلایا تو اس نے کہا **ھو علی ملة عبد المطلب** (۳۵۵) اور پیغمبر علیہ السلام نے اس کی تردید نہیں کی تو اس سے معلوم ہوا کہ عبدالمطلب اسلام پر نہیں گزرا ہے لیکن بعض ضعیف اقوال میں آیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے تمام آباء واجداد توحید پر گزرے ہیں اور اس کو ابوحیان وغیرہ نے مردود کہا ہے۔ (**فليراجع الى فتح الملهم ص ۳۷۳ جلد ۱**) لہٰذا عبدالمطلب کا حکم دیگران اموات کا ہوگا جو کہ زمانہ فترت میں مرچکے ہیں۔

---

(۳۵۵):عن سعيد بن المسيب، عن أبيه، قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة، جاء ه رسول الله ﷺ، فوجد عنده أبا جهل، وعبدالله بن أبى امية بن المغيرة، فقال رسول الله ﷺ: ياعم، قل: لااله الا الله، كلمة أشهد لك بها عندالله فقال أبو جهل وعبدالله بن أبى أمية: يا أبا طالب، أترغب عن ملة عبدالمطلب؟ فلم يزل رسول الله ﷺ يعرضها عليه، ويعيد له تلك المقالة، حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم: هو على ملة عبدالمطلب، وابىٰ أن يقول: لا اله الا الله. فقال رسول الله ﷺ: أما والله، لأستغفرن لك ما لم أنه عنك فأنزل الله عزوجل: ﴿ما كان للنبى والذين اٰمنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربىٰ من بعد ما تبين لهم انهم اصحاب الجحيم﴾ [التوبة: ۱۱۳] وأنزل الله تعالى فى أبى طالب، فقال لرسول الله ﷺ: ﴿انك لاتهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشاء وهو اعلم بالمهتدين﴾ [القصص: ۵۶]. (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على صحة اسلام من حضره الموت الخ، ص: ۳۳، ۳۴، رقم: ۱۳۲، ط، دار السلام)

یعنی ان کا جہنمی ہونا یا میدان محشر میں ان سے امتحان لینا۔لہٰذا ان کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ نہیں کہنا چاہئے اور اگر کوئی کہے تو قول ضعیف کے تحقیق کی وجہ سے اشد انکار نہیں کرنا چاہئے اور ان کے پیچھے اقتداء کرنا چاہئے بشرطیکہ باقی اعتقادات بھی صحیح ہوں۔ وھوالموفق۔ (فتاوی فریدیہ، ج:۱،ص:۴۵۸،۴۵۹)



غیر انبیاء کے لیے علیہم السلام کا لفظ استعمال کرنے کا حکم

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) استخارہ کرنے میں اسلام میں کیا اجازت ہے؟ کیا استخارہ کے ذریعے آنے والے وقت کے کام کا پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ہمارے حق میں بہتر ہے یا نہیں؟

(۲) انبیاء علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھا جاتا ہے، کیا انبیاء علیہم السلام کے بعد آنے والے صحابی، امام، یا کسی بھی اولیاء کرام یا بزرگان دین کے ساتھ لکھا جاسکتا ہے،؟ ملائکہ یا ان کے علاوہ کن ہستیوں کے ناموں کے ساتھ لکھنا چاہئے؟

قرآن وحدیث کے مطابق بیان کردیں، نیز احادیث کے حوالے بھی تحریر کردیں۔

﴿الجواب باسم الملک الوھاب﴾:

(۱) جب کوئی انسان کام کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے رہنمائی لینے کو استخارہ کہتے ہیں، حدیث مبارکہ میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رہنمائی نہ لینا بدبختی اور کم نصیبی کی بات ہے، کہیں منگنی، بیاہ کرے یا کوئی اور کام کرے تو استخارہ کرکے، کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کئے پر پشیمانی نہ ہوگی، البتہ استخارہ کے ذریعے آنے والے وقت کے اچھے یا برے ہونے کا معلوم ہوجانا ثابت نہیں۔

(۲) ملائکہ وانبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ علیہ

السلام کا استعمال درست نہیں، یہ لفظ ملائکہ وانبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے، البتہ دیگر بزرگوں کے ناموں کے ساتھ تبعاً استعمال کی گنجائش ہے، جیسے کسی نبی کے ذکر کے ساتھ ان کی آل اولاد یا صلحاء کا ذکر آجائے تو سب کے لیے علیہم السلام کا استعمال کرنا جائز ہے، نیز مستحب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے اسماء کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور بزرگان دین کے ناموں کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ استعمال کیا جائے، البتہ اس کے برعکس بھی جائز ہے یعنی صحابہ کرام کے نام کے ساتھ ترحم اور بزرگان دین کے نام کے ساتھ ترضی کے صیغہ کا استعمال جائز ہے، جیسا کہ علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" ولا یصلی علی غیر الانبیاء ولا علی غیر الملائکة الابطریق التبع وهل یجوز الترحم علی النبی قولان زیلعی قلت وفی الذخیرة انه یکره جوزه السیوطی رحمه اللّٰه تعالیٰ تبعا لااستقلالا فلیکن التوفیق وباللّٰه التوفیق ویستحب الترضی للصحابة وکذا من اختلف فی نبوته کذی القرنین ولقمان وقیل یقال صلی اللّٰه علی الانبیاء وعلیه وسلم کما فی شرح المقدمة للقرمانی والترحم للتابعین ومن بعد هم من العلماء والعباد وسائر الاخیار وکذا یحوز عکسه وهو الترحم للصحابة والترضی للتابعین ومن بعد هم علی الراجح ذکره القرمانی وقال الزیلعی الاولیٰ ان یدعوا للصحابة بالترضی وللتابعین بالرحمة ولمن بعدهم بالمغفرة والتجاوز". (۵۳۲، ۵۳۱/ ۵) واللّٰه تعالیٰ اعلم بالصواب

(ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۲۸۸، ۲۸۹، ط، مکتبة الحسن لاهور)



غیر پیغمبر کو علیہ السلام کہنا یا لکھنا

﴿سوال﴾:
غیر پیغمبر کے لئے علیہ السلام کہنا یا لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:
غیر نبی کے لئے علیہ السلام کہنا یا لکھنا درست نہیں ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے(۳۵۶)۔ (فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج:۱،ص: ۲۱۳، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



---

(۳۵۶):فی تفسیر ابن کثیر:وقال الجمهور من العلماء: لایجوز افراد غیر الأنبیاء بالصلاة، لأن هذا قد صار شعاراً للأنبیاء اذا ذکروا، فلایلحق بهم غیرهم، فلایقال: قال أبوبکر صلی الله علیه. أو قال: علی صلی الله علیه. وان کان المعنی صحیحاً، کما لایقال: قال محمد عزوجل، وان کان عزیزاً جلیلاً، لأن هذا من شعار ذکر الله، عزوجل. وحملوا ما ورد فی ذلک من الکتاب والسنة علی الدعاء لهم، ولهذا لم یثبت شعاراً لآل أبی أوفی، ولا لجابر وامراته. وهذا مسلک حسن.

وقال آخرون: لایجوز ذلک، لأن الصلاة علی غیر الأنبیاء قد صارت من شعار أهل الأهواء، یصلون علی من یعتقدون فیهم، فلایقتدی بهم فی ذلک. والله اعلم.

ثم اختلف المانعون من ذلک: هل هو من باب التحریم، أو الکراهة التنزیهیة، أو خلاف الأولی؟ علی ثلاثة اقوال، وحکاها الشیخ أبو زکریا النووی فی کتاب الأذکار. ثم قال: والصحیح الذی علیه الأکثرون أنه مکروه، کراهة تنزیة، لأنه شعار أهل البدع، وقد نهینا عن شعارهم، والمکروه هو ما ورد فیه نهی مقصود. قال أصحابنا: والمعتمد فی ذلک أن الصلاة صارت مخصوصة فی اللسان

حدیث شریف میں ''رض'' کی علامت

﴿سوال﴾:

حدیث شریف کے ایک سے زیادہ راویوں کا نام جب لکھا جاتا ہے تو عموماً آخری نام پر درج ہوتا ہے، جیسے ''مغیرہ بن شعبہ رض'' کیا جس نام پر یہ نہ لکھا ہو، وہ صحابی رسول نہیں ہوتے؟

﴿الجواب﴾:

''رض''، ''رضی اللہ عنہ'' کی علامت ہے، عام طور سے حدیث کے آخر میں صحابی کا نام آتا ہے، اس پر ''رضی اللہ عنہ وعنہم'' کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس صحابی کے لئے بھی دعا ہوئی اور صحابی سے پہلے جتنے راوی آئے ہیں وہ بھی دعا میں شریک ہوگئے۔
(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۲۰۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



بالأنبياء، صلوات الله وسلامه عليهم، كما أن قولنا عزوجل، مخصوص بالله سبحانه وتعالى، فكما لايقال: محمد عزوجل، و ان كان عزيزا جليلا، لايقال أبوبكر أو على صلى الله عليه. هذا لفظه بحروفه. قال: وأما السلام، فقال الشيخ أبو محمد الجوينى من أصحابنا: هو فى معنى الصلاة، فلايستعمل فى الغائب، ولايفرد به غير الأنبياء، فلايقال: على عليه السلام، وسواء فى هذا الأحياء والأموات. وأما الحاضر فيخاطب به فقال: سلام عليك، والسلام عليك، أو عليكم، وهذا مجمع عليه، انتهى ما ذكره. قلت: وقد غلب هذا فى عبارة كثير من النساخ لكتب أن يفرد على رضى الله عنه بأن يقال: عليه السلام من دون سائر الصحابة، أو كرم الله وجهه. وهذا وان كان معناه صحيحاً، ولكن ينبغى أن يسوى بين الصحابة فى ذلك، فان هذا من باب التعظيم والتكريم، فالشيخان وأمير المؤمنين عثمان أولى بذلك منه رضى الله عنهم أجمعين. (تفسير ابن كثير، سورة الاحزاب، الآية: ٥٦، ج: ٦،

کیا خود آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام پر بھی درود پڑھنا واجب تھا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا آنحضرت علیہ السلام پر خود بھی اپنے پر درود پڑھنا واجب تھا جیسے کہ آیت "یایھا الذین آمنوا علیه وسلموا تسلیما". کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔

﴿الجواب﴾:

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ تھے۔ یہ خطاب آپ کے علاوہ باقی تمام مؤمنین کو ہے۔

وفی المجتبی لایجب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی علی نفسه اه (درمختار) وفی الشامیة لانه غیر مراد بخطاب صلوا ولا داخل تحت ضمیرہ کما هو المتبادر من ترکیب صلوا علیه وقال فی النهر لا یجب علیه بناء علی ان یاایها الذین آمنوا لایتناول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف یاایها الناس، یاعبادی کما عرف الاصول اه والحکمة فیه واللّٰه تعالیٰ اعلم انها دعاء وکل شخص مجبول علی الدعاء لنفسه وطلب الخیر لها فلم یکن فیه کلفة والایجاب من خطاب التکلیف لایکون الا فیما فیه کلفة ومشقة علی النفس و منافرة لطبعها لتیحقق الابتلاء اهـ (٣٥٧)(ج ١: ص ٤٨١) فقط واللّٰه اعلم۔(خیر

ص: ٤٧٨، ط، دار طیبة)

(٣٥٧):(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب لایجب علیه أن یصلی علی نفسه صلی اللّٰه علیه وسلم، ج: ٢، ص: ٢٢٦، ط، دار عالم

الفتاوی، ج: ١، ص: ٣٢٩، ط، مکتبه امدادیه ملتان)



درود شریف لکھنے کا صحیح طریقہ

﴿سوال﴾:

درود شریف لکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' یا ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''؟

جواب:

دونوں صحیح ہیں، اور دوسرے میں ''وآلہ'' کا اضافہ ہے، یہ زیادہ بہتر ہے(٣٥٨)، ''رحمت نازل فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر اور آپ کی آل پر اور سلام بھیجیں۔'' (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:١،ص:١٩٩، ٢٠٠، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



الکتب ریاض)

(٣٥٨): فی الشامیة: وأفضل العبارات علی ما قال المرزوقی: اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد. (ردالمختار علی الدرالمختار، مطلب أفضل صیغ الصلاة، ج: ١، ص: ٨٤، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(مؤلف کی دیگر کتب ورسائل)

(١) فتاوی رشیدیہ پر ٣ جلدوں میں تحقیق وتخریج۔

(٢) فتاوی دینیہ پر ٨ جلدوں میں تحقیق وتخریج۔

(٣) مسائل جمعه للحنفی.

(٤) پھلوں کی خرید وفروخت کے شرعی احکام۔

(٥) ردالهماهم علی حسن العمائم کطلوع الغمائم.

(٦) سید البشر محمد رسول اللہ ﷺ کی سلسلۂ نسب کی مدلل تحقیق۔

(٧) الرسالة العالية فی تحقيق الجماعة الثانية.

(٨) القول التمام فی رد من قال خلاف الامام.

(٩) تبلیغی جماعت علمائے عرب وعجم کے آئینہ میں۔

(١٠) معدنیات کا شرعی حکم۔

(١١) اجرت تراویح کا شرعی حکم۔

(١٢) نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے؟

(١٣) روزہ کی حالت میں انجکشن لگانے کا شرعی حکم۔

(١٤) بالوں کے شرعی احکام۔

(١٥) آلات موسیقی کے حرمت پر فقہائے احناف کے دلائل۔